رسول اللہ ﷺ
نے فرمایا
جس قوم نے اپنا معاملہ عورت کے سپرد کیا وہ کبھی فلاح نہیں پا سکتی
عورت کی سربراہی کا
اسلام میں کوئی تصور نہیں
تحریر
فضل الرحمن بن محمد
ایم اے عربی گولڈ میڈلسٹ، ایم اے اسلامیات
کورس جامعۃ الازہر القاہرہ
ناشر
انجمن اہلحدیث مسجد مبارک
اسلامیہ کالج ریلوے روڈ لاہور

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

وہ قوم کبھی فلاح نہیں پائیگی کہ جس نے اپنا معاملہ عورت کے سپرد کیا۔

(بخاري)

عورت کی سربراہی کا اسلام میں کوئی تصور نہیں

تحریر

فضل الرحمن بن محمد

ایم اے عربی گولڈ میڈلسٹ ایم اے اسلامیات

شریعہ کورس جامعۃ الازہر القاہرہ

ناشر — انجمن اہلحدیث مسجد مبارک، لاہور
طبع اوّل — جنوری ۱۹۹۰ء
مطبع — زاہد بشیر پریس، لاہور
کتابت — محمد صدیق خوشنویس
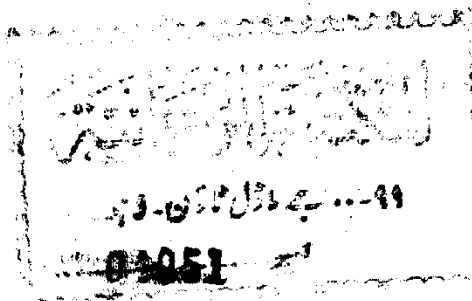
کیا عورت ملک کی سربراہ ہو سکتی ہے ؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

Phones Off : 61288
Res : 852889

فون : ٦١٢٨٨
٨٥٢٨٨٩

Hafiz Abdul Qadir Ropri
AMEER MARKAZI JAMAT AHLEHADITH
PAKISTAN

حافظ عبدالقادر روپڑی
امیر مرکزی جماعت اہلحدیث پاکستان

Dated ٢٠ صفر المظفر ١٤١٠ھ

سماحة الشيخ عبدالعزيز بن باز حفظه الله تعالى

رئيس العام لادارات البحوث العلمية والافتاء والدعوة والارشاد

السلام عليكم ورحمة الله وبركاته

ما قولكم

فى مسئلة ولاية المرأة فى الدول الاسلامية

الرجاء من فضيلتكم الجواب مستدلاً من الكتاب والسنة

جزاكم الله خيرا۔

المستفتى : حافظ عبدالقادر روپڑی كان الله له

بلدة ۔ طائف

سعودی عرب

٢٢ ستمبر ١٩٨٩ء

الاستفتاء

فضیلۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز حفظہ اللہ تعالےٰ ـــــــ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا اس بارے میں کیا فتویٰ ہے کہ :

کوئی عورت کسی مسلمان ملک کی حکمران بن سکتی ہے یا نہیں ؟

آپ کتاب وسنت کی روشنی میں اس سوال کا جواب (مدلل) ارشاد فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے۔

مستفتی : حافظ عبدالقادر روپڑی کان اللہ لہ

عورت کی سربراہی کے بارے میں
سعودی عرب کے مفتی اعظم کا فتویٰ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

المملكة العربية السعودية
لإدارات البحوث العلمية والإفتاء والدعوة والإرشاد
مكتب الرئيس

الرقم :
التاريخ : ٢٢/٤/١٤١٠
المرفقات :

الموضوع

الحمدلله وحده وبعد :

والجواب :

تولية المرأة واختيارها للرئاسة العامة للمسلمين لايجوز وقددل الكتاب والسنة والاجماع على ذلك .

فمن الكتاب قوله تعالى (الرجال قوامون على النساء بما فضل الله بعضهم على بعض ..) والحكم في الآية عام شامل لولاية الرجل وقوامته في اسرته وكذا في الرئاسة العامة من باب أولى ويؤكد هذا الحكم ورود التعليل في الآية وهو افضلية الرجال على النساء وهي افضلية تدخل فيها أفضلية العقل والرأي وغيرهما من مؤهلات الحكم والرئاسة .

ومن السنة قوله (صلى الله عليه وسلم) لما ولى الفرس ابنة كسرى (لن يفلح قوم ولوا أمرهم امرأة) رواه البخاري . ولاشك أن هذا الحديث يدل على تحريم توليه المرأة الإمرة العامة وكذا توليتها إمرة اقليم أو بلد لأنّ ذلك كله له صفة العموم وقد نفى الرسول (صلى الله عليه وسلم) الفلاح عمن ولاها . والفلاح : هو الظفر والفوز بالخير .

وقد أجمعت الامة في عصر الخلفاء الراشدين وأئمة القرون الثلاثة المشهود لها بالخير إجماعا عمليا على عدم إسناد الإمارة والقضاء الى امرأة . وقدكان منهن المتفقهات في علوم الدين اللاتي يرجع اليهن في علوم القرآن والحديث والأحكام . بل لم تطلع النساء في تلك القرون الى تولي الإمارة ومايتصل بها من المناصب والزعامات العامة .

ثم ان الاحكام الشرعية العامة تتعارض مع تولية النساء الولايات العامة . فان

الشأن في الإمارة أن يتفقد متوليها أحوال الرعية ويتولى شؤونها العامة اللازمة لإصلاحها فيضطر إلى الأسفار في الولايات والاختلاط بأفراد الأمة وجماعاتها وإلى قيادة الجيش أحيانا في الجهاد وإلى مواجهة الأعداء في إبرام عقود ومعاهدات وإلى عقد بيعات مع أفراد الأمة وجماعاتها رجالا ونساء في السلم والحرب ونحو ذلك مما لا يتناسب مع أحوال المرأة وما يتعلق بها من أحكام شرعت لحماية عرضها والحفاظ عليها من التبذل الممقوت .

رابعا فإن المصلحة المدركة بالعقل تقتضي عدم إسناد الولايات العامة لهن فإن المطلوب في من يختار للرئاسة أن يكون على جانب كبير من كمال العقل والحزم والدهاء وقوة الإرادة وحسن التدبير وهذه الصفات تتناقض مع ما جبلت عليه المرأة من نقص العقل وضعف الفكر مع قوة العاطفة فاختيارها لهذا المنصب لا يتفق مع النصح للمسلمين وطلب العز والتمكين لهم .

والله الموفق . وصلى الله وسلم على نبينا محمد وعلى آله وصحبه .

الرئيس العام

لإدارات البحوث العلمية والإفتاء والدعوة والإرشاد

عبدالعزيز بن عبدالله بن باز

عورت ملک کی سربراہ نہیں ہو سکتی

الجواب : بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عورت کی حکمرانی یا اس کا مسلمان پر عام اختیار جائز نہیں۔ کتاب و سنّت اور اجماع اُمت اس پر دلالت کرتے ہیں۔

پہلی دلیل : اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّ بِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ۔

اس آیت کا حکم عام ہے کہ جس طرح مرد طاقت ور ہونے کی وجہ سے اپنے خاندان پر حکومت کرتا ہے اسی طرح عام حکومت کرنے کا حق بھی وہی رکھتا ہے۔

دُوسری دلیل : سنّتِ نبویؐ سے ہے کہ جب اہلِ فارس نے کسریٰ کی بیٹی کو حکومت کا سربراہ بنایا تو سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔

لن یفلح قوم ولوا امرھم امرأۃ (بخاری)

"وہ قوم ہرگز فلاح نہیں پائے گی جس نے اپنی حاکم عورت کو بنالیا"۔

اس میں کوئی شک و شُبہ نہیں کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عورت کو کسی ملک کی حکمران بنانا حرام ہے۔ اسی طرح عورت کسی صوبہ یا شہر پر بھی حکمران نہیں بن سکتی کیونکہ اس حدیث کا حکم بھی عام ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے واضح فرمادیا کہ جس کسی نے بھی عورت کو حاکم بنایا وہ کبھی فلاح نہیں پا سکتا۔ فلاح سے خیر کا حصول اور کامیابی ہے۔

تیسری دلیل : اجماعِ اُمّت خلفائے راشدین اور کبار صحابہؓ سے لے کر ائمہ دین قرون ثلاثہ تک اس بات پر متفق ہیں کہ عورت کو حاکم بنانا جائز نہیں حالانکہ اس وقت ان میں دینی علوم کی ایسی ماہر عورتیں تھیں کہ جب کبھی قرآن و حدیث یا احکامات سے کسی مسئلہ کی ضرورت پیش آئی تو ان کی طرف رجوع کیا گیا۔

قرون ثلاثہ اور اس کے بعد کسی عورت کو کوئی منصب یا عہدہ نہیں سونپا گیا۔

پھر یہ بات بھی واضح ہے کہ شرعی احکام یہ اجازت نہیں دیتے کہ کسی عورت کو صدر یا حکمران بنا دیا جائے۔ کیونکہ حاکم کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی ذات کی پرواہ کئے بغیر قومی خدمت اور اصلاحِ معاشرہ کے لئے عوام میں مل بیٹھے۔ اسی طرح وہ لاچار ہوتا ہے کہ خارجی علاقات کے لئے غیر ملکی دورے کرے۔ جہاد میں لشکر کی قیادت، دشمنوں سے معاہدہ یا لین دین کے بارہ میں گفتگو کرے۔

اس قسم کے جتنے معاہدات و تنائج ہوں جو مردوں میں بیٹھ کر حل کرنے پڑتے ہیں یہ ایسے مسائل ہیں

جو عورت کے لئے مناسب نہیں کہ اُن میں مل جُل کر مٹائے کیوں کہ اسلامی شریعت عورت کو اس کی اجازت نہیں دیتی۔ اسلام تو عورت کو اپنی آبرو اور عزت کی حفاظت پر زور دیتا ہے۔

اور پھر عقلِ سلیم بھی اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ عورت کسی ملک کی حکمرانی کی اہل نہیں۔ کیونکہ یہ ضروری ہے کہ جس شخص کو صدارت یا وزارت یا حکمرانی کے لئے منتخب کیا جائے وہ نہایت زبردست عاقل، حازم، قوی الارادہ، اچھی صفات اور تدابیر کا مالک ہو۔ یہ اور ایسی صفات عورت میں نہیں پائی جاتیں۔ کیوں کہ ان کی عقل اور قوتِ ارادہ کم ہوتی ہے۔ عورت کا فکر کمزور ہوتا ہے اس کو اس منصب یا عہدہ کے لیے اختیار کرنا مسلمانوں کی عزت و احترام کے لئے درست نہیں۔ واللہ الموفق۔ وصلی اللہ علیہ وسلم علیٰ نبیّنا محمّد وعلیٰ اٰلہ وصحبہ۔

الرئیس العام لادارات البحوث العلمیہ والافتاء والدعوۃ والارشاد

عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز۔ سعودی عرب[1]

فضیلۃ الشیخ بن باز حفظہ اللہ کے فتوٰی سے پہلے عورت کی حکمرانی کی حمایت کرنے والوں کی طرف سے یہ عام سننے میں آتا تھا کہ سعودی عرب کے کسی عالم نے جب عورت کی سربراہی کی مخالفت نہیں کی تو پاکستان کے علماء اس مسئلے کو کیوں اچھال رہے ہیں اور اس بناء پر وہ سعودی علماء سے بڑے خوش تھے لیکن جب سے فضیلۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز حفظہ اللہ کا فتوٰی شائع ہوا ہے تب سے ان کے خلاف بھی پروپیگنڈہ کا سلسلہ شروع کر دیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عورت کی حکمرانی کی حمایت کرنے والوں کا معیار ہی یہ ہے کہ جو بھی قرآن و سنّت کی بات کرے اس کی مخالفت کی جائے۔

---

[1] ہفت روزہ "تنظیم اہلحدیث" لاہور

فہرست

عنوان	صفحہ

تمہیدی کلمات

یہ مسلّمہ حقیقت ہے کہ اسلام سے پہلے انسانی معاشرے میں عورت کی کوئی عزّت نہ تھی۔ عرب میں یہ دستور تھا کہ لڑکی کو پیدا ہوتے ہی زندہ درگور کر دیا جاتا۔ اگر بچ جاتی تو اپنے خاوند کے رحم و کرم پر زندگی بسر کر دیتی۔ اگر وہ اسے جُوئے میں ہار دیتا تو اسے معیوب نہ سمجھا جاتا۔ باپ کے فوت ہو جانے پر بیٹا اگر اس کی بیوہ سے شادی کر لیتا تو یہ اس کا حق تسلیم کر لیا جاتا۔ بیویوں کی تعداد پر کوئی پابندی نہ تھی لونڈیوں کے ذریعے بُری کمائی حاصل کرنے کا عام رواج تھا۔

عورت کی مختلف حیثیتوں یعنی ماں۔ بیوی۔ بیٹی اور بہن میں سے کسی بھی حیثیت کو وہ مقام حاصل نہ تھا جو اسلام نے عورت کو عطا فرمایا۔ ماں کے پاؤں کے نیچے جنّت رکھ دی۔ بیوی سے اچھا سلوک کرنے کا حکم دیا۔ بیٹی اور بہن کی پرورش کرنے اور ان کی شادی کرنے والوں کو جنّت میں سیّد الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کی بشارت دے دی۔ لیکن اس کے بدلے میں عورتوں کو بھی اسلامی قانون و ضوابط کا پابند بنایا۔ جس کا اہم ترین حصّہ یہ ہے کہ عورت کے دائرہ کار کو گھریلو معاملات تک محدود رکھا گیا۔ تاکہ وہ قرآنی تعلیم کے مطابق مرد کے لئے سکون کا ذریعہ و سبب بن کر اولاد کی عُمدہ تربیت پر پوری طرح توجّہ دے سکے۔

قرآن و سُنّت میں عورت کے حقوق اور اس کے فرائض میں یہ کہیں بھی منقول نہیں کہ اس کو اسلامی ملک کی سربراہی کی ذمّہ داری سونپی جائے یا اسے عہدہ قضا پر فائز کر کے لوگوں کے جھگڑوں کو نپٹانے پر لگا دیا جائے۔ کیونکہ جب ایسا کیا جائے گا تو اس کی تخلیق کے مقصد میں خلل واقع ہو جائے گا۔

پاکستان کو وجود میں آئے ہُوئے بیالیس سال ہو گئے لیکن آج بھی عدالتوں میں فیصلے انگریزی

قانون کے تحت ہوتے ہیں جس کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ ہمارے قانون دانوں کی اکثریت کی سوچ بھی انگریزی ہو چکی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آئین کی تعبیر کرتے ہوئے قرآن و سُنّت کی تعلیم کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی۔ چنانچہ کسی دینی مسئلہ کے حل میں دینی راہنمائی لینے کی بجائے انگریزی حیل و حجّت کے طریقہ کار کو اپنایا جاتا ہے جس سے مسئلہ سلجھنے کی بجائے مزید اُلجھ جاتا ہے۔

یہی حال عورت کی سربراہی کا ہوا۔ انگریزی قانون کے ماہرین نے رائے دے دی کہ آئینِ پاکستان میں عورت کے وزیر اعظم ہونے پر کوئی قدغن نہیں۔ لہٰذا نومبر ۱۹۸۸ء کے الیکشن میں کثرت کے ساتھ انتخابی کامیابی حاصل کرنے والی پارٹی کی سربراہ عورت کو پاکستان کا وزیر اعظم نامزد کر دیا گیا۔ جس پر دینی جماعتوں اور دینی ذہن رکھنے والوں نے احتجاج کیا کہ پاکستان کے آئین کی قانونی تعبیر کو قرآن و سنّت پر فوقیت حاصل ہو گئی ہے کیونکہ قرآن و سُنّت کے مطابق عورت کسی اسلامی ملک کی سربراہ نہیں ہو سکتی۔

اس کے جواب میں قانونی ماہرین نے کہا کہ جب عورت الیکشن میں حصّہ لے سکتی ہے اور وزیر و مشیر بن سکتی ہے تو وزیر اعظم بننے میں اسے کونسا امر مانع ہے؟

ایسے بھی قانون دان ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ قرآن و سنّت پر بھی انہیں عبور حاصل ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ قرآن مبین میں کہاں واضح طور پر حکم دیا گیا ہے کہ عورت ملک کی سربراہ نہیں ہو سکتی؟

قانون دانوں کے علاوہ ایسے بھی روشن خیال حضرات ہیں کہ جو غیر اسلامی ممالک کی حکمران عورتوں کی فلاح اور کامیابیوں سے متأثر ہو کر کہہ دیتے ہیں کہ اگر ان ممالک میں عورتیں حکمرانی کر سکتی ہیں تو پاکستان میں ایسا کیوں نہیں ہو سکتا؟

روشن خیال حضرات میں چند وہ بھی ہیں کہ جنہوں نے عورت کی سربراہی کو کتابوں اور اخباروں میں عین اسلامی تعلیم کے مطابق ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ درحقیقت یہ کتاب ایسے ہی لوگوں کا محاسبہ کرنے کے لئے لکھی گئی ہے۔ اور واضح کیا گیا ہے کہ ان حضرات نے اپنے موقف کو پیش کرتے ہوئے جس علمی

خیانت کا مظاہرہ کیا ہے۔ اس کی مثال نہیں ملتی۔ صحابہؓ، محدثینؒ اور فقہاءؒ پر طعن و تنقید کا جو رویّہ اختیار کیا گیا ہے۔ وہ بھی بڑا نامناسب اور جارحانہ ہے لیکن اس کے باوجود ان کے نامعقول اور بیہودہ اعتراضات اور حملوں کا علمی انداز میں جواب دیا گیا ہے۔

ایک مسلمان کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اس تک پہنچ جائے تو اس کو قیل و قال کی بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ ہمارا یہ ایمان ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی رشد و ہدایت کے لئے اپنے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور آپؐ پر وہ قرآن حکیم نازل ہوا جو آپؐ نے اپنے صحابہؓ کو سنایا، یاد کروایا اور لکھوایا صحابہؓ نے جو کچھ آپؐ سے سنا۔ آپؐ ہی کے حکم کے مطابق اُسے آگے پہنچایا۔ یہ سلسلہ یُونہی جاری رہا۔ یہاں تک کہ قرآن اور آپؐ کے اقوال و افعال ہم تک پہنچ گئے۔ محدثین نے احادیث کی پرکھ کر کے صحیح احادیث کو موضوع اور ضعیف سے الگ کر دیا۔ جمہور اہل سنّت علمائے اُمّت نے صحیح بخاری کو قرآن کے بعد اصح الکتب قرار دے دیا۔ اور تمام صحابہؓ کے عدول ہونے پر اتفاق کر لیا۔ لیکن روشن خیال حضرات نے محدثین اور فقہائے اُمّت کے فیصلے کو نظر انداز کرتے ہوئے اور پاکستان کے عوام النّاس کو گمراہ کرنے کے لئے صحیح بخاری اور دوسری کتب احادیث کی روایات پر ایسے دل آزارانہ اعتراضات وارد کئے کہ شاید کوئی غیر مسلم بھی اس کی جُرأت نہ کرتا۔

ان کا کہنا ہے کہ جس حدیث سے عورت کی سربراہی کی نفی کی جاتی ہے۔ اس کے اصل راوی حضرت ابوبکرہؓ پر حدِ قذف لگی تھی اور ان کے شاگرد حضرت حسن بصریؒ سے ان کی ملاقات ثابت نہیں۔ لہٰذا حدیث پایۂ اعتبار سے گر گئی اور ضعیف حدیث سے استدلال درست نہیں۔

انہوں نے دھوکہ دینے کے لئے جان بوجھ کر امام مالکؒ اور امام طبریؒ کے کھاتے میں یہ ڈال دیا کہ وہ عورت کی سربراہی کے قائل تھے اور علی الاطلاق اس کے قاضی ہونے کو جائز سمجھتے تھے۔

انہوں نے چند مسلمان عورتوں کے حوالے بھی دیئے ہیں اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ

اس وقت کے علماء نے ان کی سربراہی پر کوئی اعتراض نہ کیا۔ بلکہ ان کے خطبے پڑھے گئے۔ اور ان کے نام کے سکے جاری ہوئے۔

حضرت عائشہؓ کو انہوں نے حضرت علیؓ کا سیاسی حریف بنا کر ان کی قیادت سے عورت کی سربراہی کا جواز پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔

صحیح بخاری میں عورت کی سربراہی کی نفی کرنے والی حدیث کی سند کے علاوہ دوسری سندوں کے راویوں پر بھی انہوں نے مختلف قسم کے اعتراض کئے ہیں۔

فقہائے احناف پر بھی انہوں نے بہتان لگایا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کی رائے کو انہوں نے بدل دیا۔ یہ وہ اعتراضات ہیں کہ جن کا علمی جواب اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ایک سو تیس سے اوپر کتابوں کے حوالوں سے بالتفصیل دیا گیا ہے۔

پاکستان کی عورت وزیر اعظم کے دورِ حکومت میں علمائے پاکستان کی طرف سے شدید احتجاج ہوا۔ اور ہو رہا ہے۔ لیکن عورت وزیر اعظم اپنے عہدے پر قائم ہے۔ اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ پہلے ہی جب کبھی اسلامی ملک میں کوئی عورت حکمران ہوئی ہوگی تو اس وقت کے علماء نے بھی اعتراض و احتجاج ضرور کیا ہوگا۔ لیکن جس طرح آج کوئی نتیجہ سامنے نہیں آیا۔ ان دنوں میں بھی یہی حال ہوا ہوگا۔

جہاں تک ان قانون دانوں کا تعلق ہے کہ جنہوں نے پاکستان کے آئین کو سامنے رکھتے ہوئے یہ رائے دی کہ عورت وزیر اعظم ہو سکتی ہے تو انہوں نے قانونی وضاحت کی ہے۔ اگر عورت کی سربراہی کو پاکستان کے آئین تک محدود رکھا جاتا تو شاید یہ کتاب لکھنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔ کیونکہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ بیالیس سال کے عرصے میں جب پاکستان کے عوام ایسے آئین کو پسند کرتے ہیں کہ جس میں عورت کی سربراہی کی کوئی ممانعت نہیں تو پھر ان کو یہ حق ہے اور جب وہ ایسی وزیر اعظم چاہتے ہیں کہ جب ملک پر دشمن کا حملہ ہو تو وہ بچہ جننے کے لئے چھٹی پر گئی ہو تو ان کو ایسی وزیر اعظم ضرور ملنی چاہیئے بلکہ

کتاب لکھنے کی ضرورت تو اس طرح پیدا ہوئی کہ روشن خیال حضرات کو ایسے اخبارات مل گئے کہ جن میں ان کے خیالات کے جوابات شائع نہیں ہو سکتے تھے۔ اگرچہ ان کے اعتراضات فضول اور بیہودہ تھے۔ لیکن ان کا جواب دینا اس لئے ضروری تھا کہ عوام الناس کو ان کے کذب و دجل سے آگاہ کیا جائے۔

جو قانون دان قرآن وسُنّت کے بارے میں انگریزی طریقہ کار اختیار کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کی خدمت میں صرف اتنا ہی عرض کیا جاتا ہے کیا قرآن حکیم میں نماز کا طریقہ، زکوٰۃ کا نصاب، حج کے مناسک کے بارے میں واضح رہنمائی موجود ہے؟ مسلمانوں کو جن جانوروں کے گوشت کھانے سے روکا گیا ہے کیا اُن کے نام مذکور ہیں؟ ان کی خدمت میں یہ بھی درخواست ہے کہ قرآن وسنّت کو اسی طرح سمجھنے کی کوشش کریں کہ جس طرح سلف صالحین نے سمجھ کر عمل کیا۔ اور اسلام کو مسخ ہونے سے بچایا جائے۔

ہمارے ہاں ایسے بھی حضرات ہیں کہ جن کو اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ عورت اسلامی ملک کی سربراہ نہیں ہو سکتی کیوں کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ جس قوم نے اپنا معاملہ عورت کے سپرد کیا وہ کبھی فلاح نہیں پائے گی۔ لیکن اُن کا کہنا ہے کہ عُلمائے پاکستان کو یہ بات الیکشن سے پہلے کہنی چاہیئے تھی۔ ان کی خدمت میں عرض ہے۔ اگر کوئی شخص فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کا مرتکب ہو جائے تو کوتاہی کے احساس کے باوجود اسے ادائیگی میں اسی تساہل اور تغافل میں غرق رہنا چاہیئے؟ کیا قرآن وسنّت کی یہی تعلیم ہے؟

پھر ایسے بھی بزرگ ہیں کہ جو عورت کی سربراہی کے حق میں تو نہیں لیکن چونکہ معاشرے میں اور بھی بہت سی برائیاں ہیں، اس لئے وہ اس بُرائی کو بھی برداشت کرنے پر رضامند ہیں۔ ان سے بھی گزارش ہے کہ کیا مسلمان مبلّغ کا یہ کام ہے کہ حق پانے کے باوجود حق کہنے میں کوتاہی کا مرتکب ہوتا رہے۔

اگرچہ ہدایت کا معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے لیکن کیا علمائے کرام سے اتنی باز پرس نہیں ہوگی کہ جتنے وہ مکلف ہیں۔؟

اس لئے اہل حق کا فرض ہے کہ اپنی استطاعت کے مطابق قرآن و سُنّت کا پیغام اللہ کی مخلوق تک پہنچاتے رہیں۔ اسی اصول کو اس کتاب میں اپنایا گیا اور اس کی تصنیف میں پورا ایک سال لگ گیا۔ کیونکہ خیال تھا کہ جب تک پاکستان کے آئین میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ عورت کی سربراہی کا مسئلہ زندہ رہے گا۔ لہٰذا ایسی کتاب لکھنے کی کوشش کی جائے کہ آنے والے وقت میں بھی اٹھائے جانے والے لغو اور غیر شرعی اعتراضات کا جواب اس میں موجود ہو۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کوشش کو قبول فرما کر اس کو میری بخشش کا ذریعہ بنا دے۔

واخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین

اقبالؒ

ڈاکٹر اسرار صاحب کا عجیب موقف

۱۹ نومبر ۱۹۸۸ء کے "نوائے وقت" میں محترم جناب ڈاکٹر اسرار صاحب کا یہ بیان پڑھ کر بڑا تعجب ہوا کہ میں عورت کی سربراہی کو قطعاً جائز نہیں سمجھتا۔ لیکن ملک کی موجودہ سیکولر جمہوریت کے تقاضوں کے پیش نظر اسے برداشت کرنے کو تیار ہوں۔

ان کا کہنا ہے کہ اگرچہ عورت کی سربراہی اسلام کی روح اور مزاج کے منافی ہے لیکن سوال یہ ہے کہ کیا ہمارے معاشرے میں دوسرے تمام امور اسلام کے مطابق سرانجام دیئے جا رہے ہیں؟ تمام دینی عناصر سود جیسی بڑی لعنت اور سب سے بڑے حرام کام کو برداشت کئے ہوئے ہیں۔ جو بلاشبہ عورت کی سربراہی سے ہزار گنا بڑا گناہ ہے۔

مذکورہ بالا دلائل دے کر انہوں نے عورت کی سربراہی کا جواز پیدا کر دیا ہے۔ اب دیکھنے کی بات یہ ہے کہ کیا علمائے کرام کی یہ شان ہے کہ معاشرے میں ایک برائی کو رائج دیکھ کر دوسری برائی کے رائج کرنے میں ممد و معاون بن جائیں؟

حالانکہ قرآن و سنت کی رو سے عالم و مبلغ کا فریضہ یہ ہے کہ اپنی استطاعت کے مطابق حق و صداقت کو عام و خاص تک پہنچاتا رہے۔ عوام الناس یا حکمران اس کو اپناتے ہیں یا نہیں، یہ اس کی ذمہ داری نہیں۔

ہر مسلمان کا فریضہ

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ مبارک ہے۔

من رأى منكم منكرا فليغيره بيده فان لم يستطع فبلسانه فان لم يستطع فبقلبه و ذلك اضعف الايمان[۱]

تم میں سے جو کوئی برائی کو دیکھے اگر طاقت والا ہے تو طاقت سے اُسے روکے۔ اگر طاقت والا نہیں تو زبان استعمال کرے اور اگر زبان استعمال نہیں کر سکتا تو دل میں اسے بُرا سمجھے اور یہ کمزور ترین ایمان کی علامت ہے"

اس حدیث کی روشنی میں ہر مسلمان کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ اپنی استطاعت کے مطابق برائی کو روکنے کی کوشش کرے۔ اگر وہ اپنی کوشش میں کامیاب نہیں ہوتا تو اس پر کوئی گرفت نہیں ہوگی۔

ارشادِ خداوندی ہے:-

تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ[۲]

نیکی اور تقوےٰ کے کام میں تعاون کرو اور گناہ اور زیادتی کے کام میں تعاون مت کرو"

بلاشُبہ سود حرام ہے اور ہمارے معاشرے میں بہت سے امور اسلام کے مطابق سرانجام نہیں پا رہے۔ تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ علمائے کرام بھی ان کے ساتھ مل جائیں، جو ان کو رائج کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ قرآن و سُنّت کے مطابق بُرائیوں کا سدِّباب کرنے کے بجائے مزید برائیوں کو برداشت کرنے کے لئے تیار ہو کر دُوسروں کو اس کی تلقین کریں یا رغبت دلائیں۔

---

[۱] صحیح المسلم، جلد ۱۔ ص ۵۱۔ سُنن ابی داؤد، ص ۱۶۲۔ ۵۹۶: سُنن النسائی، جلد ۲۔ ص ۲۶۵۔
سُنن ابن ماجہ: ص ۲۹۰۔ مسند احمد: جلد ۱ ص ۲۔ جلد ۳۔ ص ۲۰۔ ۴۹۔ ۵۳۔

[۲] المائدۃ: ۲

مرد عورتوں پر حاکم ہیں

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:۔

اَلرِّجَالُ قَوّٰامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ [1]

"مرد عورتوں پر حاکم ہیں۔ اس وجہ سے کہ ان کے بعض کو اللہ تعالیٰ نے بعض پر فضیلت دے رکھی ہے۔"

امام راغب اصفہانیؒ نے قوامون کا معنی راعی اور محافظ کیا ہے [2]

حسن بصریؒ سے مروی ہے کہ ایک عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے خاوند کی شکایت کی کہ اس نے مجھے تھپڑ مارا ہے۔ آپ نے بدلہ لینے کا حکم دیا ہی تھا کہ یہ آیت نازل ہوئی، پس وہ بدلہ لئے بغیر واپس چلی گئی [3]

حافظ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ مرد عورت کا قیم یعنی اس کا رئیس، کبیر اور حاکم ہے۔ جب ٹیڑھی ہو جائے تو اُس کی تادیب کرے۔ اس لئے کہ مردوں کو عورتوں پر فضیلت حاصل ہے۔ اور مرد عورت سے بہتر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبوّت مردوں کے ساتھ خاص رہی ہے اور اسی طرح مُلک الاعظم یعنی ملک کا سربراہ بھی مرد ہوگا۔

امام فخر الدین رازیؒ نے نقل کیا ہے۔

---

[1] النسآء: ۳۴

[2] مفردات القرآن (اُردو) ص ۸۷۷۔

[3] تفسیر ابن کثیر جلد ۱ ص ۴۹۲۔ الجامع لاحکام القرآن جلد ۵ ص ۱۶۸۔ الدر المنثور جلد ۲ ص ۱۵۱۔ جامع البیان پ ۵ ص ۵۸

کہ امامتِ کبریٰ اور صغریٰ مردوں میں رہے گی [1]

قرآن حکیم میں ہی ارشاد ہوتا ہے۔

لِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ [2]

"مردوں کو عورتوں پر فضیلت حاصل ہے"

اس آیت اور سورۃ النساء کی آیت کی تشریح کرتے ہوئے المفسرون الاولون والآخرون
نے کہیں بھی عورت کے اسلامی ملک کی سربراہ بننے یا ہونے کی گنجائش کا ذکر نہیں کیا بلکہ واضح
الفاظ میں ثابت کیا ہے کہ یہ فریضہ مسلمان مرد کی ذمہ داری ہے اور وہی سرانجام دے گا [3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب معلوم ہوا کہ اہل فارس نے کسریٰ کی بیٹی کو اپنے ملک
کی حکمران بنا لیا ہے تو آپؐ نے فرمایا:۔

لَنْ يُّفْلِحَ قَوْمٌ وَلَّوْا اَمْرَهُمْ اِمْرَاَةً [4]

"وہ قوم ہرگز فلاح نہیں پائے گی جس نے اپنے ملک کی حکمرانی عورت کے سپرد
کر دی"

صحیح بخاری کے شارح حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے الخطابی کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ
حدیث کا معنی ہے۔

---

[1] تفسیر کبیر، جلد ۳۔ ص ۳۱۶

[2] البقرہ: ۲۲۸

[3] تفسیر المراغی پ ۵، ص ۲۶۔ ۲۷۔ تفسیر خازن جلد ا، ص ۲۰۴، تفسیر فتح القدیر، جلد ا ص ۴۶۰ تفسیر انوار التنزیل للبیضاوی جلد ا ص ۲۱۷۔ الکشاف جلد ا ص ۵۰۵۔ روح المعانی، پ ۵، ص ۲۱۔

[4] صحیح البخاری: ص ۶۳۷۔ ۱۰۵۲۔ جامع الترمذی جلد ۲ ص ۶۱۔ سنن النسائی جلد ۲ ص ۳۰۱، مسند احمد جلد ۵ ص ۴۳، ۴۷، ۵۱۔ المستدرک: جلد ۴ ص ۵۲۵ جمع الجوامع (اداب لامیر من الکمال) قلمی نسخہ۔ تحفۃ الاشراف۔ جلد ۹ ص ۳۹۔

انّ المرأۃ لاتلی الامارۃ والقضاء [1]

"بے شک عورت امارت اور قضاء کی والی نہیں بنے گی"

سُنن النسائی کے شارح نے وضاحت کی ہے۔

فیہ دلیل علی عدم جواز تولیۃ المرأۃ شیئًا من الاحکام العامۃ بین المسلمین۔

اس حدیث میں دلیل ہے کہ عورت مسلمانوں کے احکام عامہ میں سے کسی کی والی نہیں بن سکتی۔

عورت کی امامت

اسلام میں عورت کی سربراہی کا تصوّر اس لئے نہیں پایا جاتا کہ وہ نمازوں میں مردوں کی امام نہیں بن سکتی۔ جمعہ اور عیدین کا خطبہ نہیں دے سکتی۔ اگر عورتوں کو یہ شرف حاصل ہونے والا ہوتا، تو اللہ تعالیٰ کسی نہ کسی عورت کو نبوّت و رسالت سے ضرور نوازتا۔ انسانی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے پتا چلتا ہے کہ اسلام سے پہلے عورت کی کوئی عزّت نہ تھی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و کرم ہے کہ اس نے اسلام کے ذریعے عورت کو عزّت و احترام سے نوازا۔

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:-

لاتمنعوا نساءکم المساجد وبیوتھن خیرلھن [2]

"تم عورتوں کو مسجد جانے سے مت روکو۔ حالانکہ ان کے گھر ان کے لئے بہتر ہیں"۔

---

[1] فتح الباری جلد ۸ ص ۱۲۸، تحفۃ الاحوذی جلد ۳ ص ۲۴۶۔ الکرمانی شرح بخاری: جلد ۱۶ ص ۲۳۲-۲۳۳

[2] سُنن ابی داؤد، ص ۸۴۔ الفتح الربانی، جلد ۵ ص ۱۹۵۔

دوسری روایت کے مطابق آپ نے ارشاد فرمایا۔

صلوٰۃ المرأۃ فی بیتھا افضل من صلاتھا فی حجرتھا وصلاتھا فی مخدعھا افضل من صلاتھا فی بیتھا [1]

"عورت کی نماز اس کے گھر میں پڑھی جانے والی، اس کے گھر کے صحن میں پڑھی جانے والی سے افضل ہے۔"

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ عورت کو مسجد میں جاکر باجماعت نماز ادا کرنے کی اجازت ہے لیکن اس کی بہترین نماز وہ ہوتی ہے جو وہ اپنے گھر کے انتہائی اندرونی حصے میں پڑھتی ہے۔

اگر چند عورتیں کسی گھر میں جمع ہوجائیں تو وہ باجماعت نماز پڑھ سکتی ہیں لیکن ان کی امامت کرنے والی عورت مردوں کی طرح صف سے آگے کھڑی نہیں ہوسکتی۔

حضرت عائشہؓ اور اُمّ سلمہؓ عورتوں کی نمازوں میں امامت کیا کرتی تھیں، لیکن صف سے آگے کھڑی ہوکر انہوں نے کبھی بھی نماز نہیں پڑھائی۔

احادیث میں منقول ہے۔

ان عائشۃؓ کانت تؤم النساء فی التطوع تقوم منھن فی الصف [2]

"بے شک عائشہؓ نفلی نمازوں میں عورتوں کی امامت کیا کرتی تھیں لیکن صف میں ان کے ساتھ کھڑی ہوتی تھیں۔"

---

[1] سنن ابی داؤد، ص ۸۴

[2] مصنف عبدالرزاق: جلد ۳، ص ۱۴۱۔

ریطہ حنفیہ سے مروی ہے۔

ان عائشۃ امتھن وقامت بینھن فی صلاۃ مکتوبۃ[1]

"بے شک عائشہؓ نے ان کی امامت فرض نماز میں کی اور وہ ان کے درمیان میں کھڑی ہوئیں۔"

امام ابراہیم نخعیؒ نے عائشہؓ سے روایت کیا ہے۔

انھا کانت تؤم النسآء فی شھر رمضان[2]

"بے شک رمضان کے مہینے میں وہ عورتوں کی امامت کیا کرتی تھیں۔"

"حضرت ام سلمہؓ بھی جب عورتوں کی امامت کرتی تو وہ بھی ان کے ساتھ صف میں کھڑی ہوتیں۔"

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے۔

تؤم المرأۃ النساء تقوم فی وسطھن[3]

"عورت عورتوں کی امامت کرے تو اُن کے درمیان کھڑی ہو۔"

شیعہ کتاب میں عورت کی امامت

کتب شیعہ میں حضرت ابو عبداللہؒ سے منقول ہے۔

---

[1] المستدرک، ج ۱ ص ۲۰۳۔ الام، ج ۱ ص ۱۶۴۔ مصنف عبدالرزاق، جلد ۳ ص ۱۴۱۔ عون المعبود، الجزء الاول، ص ۲۳۱ المبسوط، جلد ۱ ص ۱۳۳۔ دارقطنی، ج ۱ ص ۴۰۴۔ السنن الکبریٰ، جلد ۳۔ ص ۱۳۱۔

[2] عون المعبود۔ ج ۱ ص ۲۳۱۔ بدائع الصنائع، جلد ۱ ص ۱۵۷۔

[3] مصنف ابن ابی شیبہ، جلد ۲ ص ۸۸-۸۹۔ دارقطنی، جلد ۱ ص ۴۰۵۔ مصنف عبدالرزاق جلد ۳ ص ۱۴۰۔ المحلی ابن حزم ج ۴ ص ۲۲۰

۱ | تؤم المرأۃ النساء فی الصلوٰۃ وتقوم وسطا فیھن ویقمن عن یمینھا وشمائلھا تؤمھن فی النافلۃ ولا تؤمھن فی المکتوبۃ [1]

"عورت عورتوں کی نمازیں امامت کرے لیکن ان کے درمیان میں کھڑی ہو، اور وہ اس کے دائیں اور بائیں جانب کھڑی ہوں۔ عورت نفلی نمازیں امامت کرے لیکن فرضی نمازیں ان کی امامت نہ کرے۔"

ائمہ شیعہ کے نزدیک عورت جب فرض نمازیں امامت نہیں کر سکتی تو کیا وہ اسلامی ملک کی سربراہ ہو سکتی ہے؟

کیا عورت مردوں کی امام بن سکتی ہے؟

۱ | اُمتِ محمدیہ میں اس اَمر پر اتفاق ہے کہ عورت مردوں کی امام نہیں بن سکتی۔

امام شافعیؒ کا قول ہے:۔

2 | لا یجوز ان تکون امرأۃ امام رجل فی صلوٰۃ بحال ابدا [2]

"عورت کا نمازیں مرد کا امام بننا کسی بھی حال میں جائز نہیں"

انہوں نے مزید وضاحت یوں کی ہے۔

اذا صلت المرأۃ برجال ونساء وصبیان ذکور فصلاۃ النساء مجزئۃ وصلاۃ الرجال والصبیان الذکور غیر مجزئۃ لان اللہ

---

[1] الاستبصار، جلد ۱ ص ۴۲۷، الکافی جلد ۳ ص ۳۷۶۔ من لا یحضرہ الفقیہ ج ۱ ص ۳۹۶۔ تہذیب الاحکام ج ۳ ص ۲۶۸

[2] کتاب الام۔ ج ۱۔ ص ۱۶۴

عزّوجلّ جعل الرجال قوامین علی النساء۔

اگر کوئی عورت مردوں، عورتوں اور مذکر بچوں کو نماز پڑھائے تو عورتوں کی نماز ہو جائے گی لیکن مردوں اور مذکر بچوں کو نماز نہیں ہوگی۔ اس لئے کہ اللہ عزّوجل نے مردوں کو عورتوں پر حاکم بنایا ہے۔"

عبدالرحمٰن الجزیری نے بھی نقل کیا ہے۔

فلا تصح امامۃ النّساء[۱]

"پس عورتوں کی امامت صحیح نہیں ہوگی"

انہوں نے یہی بات مالکیہ کے حوالے سے بھی رقم کی ہے۔

امام ابوبکر محمّد بن احمد بن ابی سہل السرخسیؒ نے لکھا ہے۔

ان مکان الامامۃ میراث من النّبی صلی اللہ علیہ وسلم فانہ اول من تقدم للامامۃ فیختار لہ من یکون اشبہ بہ خلقا و خلقا ثم ھو مکان استنبط منہ الخلافۃ فان النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم لما امر ابابکر ان یصلی بالنّاس قالت الصحابۃ بعد موتہ انہ اختار ابا بکر لامر دینکم فھو المختار لامر دنیاکم فانما یختار لھذا المکان من ھو اعظم فی النّاس[۲]

"امامت کا مقام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث ہے، اس لئے کہ سب سے پہلے

---

[۱] کتاب الفقہ علی المذاھب الاربعۃ، جلد ا۔ ص ۴۰۶۔

[۲] المبسوط: جلد ا۔ ص ۴۰۔

آپ اُمّت کے امام بنے۔ پس امام اسی کو بنایا جائے گا جو خَلق اور خُلق دونوں میں آپ سے زیادہ ملتا جلتا ہوگا ۔ پھر اسی سے خلافت کا مسئلہ مستنبط کیا گیا۔ کیوں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں تو صحابہؓ نے آپ کی وفات کے بعد کہا کہ آپؐ نے ابوبکرؓ کو تمہارے دینی معاملے کا مختار بنایا لہٰذا وہی تمہارے دنیوی معاملے کے بھی مختار ہوں گے۔ کیونکہ اس مقام پر وہی فائز ہوگا جو لوگوں میں سے سب سے عظیم ہوگا۔"

امّ ورقہؓ کی امامت

عبدالرحمٰن بن خلاد الانصاری اُمّ ورقہ بنت نوفل سے روایت کرتے ہیں:۔

انّ النّبیّ صلّی اللہ علیہ وسلّم لما غزا بدرا قالت قلت لہ یارسول اللہ ائذن لی فی الغزو معك امرض مرضاکم لعلّ اللہ ان یرزقنی شہادۃ قال قرّی فی بیتك فانّ اللہ عزّ وجلّ یرزقك الشّھادۃ قال فکانت تسمّی الشھیدۃ قال وکانت قد قرأت القرآن فاستاذنت النّبیّ صلّی اللہ علیہ وسلّم ان تتخذ فی دارھا مؤذنا فاذن لھا قال وکانت دبّرت غلاما وجاریۃ فقاما الیھا باللّیل فغماھا بقطیفۃ لھا حتی ماتت وذھبا فاصبح عمرؓ فقام فی النّاس فقال من عندہ من ھذین علم اومن رای ھما فلیجیٔ بھما فامر بھما فصلبا فکان اول مصلوب بالمدینۃ:

دوسری روایت کے مطابق:

وکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یزورھا فی بیتھا وجعل لھا مؤذنا یؤذن لھا وامرھا ان تؤم اھل دارھا قال عبدالرحمٰن فانا رایت مؤذنھا شیخا کبیرا[1]

"جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر کے لئے تیاری کی تو میں نے عرض کیا مجھے بھی جنگ میں شریک ہونے کی اجازت دے دیں میں آپ کے مریضوں کی دیکھ بھال کروں گی مسند احمد میں یہ بھی ہے وادوی جرحاکم۔ کہ آپ کے زخمیوں کی مرہم پٹی کروں گی۔ شاید کہ اللہ تعالیٰ مجھے شہادت سے نوازے۔

آپ نے فرمایا۔ تم اپنے گھر میں رہو بے شک اللہ عزوجل تمہیں شہادت سے نوازے گا۔ راوی کا بیان ہے ان کو شہیدہ کہا جاتا تھا اور انہوں نے قرآن پڑھ لیا تھا۔ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی کہ اپنے گھر میں ایک مؤذن رکھ لیں۔ آپ نے ان کو اجازت دے دی۔ راوی کا کہنا ہے کہ انہوں نے ایک غلام اور ایک لونڈی کو اپنی وفات پر آزاد کرنے کا عہد کر رکھا تھا۔ ایک رات ان دونوں نے چادر سے ڈھانپ کر ان کا سانس بند کر دیا تھا۔ یہاں تک کہ ان کی موت واقع ہو گئی اور دونوں بھاگ گئے۔ صبح عمر فاروق رضی اللہ عنہ لوگوں میں کھڑے ہوئے اور کہا۔ ان دونوں کے بارے میں جس کسی کو کوئی علم ہو یا جس نے ان دونوں کو دیکھا ہو وہ ان دونوں کو ہمارے پاس لائے۔ چنانچہ دونوں پکڑے گئے اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ

---

[1] سنن ابی داؤد۔ ص ۸۷، ۸۸۔ مسند احمد جلد ۶ ص ۴۰۵۔ مشکوٰۃ۔ ص ۹۶۔

نے ان کو سُولی چڑھانے کا حکم دیا۔ پس وہ مدینہ میں پہلے سُولی چڑھنے والے تھے۔

دوسری روایت کے الفاظ ہیں۔

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر میں ان کی ملاقات کے لئے تشریف لے جایا کرتے تھے۔ آپ نے ان کے لئے ایک مؤذن مقرر فرمایا جو ان کے لئے اذان دیا کرتا تھا۔ آپ نے ان کو حکم دیا کہ وہ اپنے گھر والوں کی امامت کیا کریں۔ عبدالرحمٰن نے کہا۔ میں نے ان کے مؤذن کو دیکھا وہ بہت بوڑھا تھا۔"

امام داؤد نے ان دونوں روایتوں کو "باب امامة النساء" کے تحت نقل کیا ہے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب نے ان حدیثوں سے یہ اخذ کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک مسجد کا امام مقرر کر دیا اور ان کے پیچھے مرد بھی نماز پڑھتے تھے۔ یہ کہ ان کا مؤذن ایک مرد تھا، ظاہر ہے کہ مؤذن بطور مقتدی ان کے پیچھے نماز پڑھتا ہوگا [۱]

ڈاکٹر احمد حسن کا استفسار

ادارہ تحقیقاتِ اسلامی کے ڈاکٹر احمد حسن صاحب نے "حضرت ام ورقہؓ کے بارے میں ایک استفسار کے تحت اپنے مضمون میں ایک اچھا سوال اٹھایا ہے کہ اگر امّ ورقہؓ کسی محلہ میں مسجد کی امام تھیں اور اس محلہ کے عام مردان کے پیچھے نماز پڑھتے تھے تو اس کی تصدیق کسی حدیث سے کیوں نہیں ہوتی [۲] کیونکہ اُن کو تہذیب التہذیب، الاصابہ، الاستیعاب اور اسد الغابہ وغیرہ میں مسجد کا ذکر

---

[۱] خطباتِ بہاولپور۔ خطبہ ۱، تاریخ قرآن: ص ۶۲ نمبر۔

[۲] مجلہ فکر ونظر، ص ۱۰۰ (جولائی ستمبر ۱۹۸۰ء)

کسی روایت میں نہیں ملا ہے۔

چنانچہ ڈاکٹر احمد حسن کی تحقیق سے محترم ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کو جب آگاہ کیا گیا تو انہوں نے اُمّ ورقہؓ کی مسجد کا نام بتلانے اور اُس کے محلّ وقوع کی نشان دہی کرنے کے بجائے حسب ذیل نوٹ ادارہ تحقیقات کو بھیج دیا۔ جو انہوں نے فکر و نظر میں ڈاکٹر احمد حسن صاحب کے مضمون کے ساتھ شائع کر دیا۔

محترم ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کا نوٹ

جواب سے قبل یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ "مسجد" سے کیا مراد ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کے علاوہ کچھ نہیں تو دس پندرہ اور مسجدوں کا پتا چلتا ہے۔ ان کی وُسعت کے اندازے کے لئے "مسجد القبلتین" جو تاحال باقی ہے، کافی ہوگی۔ یہ مسجدیں ہر کالونی میں تھیں اور بعض کا قبلہ وغیرہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بتاتے اور متعین فرماتے رہے۔ روایتوں میں "بیت" (گھر) کا لفظ نہیں ہے۔ بلکہ دار یعنی بستی۔ کالونی کا ذکر ہے جو ہر قبیلہ۔ قریبی رشتہ داروں پر مشتمل ہوتی تھی۔ جب ایک مرد اذان دے اور بستی کا کوئی رشتہ دار شخص نماز گاہ میں آجائے بلکہ اس کے ساتھ اس کا کوئی دوست ملاقاتی بھی ہو تو نہ وہاں آنے میں دشواری ہو اور نہ کوئی اسے روکے۔

مسجد سے میری مُراد ہر وہ مقام ہے جہاں پابندی سے پنج وقتہ نمازیں ہوتی ہوں۔ اور اذان اور اقامت کا بھی مستقل انتظام ہو۔ ایسی "نماز گاہ" کو "مسجد" فرض کرنا اسی طرح ضروری معلوم ہوتا ہے۔ جتنا حضرت اُمّ ورقہؓ کے قاتلوں کو گرفتار کر کے حضرت عمرؓ کے پاس سولی کے حکم سے پہلے لایا جانا ضروری تھا۔

خود مسجد نبوی میں شروع میں چھت نہ تھی۔ گرمی کے موسم میں ظہر و عصر کے وقت تکلیف ہونے

کی شکایت کی گئی تو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چھت بنانے کا حکم دے دیا تھا۔

غرض یہ میرا استنباط ہے ممکن ہے غلط ہو۔ مگر اہمیت اس قصے میں نماز گاہ کو نہیں بلکہ اس کو ہے کہ ایک عورت مردوں کی بھی امام بن کر نماز پڑھاتی ہے خطباتِ بہاولپور میں ایسی مثالیں بھی دی گئی ہیں کہ خود آج بھی اسلام آباد میں نہیں، پیرس میں اس کی ضرورت پیش آرہی ہے کہ باکثرت نو مسلم گورے مرد مادرزاد مسلمان لڑکیوں سے نکاح کر رہے ہیں۔ جواز اور وجوب میں فرق ہے مجھے اس بیان سے اتفاق نہیں کہ حضرت اُمِ ورقہ اپنے گھر (بیت) میں نماز پڑھاتی تھیں بلکہ وہ اپنی کالونی (دار) کی نماز گاہ میں امام تھیں۔ واللہ اعلم بالصواب [1]

محترم ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کے نوٹ کا تجزیہ

محترم ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کی توضیح سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ انہوں نے "دار" کو کالونی سے تعبیر کرتے ہوئے اُمِ ورقہؓ کی مسجد کو عام مساجد کا درجہ دیا ہے جس میں مرد بھی ان کے پیچھے پانچ وقتہ نماز اذان اور اقامت سے پڑھتے تھے جس سے عورتوں کو مردوں کی امامت کرنے کا جواز مہیا ہوتا ہے اگرچہ انہوں نے اپنے خطبے میں اسے استثنائی صورت قرار دیا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کے استنباط کا دارو مدار اُمِ ورقہؓ کی درخواست ہے جو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے گھر میں ایک مؤذن مقرر کرنے کے بارے میں پیش کی جسے نہ صرف شرفِ قبولیت بخشا گیا، بلکہ ان کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے "دار" میں "اہل دار کی امامت کریں۔

اشکال کی اصل وجہ مرد کا عورت کے لئے مؤذن مقرر کیا جانا ہے۔ جس سے ڈاکٹر حمید اللہ

---

[1] فکر و نظر (جولائی۔ ستمبر ۱۹۸۸ء) ص ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶

صاحب نے نتیجہ یہ نکالا ہے کہ جو مؤذن اذان دیتا ہوگا وہ اقامت بھی کہتا ہوگا اور ظاہر ہے کہ وہ اُم ورقہؓ کے پیچھے نماز بھی پڑھتا ہوگا لیکن اُمِّ ورقہ کے حالات جن کتابوں میں مذکور ہیں۔ ان میں سے کسی ایک میں اس بات کی صراحت نہیں پائی جاتی کہ اُمِ ورقہؓ کا مؤذن ان کے پیچھے نماز بھی پڑھتا تھا۔ جس طرح یہ سمجھا جا رہا ہے کہ وہ اذان کے بعد اقامت کہتا تھا اور عورت امام کے پیچھے نماز پڑھتا تھا۔ اسی طرح یہ بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ وہ اذان کہنے کے بعد مسجد میں جا کر مردوں کے ساتھ نماز ادا کرتا تھا۔ حضرت اُمِّ ورقہؓ اس کے بعد" اہل دار" کی اپنے "دار" کی مسجد میں عورتوں کی امامت کرتی تھیں۔

ڈاکٹر احمد حسن صاحب نے ابن قدامہؒ کے حوالے سے اس بارے میں ایک روایت بھی اپنے مقالے میں نقل کی ہے۔

قد روی عن ام ورقة ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذن لها ان یوذن لها ویقام وتؤم نساء اهل دارها [1]

کہ اُمِّ ورقہؓ سے مروی ہے کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اجازت دی کہ ان کے لئے اذان دی جائے اور اقامت کہی جائے اور وہ اپنے گھر کی خواتین کی امامت کیا کریں۔"

ڈاکٹر احمد حسن صاحب کا کہنا ہے افسوس کہ ابن قدامہ نے ہمیں یہ نہیں بتایا کہ انہوں نے یہ روایت حدیث کی کس کتاب سے نقل کی ہے۔ تاہم یہ روایت ان تمام احادیث کے مخالف ہے۔ جن میں " اہلِ دارها" کے الفاظ ہیں۔ ابن قدامہ کی اس روایت میں " نساء کا اضافہ ہے۔ جب تک ہمیں اس کا مأخذ معلوم نہ ہو، اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا [2]

---

[1] المغنی لابن قدامة ؛ ج ۲ ص ۱۹۹۔

[2] فکر و نظر : جولائی ستمبر ص ۹۶۔

بڑی عجیب بات ہے کہ المطبعۃ الیوسفیہ کی طبع شدہ المغنی میں مذکورہ روایت کے ساتھ یہ الفاظ بھی موجود ہیں جو ڈاکٹر احمد حسن صاحب کی نگاہ سے اوجھل رہے ۔

كذلك رواه الدارقطني [1]

امام الدارقطنی نے اس روایت کو " باب فی ذکر الجماعۃ واھلھا وصفۃ الامام " کے تحت نقل کیا ہے [2]

علامہ الشوکانی اور علامہ احمد عبدالرحمٰن البنا الساعاتی نے بھی اس روایت سے استدلال کیا ہے کہ عورت مردوں کی نہیں بلکہ عورتوں کی امام ہو سکتی ہے [3]

امام ابن حزم المتوفی ۴۵۶ ھ کا بھی یہی قول ہے [4]

" دار " اور " مسجد " کی وضاحت کے لئے بھی ضروری ہے کہ احادیث کی طرف رجوع کیا جائے تاکہ مسئلے کو سمجھنے میں کوئی ابہام باقی نہ رہنے پائے ۔

ان عتبان بن مالك ذهب بصره فقال يا رسول الله لو جئت صليت في داري او قال في بيتي لاتخذت مصلاك مسجدا فجاء النبي صلى الله عليه وسلم فصلى في داره او قال في بيته [5]

---

[1] المغنی لابن قدامۃ ، جلد ۲ - ص ۱۹۹ -

[2] سنن الدارقطنی : جلد ۱ - ص ۲۷۹

[3] نیل الاوطار ، جلد ۳ ص ۱۷۵ الفتح الربانی جلد ۵ : ص ۲۲۴ -

[4] المحلی لابن حزم : جلد ۴ - ص ۲۱۹

[5] الفتح الربانی : جلد ۵ - ص ۲۳۱

"بے شک عتبان بن مالک کی بینائی جاتی رہی ۔ انہوں نے عرض کیا ، اے اللہ کے رسول ! اگر آپ میرے "دار" یا کہا میرے "بیت" میں تشریف لا کر نماز پڑھیں تو جہاں آپ نماز پڑھیں گے میں اس کو مسجد بنالوں گا ، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ۔ آپ نے ان کے "دار" یا کہا کہ ان کے "بیت" میں نماز پڑھی ۔"

وعن عتبان بن مالك قال يارسول الله ان السيول تحول بيني و بين مسجد قومي فاحب ان تاتي فتصلي في مكان بيتي اتخذه مسجدا فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم سنفعل قال فلما اصبح رسول الله صلى الله عليه وسلم قال اين تريد فاشرت له الى ناحية من البيت فقال فقام رسول الله صلى الله عليه وسلم فصففنا خلفه فصلى بنا ركعتين [1]

عتبان بن مالک سے مروی ہے کہ انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ! بیشک سیلاب کا پانی میرے اور میری قوم کی مسجد کے درمیان حائل ہو جاتا ہے ۔ میری یہ خواہش ہے کہ آپ تشریف لائیں اور میرے "بیت" کی کسی جگہ پر نماز پڑھیں تا کہ میں اس جگہ کو "مسجد" بنالوں ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ ہم عنقریب ایسا کریں گے ۔ جب صبح ہوئی ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (تشریف لائے) اور فرمایا تم کہاں چاہتے ہو کہ میں نماز پڑھوں تو میں نے "بیت" کے ایک کونے کی طرف آپ کے لئے اشارہ کر دیا ۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور ہم نے آپ کے پیچھے صف باندھ لی پھر آپ نے ہمیں دو رکعت نماز نفل پڑھائی "۔

---

[1] مصنف ابن ابی شیبہ ، جلد ۲ ، ص ۵۲۱

اگرچہ "دار" کا لفظ محلّے، شہر اور قبیلے کے لے بھی استعمال ہوتا ہے لیکن مذکورہ روایتوں میں صرف گھر کے لئے یعنی بیت کے مترادف آیا ہے۔ مسجد سے مراد صرف وہی مسجد نہیں لی گئی جس میں اہلِ محلّہ نماز پڑھتے ہیں بلکہ یہاں وہ مخصوص جگہ لی گئی جو کوئی شخص اپنے گھر میں نماز کی ادائیگی کے لئے مقرر کر لیتا ہے۔

چونکہ اشکال عورت کی امامت سے پیدا ہوتا ہے۔ لہٰذا عورت کے بارے میں بھی ایک روایت نقل کی جاتی ہے۔

ابو حمید الساعدی کی زوجہ سے مروی ہے۔

انها جاءت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقالت یا رسول اللہ انی احب الصّلوٰۃ معک قال قد علمت انک تحبین الصّلوٰۃ معی و صلاتک فی بیتک خیرلک من صلاتک فی حجرتک وصلاتک فی حجرتک خیر من صلاتک فی دارک وصلاتک فی دارک خیرلک من صلاتک فی مسجد قومک وصلاتک فی مسجد قومک خیرلک من صلاتک فی مسجدی قال فامرت فبنی لها مسجد فی اقصی شئ من بیتها واظلمه فکانت تصلی فیه حتی لقیت اللہ عزّوجلّ [1]

"وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول! میں آپ کے ساتھ نماز پڑھنے کو بہت پسند کرتی ہوں۔ آپ نے فرمایا، مجھے معلوم

---

[1] مسند احمد، جلد ۶، ص ۳۷۱۔ فتح الباری، جلد ۲۔ ص ۳۵۰۔ لوامع الانوار القدسیہ: ص ۶۳۔

ہے کہ تم میرے ساتھ نماز پڑھنے کو محبوب رکھتی ہو، لیکن تمہاری وہ نماز جو تم اپنے "بیت" میں پڑھتی ہو، اس نماز سے بہتر ہے جو تم اپنے حجرے میں پڑھتی ہو۔ تمہاری حجرے میں پڑھی جانے والی نماز تمہارے "دار" میں پڑھی جانے والی نماز سے بہتر ہے۔ تمہاری تمہارے "دار" میں پڑھی جانے والی نماز تمہاری قوم کی مسجد میں پڑھی جانے والی نماز سے بہتر ہے اور تمہاری قوم کی مسجد میں پڑھی جانے والی نماز میری مسجد میں پڑھی جانے والی تمہاری نماز سے بہتر ہے۔"

اِس روایت میں "بیت" کو عام رکھا گیا ہے "حجرے" سے برآمدہ اور "دار" سے صحن مراد لیا گیا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے اس حدیث کی سند کو حسن قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ اس پر سنن ابی داؤد میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث شاہد ہے۔

امام بخاریؒ نے "باب المساجد فی البیوت" کے ساتھ ہی ترجمۃ الباب کے طور پہ روایت نقل کی ہے۔

وصلی البراء بن عازب فی مسجده فی داره [1]

"اور براءؓ بن عازب نے اپنے "دار" کی مسجد میں نماز پڑھی۔"

اس باب کے تحت حضرت عتبانؓ بن مالک کی روایت نقل کر کے ثابت کیا ہے کہ "دار" سے مراد ان کا گھر ہے۔ امام ابن ماجہؒ نے بھی انہی کے بارے میں روایت "باب المساجد فی الدار" کے تحت نقل کی ہے [2]

---

[1] صحیح البخاری، ص ۶۰۔

[2] سنن ابن ماجہ: ص ۵۵۔

اس ساری بحث سے عیاں ہوا کہ اُمّ ورقہؓ کی مسجد ان کے اپنے گھر کے اندر تھی، جس میں اہل محلّہ وغیرہ شریک نہ ہوتے تھے بلکہ وہ عورتوں کی امامت کرتی تھیں کیونکہ مردوں کے ہوتے ہوئے عورت ان کے آگے یا ان کے ساتھ کھڑی نہیں ہوسکتی۔ مسجد نبوی میں سب سے آخری صف عورتوں کی ہوا کرتی تھی، بلکہ آپ نے یہاں تک فرمادیا۔

خیر صفوف النساء اخرھا وشرھا اولھا وخیر صفوف الرجال اولھا وشرھا اخرھا [1]

"عورتوں کی بہترین صف آخری اور بُری صف پہلی ہے اور مَردوں کی بہترین صف پہلی اور بُری آخری ہے۔"

دو مَرد جب جماعت سے نماز پڑھتے ہیں تو مقتدی امام کے ساتھ دائیں جانب کھڑا ہوتا ہے۔ جب کہ عورت کو اس کی اجازت نہیں۔ اگرچہ وہ بیوی اور خاوند ہوں۔ اسی لئے امام بخاری نے باب باندھا ہے۔

باب المراۃ وحدھا تکون صفا [2]

اکیلی عورت کے صف ہونے کا باب

پھر اُنہوں نے حضرت انسؓ بن مالک سے روایت نقل کی ہے۔

قال صلیت انا ویتیم فی بیتنا خلف النبی صلی اللہ علیہ وسلم وامی خلفنا ام سلیمؓ۔

---

[1] ابن ماجہ، ص ۷۰۔ ابوداؤد، ص ۹۹۔ سنن النسائی جلد ا۔ ص ۹۴۔ جامع الترمذی جلد ا ص ۵۲۔ سنن الدارمی، ص ۱۵۰۔ مسند احمد جلد ۲ ص ۴۸۵۔ السنن الکبریٰ: جلد ۲۔ ص ۹۷-۹۸۔

[2] صحیح البخاری: ص ۱۰۰-۱۰۱۔

انہوں نے کہا کہ میں نے اور یتیم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے اپنے گھر میں نماز پڑھی اور میری ماں ام سلیمؓ ہمارے پیچھے تھیں۔"

یہاں یہ بات بھی ملحوظِ خاطر رہے کہ عورت کو اتنا بھی حق نہیں کہ مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہونے کے باوجود مرد امام کے بھول جانے پر اس کو باآواز متنبہ کر سکے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

التصفيق للنساء والتسبيح للرجال [1]

تصفیق عورتوں کے لئے اور تسبیح مردوں کے لئے ہے یعنی اگر امام بھول جائے تو وہ اپنے ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر مار کر آواز پیدا کرکے امام کو احساس دلائے کہ وہ بھول گیا ہے اور مرد امام کے بھول جانے پر "سبحان اللہ" کہہ دے۔

واضح ہؤا کہ جب عورت عورتوں کی امامت کرتے ہوئے صف سے آگے کھڑی نہیں ہو سکتی۔ مردوں کے ساتھ نماز میں شریک ہونے کی صورت میں ان کے ساتھ صف میں جگہ نہیں پاسکتی۔ مرد امام کے بھول جانے پر آواز سے سبحان اللہ نہیں کہہ سکتی تو وہ مردوں کی امام کیسے مقرر ہو سکتی ہے۔

ابونعیم احمد بن عبداللہ الاصبہانی المتوفی ۴۳۰ھ نے ام ورقہ الانصاریہ کے ترجمہ کے تحت لکھا ہے

ومنهن الشهيدة القارئة ام ورقة الانصارية كانت تؤم المؤمنات المهاجرات ويزورها النبي صلى الله عليه وسلم في احايين الاوقات [2]

---

[1] صحیح البخاری، ص ۱۶۰، المسند للامام الحمیدی جلد ۲ ص ۴۱۴، مصنف عبدالرزاق جلد ۲ ص ۴۵۶، صحیح ابن خزیمہ جلد ۲ ص ۵۱

[2] حلیۃ الاولیاء، جلد ۲، ص ۶۳۔

"صحابیات میں سے اُمّ ورقہؓ انصاریہ شہیدہ قاریہ بھی ہیں جو مومنات مہاجرات کی امامت کرتی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مختلف اوقات میں ان کی ملاقات کے لئے تشریف لایا کرتے تھے۔

لہٰذا سنن ابی داؤد میں اُمّ ورقہؓ کی امامت کو عورتوں تک محدود رکھنا ہی قرآن و سنّت کی تعلیم کے عین مطابق ہے۔ ویسے بھی حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے ام ورقہؓ والی حدیث کے اصل راوی عبدالرحمٰن بن خلاد کے بارے میں ابوالحسن بن قطان کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

حالہ مجھول[1] ۔ "اس کے حال کے بارے میں کچھ معلوم نہیں"

یوں عبدالرحمٰن بن خلاد کی روایت کردہ حدیث صحت کے اعتبار سے مجروح ہو جاتی ہے۔

اسی طرح ابن ماجہ کی روایت ہے لا تؤمن امرأۃ رجلا[2] کہ کوئی عورت کسی مرد کی امام ہرگز نہ بنے۔ لیکن اس کو حوالے کے طور پر اس لیے نہیں پیش کیا گیا کیونکہ محدثین نے اس کی صحت کے بارے میں بھی کلام کیا ہے۔ لہٰذا جو کچھ عرض کیا جا چکا ہے وہ مسئلے کو واضح کرنے کے لئے کافی ہے کہ عورت مردوں کی امام نہیں بن سکتی۔

عورت کا نکاح ولی کی اجازت کے بغیر نہیں ہو سکتا

اسلام نے عورتوں کو جو حقوق عطا کئے ہیں، ان کے باوجود اگر عورت چاہے کہ ولی کی اجازت کے بغیر خود ہی اپنا نکاح کر لے تو ایسا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لا نکاح الا بولی[3] "ولی کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں ہو سکتا"

---

[1] تہذیب التہذیب: جلد ۶ ص ۱۶۸۔

[2] نیل الاوطار: جلد ۳۔ ص ۱۷۳۔

[3] جامع الترمذی، جلد ۱ ص ۱۶۳، ابوداؤد، ص ۲۸۴۔ ابن ماجہ، ص ۱۳۵۔ الدارمی ص ۲۸۰۔ المستدرک جلد ۲ ص ۱۶۹

آپ نے یہ بھی فرمادیا۔

ایما امرأۃ نکحت نفسھا بغیر اذن ولیھا فنکاحھا باطل فنکاحھا باطل فنکاحھا باطل [1]

" جس عورت نے ولی کی اجازت کے بغیر اپنا نکاح کر لیا۔ پس اس کا نکاح باطل ہے۔ اُس کا نکاح باطل ہے "

کیا وراثت میں مرد اور عورت برابر ہیں

قرآن حکیم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِىٓ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ [2]

" اللہ تعالیٰ تمہاری اولاد کے بارے میں تمہیں وصیت کرتا ہے کہ ایک لڑکے کا حصّہ دو لڑکیوں کے برابر ہوگا، اگر دو سے زیادہ لڑکیاں ہوں تو میّت جو چھوڑے، اس میں سے دو تہائی ان کو ملے گا۔ اگر ایک لڑکی ہو تو اس کو میّت کے ترکے میں سے آدھا حصّہ مل جائے گا "

یہاں غور طلب بات یہ ہے کہ جب اولاد میں لڑکے اور لڑکیاں ہوں تو ہر لڑکے کو دو، اور

---

[1] جامع الترمذی، جلد ۱ ص ۱۶۳، ابن ماجہ ص ۱۳۵ - ابوداؤد ص ۲۸۴، الدارمی ص ۲۸۰، المستدرک جلد ۲ - ص ۱۶۸ صحیح ابن حبان: جلد ۷ ص ۱۵۱ - مسند الحمیدی جلد ۱ ص ۱۱۲ -

[2] النسآء: ۱۱

لڑکی کو ایک حصّہ ملتا ہے۔ اگر وارث ایک لڑکا ہو تو ساری وراثت کا مالک بن جاتا ہے۔ لیکن لڑکی اگر اکیلی ہے تب بھی اُسے آدھا حصّہ ملتا ہے۔ باقی عصبوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ اگر لڑکیاں دو سے زیادہ ہوں تو بھی وراثت میں سے ان کو ۲/۳ حصّہ ملتا ہے۔ بقیہ عصبوں کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ پوری وراثت کی پھر بھی وہ مالک نہیں بنتیں۔

کیا شہادت میں مرد اور عورت برابر ہیں

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِن رِّجَالِكُمْ فَإِن لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّن تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَن تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَىٰ [1]

لین دین کرتے وقت اپنے مردوں میں سے دو گواہ بنالو۔ اگر دو مرد موجود نہ ہوں تو جو گواہ تمہیں پسند ہوں۔ ان میں سے ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنالو تاکہ ایک عورت بھول جائے تو دوسری اُسے یاد کرا دے؛

یہاں بھی ایک عورت کی گواہی کو ناکافی سمجھتے ہوئے اس کی مدد کے لئے دوسری عورت کو ساتھ رکھا گیا ہے۔ یعنی ایک مرد کی جگہ دو عورتوں کی گواہی لازم ہے۔

منطقی نتیجہ

قرآن و سُنّت کی رُو سے جب ثابت ہو گیا کہ عورت نماز میں مردوں کی امام نہیں بن

---

[1] البقرہ: ۲۸۲۔

سکتی۔ عورتوں کی امامت کرتے ہوئے مرد امام کی طرح ان کی صف سے آگے کھڑی نہیں ہو سکتی۔ ولی کی اجازت کے بغیر اپنا نکاح نہیں کر سکتی۔ وراثت اور شہادت میں مردوں کے برابر نہیں، تو وہ اسلامی ملک کی سربراہ کس طرح بن سکتی ہے؟

اہم سوال

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب صحابہؓ نے حضرت عائشہؓ کے سپرد قیادت کی۔ تو کیا ان کے سامنے قرآن و سنّت کی تعلیم نہ تھی؟ جب انہوں نے ایک عورت کی قیادت کو قبول کر لیا۔ تو آج کل کے مسلمانوں پر ایک پڑھی لکھی سیاسی اُمور میں مہارت رکھنے والی عورت کی اعلیٰ قیادت بھاری کیوں ہو رہی ہے؟

۶۳۴ھ میں ہندوستان کے تخت پر رضیہ سلطانہ جلوہ گر ہوئی تو اُس وقت کے جیّد علمائے کرامؒ نے مخالفت کیوں نہ کی؟

کیا قرآن حکیم میں بلقیس کے ایک ملک کی حکمران ہونے کا ذکر موجود نہیں ہے؟

۱۹۶۴ء میں محترمہ فاطمہ جناح کی قیادت پر پاکستان کے علماء راضی ہو گئے، تو آج اعتراض کرنے کا کیا جواز ہے۔؟

حضرت عائشہؓ کی قیادت

مؤرخین نے نقل کیا ہے کہ جب حضرت عثمانؓ غنی مدینہ طیبہ میں شہید کئے گئے، اُس وقت حضرت عائشہؓ مکہ میں تھیں۔ حج اور عمرہ کرنے کے بعد جب مدینہ طیّبہ تشریف لے جا رہی تھیں۔ تو مقام سرف پر بنولیث کے ایک شخص نے ان کو حضرت عثمانؓ کی مظلومانہ شہادت

کی خبر دی۔ خبر سُنتے ہی حضرت عائشہؓ واپس مکہ مکرّمہ چلی آئیں۔ حطیم میں پردے کے پیچھے سے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے مدینہ طیبہ میں برپا ہونے والے فتنہ پر روشنی ڈالی، اور قصاص عثمانؓ کا مسئلہ ان کے سامنے پیش کیا۔ لوگ قصاص لینے کے لئے تیار ہو گئے۔ حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ بھی مدینہ طیبہ سے مکہ آکر قصاص کے طلبگاروں میں شریک ہو گئے۔ حضرت عائشہؓ کا خیال تھا کہ مدینہ جاکر حضرت علیؓ سے حضرت عثمانؓ کے قصاص کی بات کی جائے۔ لیکن عام لوگوں نے مشاورت سے طے کر لیا کہ بصرہ جاکر اہلِ بصرہ کو بھی ہم خیال بنایا جائے۔

حضرت علیؓ کو جب مکہ میں طے پانے والے پروگرام کی اطلاع ملی تو وہ فوراً اپنے ساتھیوں کے ساتھ بصرہ چلے آئے۔ فریقین کے درمیان بات چیت ہوئی اور اس پر اتّفاق ہو گیا کہ لڑائی جھگڑے سے بچتے ہوئے امن و صلح کی فضا میں مقصد پانے کی کوشش کی جائے۔ لیکن قاتلین عثمانؓ نے فتنہ و فساد کو جاری رکھنے کا فیصلہ کر لیا۔ اور طے پایا کہ فجر کے طلوع ہونے سے پہلے ہی فریقین پر اس طرح حملہ کیا جائے کہ دونوں یہ سمجھیں کہ ان کی مرضی کے خلاف ان پر حملہ کر دیا گیا ہے اور پھر دونوں آپس میں اُلجھ جائیں۔ چنانچہ امام ابن الحسن بکری سے مروی ہے۔

فجرت بينه وبين عائشةؓ وقعة الجمل بلا علم ولا قصد[۱]

"حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ کے درمیان علم اور قصد کے بغیر جنگ جمل ہوئی"

جنگ کے خاتمے پر حضرت علیؓ جب حضرت عائشہؓ کی خبر گیری کے لئے آئے، تو اُنہوں نے کہا۔

كيف انتِ يا امة؟ قالت بخير، قال يغفر الله لك، قالت

---

[۱] تاریخ الخمیس: جلد ۲ ص ۲۷۷۔

و للک ۔

"اے اماں جان! آپ کیسی ہیں؟ اُنہوں نے فرمایا۔ اچھی ہوں۔ علیؓ نے کہا اللہ تعالیٰ آپ کو معاف فرمائے۔ اُنہوں نے بھی کہا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بھی معاف فرمائے۔"

قعقاعؓ سے اس موقع پر حضرت عائشہ نے فرمایا:۔

واللہ لوددت انی مت قبل ھذا الیوم بعشرین سنۃ[1]

"اللہ کی قسم مجھے یہ بات پسند ہے کہ میں اس دن سے بیس سال پہلے مر چکی ہوتی۔"

امام ابن جریرؒ کے الفاظ ہیں کہ حضرت علیؓ کو ان کی اس بات کا جب پتہ چلا تو انہوں نے یہی جملہ کہا۔

جنگ جمل کے سارے واقعہ کو اچھی طرح دیکھا جائے تو کہیں بھی ہمیں یہ نہیں ملے گا، کہ عائشہؓ خلافت یا امامت کی طلب گار تھیں بلکہ ان کا مقصود و مطلوب صرف اور صرف قصاصِ عثمانؓ تھا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے نقل کیا ہے۔

ان احدا لم ینقل ان عائشۃ ومن معھا نازعوا علیا فی الخلافۃ[2]

"بے شک کسی ایک سے یہ منقول نہیں کہ عائشہؓ اور ان کے ساتھیوں نے حضرت علیؓ سے ان کی خلافت کے بارے میں جھگڑا کیا تھا۔"

---

[1] تاریخ الکامل جلد ۳ ص ۱۳۰۔ تاریخ الامم والملوک جلد ۳ ص ۲۲۱۔ ابن خلدون جلد ۲ ص ۱۶۴

[2] فتح الباری جلد ۳ ص ۵۶۔

اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اختلاف صرف قصاص پر تھا۔ حضرت علیؓ حکومت کے مستحکم ہونے تک قصاص کے معاملے میں تاخیر کو ترجیح دیتے تھے۔ جب کہ حضرت عائشہؓ اور ان کے ساتھی تاخیر کو خلافِ قرآن وسنت سمجھتے تھے۔ لیکن بصرہ میں جب فریقین کے درمیان تقریباً معاملہ طے پا گیا تو شر پسندوں نے اُمتِ محمدیہ میں فتنہ برپا کر دیا۔

چنانچہ جس کام پر حضرت عائشہؓ نے خود اپنی ندامت کا اظہار کیا۔ اس کو قابلِ حجت بنانا کسی بھی طرح درست نہیں ہو سکتا۔

رضیہ سلطانہ کی حکمرانی

مورخ محمد قاسم فرشتہ سے منقول ہے سلطان التمش کی وفات کے بعد ۶۳۳ھ میں منگل کے روز رکن الدین فیروز شاہ کی تخت نشینی عمل میں آئی۔ لیکن حکومت کی عنان سنبھالنے کے بعد اُس نے انتظامی اُمور کی طرف خاطر خواہ توجہ نہ دی اور شب و روز عیش و عشرت میں بسر کرنے لگا۔ قطب الدین ایبک اور شمس الدین التمش کے جمع کئے ہوئے خزانے کو بڑی بیدردی سے گویوں اور بھانڈوں وغیرہ پر صرف کرنا شروع کر دیا۔ حکومت کے تمام انتظامات اپنی ماں ترکان شاہ کے سپرد کر دیئے۔ جس نے التمش کی بیویوں اور اس کے چھوٹے بیٹے قطب الدین شاہ کو ظلم کا نشانہ بنایا۔ جس کی وجہ سے ملک میں بے اطمینانی کی لہر دوڑ گئی اور التمش کے مشہور اُمراء نے باہمی مشورے سے سلطان التمش کی بڑی بیٹی رضیہ سلطانہ کو اپنا فرمانروا تسلیم کر کے تختِ شاہی پر بٹھا دیا۔[1]

---

[1] ماخوذ از تاریخ فرشتہ (اردو) ص ۲۵۷-۲۵۸۔

۶۳۴ھ میں جب رضیہ سلطانہ تخت سلطنت پر جلوہ گر ہوئی تو حکمرانی کے فرائض خوش اسلوبی سے سرانجام دینے کے لئے اس نے پردہ ترک کر دیا اور مردانہ لباس زیب تن کر کے دربار عام منعقد کیا۔ اس کے تخت پر بیٹھتے ہی چند امراء نے بغاوت کر دی۔ جس کو دبانے میں وہ کامیاب ہوگئی۔ لیکن یاقوت نامی حبشی نے رضیہ سلطانہ کے دل میں ایسا مقام پیدا کیا کہ قلیل عرصے میں امیرالامراء بن گیا۔ اور اس کا اثر و رسوخ یہاں تک بڑھا کہ رضیہ سلطانہ کی بغل میں ہاتھ ڈال کر اس کو گھوڑے پر بٹھایا کرتا تھا۔ دربار کے امراء کو یہ بات پسند نہ تھی۔

۶۳۶ھ میں بٹھنڈہ کے حاکم ملک التونیہ نے رضیہ سلطانہ کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔ رضیہ سلطانہ نے اپنی فوج کے ساتھ بٹھنڈہ پر حملہ کر دیا۔ شاہی فوج پر ترکی امراء نے چھاپہ مار کر یاقوت حبشی کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اور رضیہ سلطانہ کو گرفتار کر کے بٹھنڈہ کے قلعے میں بند کر دیا۔

باغی امراء نے دہلی کے دوسرے امیروں سے مشورہ کر کے سلطان التمش کے بیٹے معزالدین بہرام شاہ کو تخت نشین کر دیا۔ رضیہ سلطانہ نے بٹھنڈے کے حاکم سے شادی کر لی۔ اور ایک لشکر تیار کر کے دہلی پر حملہ آور ہوئی۔

معزالدین بہرام شاہ نے التمش کے داماد عزالدین بلبن کو مقابلے کے لئے بھیجا جس نے رضیہ سلطانہ کو شکست دی۔ میدانِ جنگ سے بھاگ کر رضیہ سلطانہ نے بٹھنڈہ میں پناہ لی۔

رضیہ سلطانہ اور التونیہ نے پھر سے منتشر لشکر کو از سر نو مرتب کر کے بہرام شاہ کے خلاف قسمت آزمائی، لیکن اس مرتبہ بھی عزالدین کامیاب و کامران رہا۔ ۲۵ ربیع الاوّل ۶۳۷ھ کو التونیہ اور رضیہ سلطانہ، میاں بیوی دونوں قتل کر دیئے گئے[1]

---

[1] ماخوذ از تاریخ فرشتہ (اردو) ص ۲۵۹ تا ۲۶۲

تاریخ سے کوئی ایسی شہادت نہیں ملتی کہ اس وقت کے علمائے کرام نے رضیہ سُلطانہ کو تخت پر بٹھا کر اس کی حمایت میں فتوے جاری کئے تھے۔ بلکہ اس وقت کے مشہور اُمراء کی سوچ تھی۔ جو تین سال میں نتیجہ خیز ثابت نہ ہوسکی اور رضیہ سلطانہ خون خرابے کا شکار ہوگئی۔ لہٰذا اس کی تخت نشینی کسی بھی صورت میں حجت نہیں بن سکتی۔

ملکہ یمن بلقیس کا واقعہ

قرآن حکیم میں ایک مُشرکہ عورت کے ذکر سے یہ جواز پیدا نہیں ہوتا کہ مسلمان عورت اسلامی ملک کی سربراہ ہوسکتی ہے۔ کیونکہ وہ کسی اسلامی ملک پر حکمران نہ تھی بلکہ حضرت سلیمان علیہ السّلام کو اس کے بارے میں جب خبر ملی تو اُس کو فوراً حاضر ہونے کا حکم دیا۔ مناسب ہوگا کہ اس کا پُورا واقعہ نقل کردیا جائے تاکہ مسئلے کی وضاحت ہوجائے۔

حضرت سلیمان علیہ السّلام نے ایک خاص پرندے کو گم پایا، تو فرمایا۔ کیا وجہ ہے کہ میں ہُدہُد کو نہیں دیکھ رہا۔ کیا وہ غائب ہے۔ میں اُسے سخت عذاب دُوں گا۔ یا اس کو ذبح کر دُوں گا۔ یا میرے پاس وہ کوئی واضح دلیل لائے گا۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد وہ آگیا اور عرض کیا کہ میں نے ایسے معاملے پر اطلاع پائی ہے جس کی آپ کو خبر نہیں۔ میں سبأ سے ایک یقینی خبر لے کر آیا ہوں۔ میں نے ایک عورت کو پایا کہ وہ ان پر حکومت کر رہی ہے۔ اُسے ہر چیز میسّر ہے۔ اور اس کا بہت بڑا تخت ہے۔ میں نے اُس کو اور اس کی قوم کو پایا کہ وہ اللہ کو چھوڑ کر سورج کو سجدہ کرتے ہیں، اور شیطان نے ان کے لئے ان کے اعمال کو مزیّن کر رکھا ہے۔ پس وہ ان کو اللہ کی راہ سے روکے ہوئے ہے اور وہ ہدایت نہیں پا رہے ہیں۔ وہ اس اللہ کو سجدہ کیوں نہیں کرتے جو آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کو ظاہر کرتا ہے اور جو تم چھپاتے ہو، یا

ظاہر کرتے ہو، اُس کو جانتا ہے۔ اللہ وہ ہے کہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہی عرش عظیم کا رب ہے۔ سلیمان علیہ السلام نے فرمایا۔ ہم ابھی دیکھیں گے کہ تو سچ کہتا ہے یا جھوٹا ہے۔ جاؤ میرا یہ خط لے جاؤ۔ اور اُن کے پاس پہنچا دو۔ پھر ذرا ان سے ہٹ کر دیکھو کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں؟ ملکہ نے کہا۔ اے سردارو! میرے پاس ایک مُعزّز مراسلہ آیا ہے۔ یہ سلیمان علیہ السلام کی طرف سے ہے اور یہ بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم سے شروع کیا گیا ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ سرکشی مت کرو اور فرمانبردار ہو کر میرے پاس آجاؤ۔ ملکہ نے کہا، اے سردارو! میرے اس کام میں مجھے مشورہ دو۔ کیونکہ جب تک تم موجود نہ ہو، میں کسی کام کے بارے میں فیصلہ نہیں کرتی۔ سرداروں نے جواب دیا۔ ہم بڑی طاقت والے اور سخت لڑاکے ہیں، لیکن سب اختیار تمہیں ہے۔ پس جو حکم دینا چاہتی ہو، اُس پر غور کر لو۔ ملکہ نے کہا۔ جب بادشاہ کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اُس کو خراب کر دیتے ہیں اور عزّت والوں کو ذلیل بنا دیتے ہیں۔ وہ ایسا ہی کرتے ہیں۔ میں اُن کی طرف تحفے بھیج کر دیکھتی ہُوں کہ ایلچی کیا جواب لاتے ہیں؟ جب وہ سلیمان علیہ السلام کے پاس آئے، توانہوں نے فرمایا، تم مال سے مجھے راغب کرنا چاہتے ہو۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے جو کچھ عطا فرمایا وہ اس سے بہتر ہے جو تمہیں اُس نے دیا ہے بلکہ تم اپنے تحفوں پر خوش ہو رہے ہو۔ ان کی طرف واپس جاؤ اور اُن کو بتاؤ کہ ہم ایسے لشکر کے ساتھ آئیں گے کہ جس کے مقابلے کی اُن میں سکت نہ ہوگی اور ہم ان کو ذلیل و رُسوا کر کے وہاں سے نکال دیں گے۔ سلیمان علیہ السلام نے اپنے سرداروں سے فرمایا۔ تم میں سے کون ہے جو ان کے تابعدار ہو کر آنے سے پہلے اس کا تخت میرے پاس لے آئے۔ ایک بہت بڑے جن نے کہا کہ آپ کے اس مقام سے اُٹھنے سے پہلے میں اس کو آپ کی خدمت میں حاضر کر دوں گا۔ اور میں اس پر قدرت رکھنے والا اور امین ہوں۔ جس کے پاس کتاب کا علم تھا۔ اس نے کہا: پلک جھپکنے سے

پہلے ہی آپ کے پاس لا سکتا ہوں۔ جب سلیمان علیہ السّلام نے ملکہ کے تخت کو سامنے رکھا ہوا پایا۔ تو کہا کہ یہ میرے رب کا فضل ہے تاکہ مجھے آزمائے کہ میں اس کا شکر کرتا ہوں یا ناشکری۔ جو شکر کرتا ہے تو اپنے ہی نفس کے لئے شکر کرتا ہے اور جو ناشکری کرتا ہے۔ تو میرا رب بے نیاز اور کریم ہے۔ سُلیمان علیہ السّلام نے فرمایا کہ ملکہ کے تخت کو اس کے لئے کچھ بدل دو۔ تاکہ ہم دیکھیں کہ وہ ہدایت پاتی ہے یا گمراہوں میں ہو جاتی ہے۔ جب وہ آئی۔ اُس سے کہا گیا، کیا تیرا تخت اسی طرح کا تھا؟ اُس نے کہا، یہ تو وہی ہے۔ اس کی خبر ہمیں پہلے دی جا چکی ہے۔ اور ہم فرمانبردار ہیں۔ اللہ کے سوا جس کی وہ عبادت کرتی تھی۔ اس سے رُک گئی۔ حالانکہ وہ کافروں میں سے تھی۔ اس سے کہا گیا کہ محل میں داخل ہو جاؤ۔ جب اس نے اس کو دیکھا، تو اس کو گہرا پانی سمجھا اور پنڈلیوں سے کپڑا اٹھا لیا۔ سلیمان علیہ السّلام نے فرمایا کہ یہ محل شیشوں سے جڑا ہوا ہے۔ اس نے کہا، اے میرے ربّ! بے شک میں نے اپنی جان پر ظلم کیا اور میں سلیمان علیہ السّلام کے ساتھ ربّ العالمین کے لئے فرمانبردار ہوتی ہوں [1]

بلقیس کے سارے قصّے میں کوئی ایسی خبر نہیں ملتی ہے کہ سلیمان علیہ السّلام نے اس کی حکومت کو قائم رکھا۔ اگر کہا جائے کہ تفاسیر میں ایسی روایات ملتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ سلیمان علیہ السّلام نے اس سے شادی کر لی۔ اس سے اولاد ہوئی اور اُنہوں نے اس کی حکومت اسی کے ہاتھ میں رہنے دی۔ مہینے میں ایک مرتبہ اس کے پاس جاتے۔ اور تین دن اس کے ہاں قیام کیا کرتے تھے۔ اگر اسرائیلی روایات پر ہی انحصار کرنا ہے تو مذکورہ روایت کے ساتھ یہ بھی منقول ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السّلام نے اس کی شادی تبع ملک ہمدان سے کر دی۔ اور

اس کے سپرد حکومت کر دی۔ حضرت سُلیمان علیہ السّلام کی وفات تک وہی حکمران تھا۔[1] اس سے معلوم ہوا کہ سلیمان علیہ السّلام نے ملکۂ سبا (بلقیس) کے بجائے ہمدان کو یمن کا حکمران بنا دیا۔

ملکہ یمن کے واقعہ سے پیدا ہونے والی غلطی کو دُور کرنے کے لئے مفسّرین نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ارشادِ مُبارک "کہ جس قوم نے حکمرانی عورت کے سپُرد کر دی وہ کبھی فلاح نہیں پائے گی" کو اسی واقعہ میں نقل کیا ہے۔[2]

علاّمہ آلوسیؒ نے واضح کیا ہے کہ سورۂ نمل کی آیت "میں نے ایک عورت کو پایا کہ وہ ان پر حکمران ہے" میں عورت کے حکمران یا ملکہ ہونے کے جواز کی کوئی دلیل نہیں اور نہ ہی کافروں کے عمل سے اس قسم کی کوئی حجّت قائم ہو سکتی ہے۔

اگر عورت کی سربراہی کا اسلام میں کوئی تصوّر ہوتا تو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے جو کچھ فرمایا، اس کی ضرورت پیش نہ آتی کیونکہ قرآن آپؐ پر نازل ہوا اور آپؐ سے بڑھ کر کوئی اسے سمجھنے والا نہ تھا۔

محترمہ فاطمہ جناح کا الیکشن میں حصّہ لینا اور مولانا مودودیؒ کا ان کی حمایت کرنا

۱۹۶۴ء میں ایوب خان کے خلاف جب محترمہ فاطمہ جناح نے مقابلے کا اعلان کیا، تو بہت سے علمائے کرام نے ان کی حمایت کی اور ان کو کامیاب کروانے کے لئے پُورا زور لگایا۔ لہٰذا اب ایک خاتون کے وزیرِ اعظم بن جانے پر اختلاف کیوں کیا جا رہا ہے؟ جب محترمہ فاطمہ جناح

---

[1] تفسیر الخازن، جلد ۳ - ص ۴۱۴۔ تفسیر کبیر جلد ۶ ص ۵۶۹ - الکشاف جلد ۳ ص ۳۷۰ -

[2] مواہب الرحمٰن جلد ۱، ص ۲۳ - المظہری، جلد ۷ ص ۱۱۰ - احسن التفاسیر جلد ۵ ص ۵۶ - الخازن جلد ۳ ص ۴۰۸ - روح المعانی، پ ۱۹ ص ۱۸۱

کے الیکشن کی بات ہوتی ہے۔ تو مولانا مودودیؒ کا ذکر ضرور کیا جاتا ہے کہ سب سے زیادہ عورت کی سربراہی کی وکالت کرنے والے وُہی تھے۔ اِس لئے مناسب ہوگا کہ انہی کے الفاظ میں عورت کی سربراہی کے بارے میں ان کے عقیدے کی وضاحت ہو جائے۔

انہوں نے اپنی ایک انتخابی تقریر میں کہا کہ یہ اَمرِ مسلّم ہے کہ اسلام میں اصُولاً سیاست و نظمِ مملکت کا دائرہ مردوں ہی کے لئے ہے۔ اَور عورتیں اس ذمّہ داری میں شریک نہیں کی گئیں۔ یہ بھی ناقابلِ انکار ہے کہ مسلمانوں کی امارت کے لئے شریعت میں جو شرائط رکھی گئی ہیں، ان میں سے ایک شرط مَرد ہونا بھی ہے۔ اس مسئلے کو میں خود پُورے دلائل کے ساتھ اور پُورے زور کے ساتھ بیان کر چکا ہوں اور آج بھی اسی بات کا قائل ہوں۔ لیکن اس وقت ہمارے سامنے یہ مسئلہ محض اپنی اس سادہ صورت میں درپیش نہیں ہے کہ ایک عورت مسلمانوں کی امیر ہو سکتی ہے یا نہیں بلکہ ہم ایک خاص صورتِ حال سے دوچار ہیں جس میں ملک پر ایک جابرانہ اور ظالمانہ استبدادی نظام مسلّط ہو گیا ہے جو ہمارے دین و اخلاق، تمدّن و تہذیب اور معیشت و ریاست کے لئے تباہ کُن ہے۔ اس نظام کو پُرامن آئینی طریقے سے بدل دینے کے لئے ہمیں انتخابات میں ایک خداداد موقع مل رہا ہے۔

ملک میں فاطمہ جناح کے سوا کوئی دوسری شخصیت ایسی موجُود نہیں جس پر اہلِ ملک کی عظیم اکثریت مجتمع ہو سکے اور انتخابِ صدارت میں جس کے کامیاب ہونے اور اس طرح موجودہ استبداد کے ختم ہونے کا کچھ بھی امکان ہو۔

فاطمہ جناح کھڑی ہو چکی ہیں اَور ملک کی عام آبادی ان کی حمایت پر کمربستہ ہو گئی ہے۔

ان کے مقابلے میں کسی اور شخص کو کھڑا کرنا یا انتخابی مقابلے میں غیر جانبدار رہنا، دونوں یہ معنی رکھتے ہیں کہ ہم صدر ایوب کی کامیابی میں عملاً مددگار ہیں۔

یہ وہ مخصوص حالات تھے کہ جن کی بنا پر مولانا مودودیؒ جیسی شخصیت محترمہ فاطمہ جناح کی حمایت کرنے پر راضی ہوگئی۔ چنانچہ انہوں نے اپنی اسی تقریر میں واضح کر دیا کہ عورت کو امیر بنانا اگر ایک درجے کا گناہ ہے۔ تو اس کے مقابلے میں اس جباریت کا برقرار رہنا کم از کم دس درجے زیادہ بڑا گناہ ہے۔

لیکن یہ ان کا اپنا اجتہاد اور ذاتی سوچ تھی۔ بات وہی درست ہے جو انہوں نے پہلے کی اور جسے زور کے ساتھ انہوں نے بیان کر دیا۔ ان کے مخصوص حالات میں اختیار کئے گئے موقف پر قیاس کرتے ہوئے آج حجت قائم نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا بات وہی حق ہے جو کہ ہمارے لئے قرآن و سنت میں بیان کر دی گئی ہے۔ یعنی عورت کا اسلامی ملک کی سربراہ بن جانا اسلامی تعلیم کے خلاف ہے۔

مولانا مودودیؒ کا اپنا عقیدہ

مولانا مودودیؒ کا بھی یہی عقیدہ تھا کیونکہ انہوں نے عورتوں کے مناصب پر روشنی ڈالتے ہوئے واضح کیا ہے۔

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ [1] "مرد عورتوں پر قوّام ہیں"

لن یفلح قوم ولوا امرھم امرأۃ [2] "وہ قوم کبھی فلاح نہیں پا سکتی جو اپنے معاملات کو عورت کے سپرد کردے"

ان کا کہنا ہے کہ یہ دونوں نصوص اس باب میں قاطع ہیں کہ مملکت میں ذمہ داری کے مناصب (خواہ وہ صدارت ہو یا وزارت یا مجلس شوریٰ کی رکنیت یا مختلف محکموں کی ادارت) عورتوں کے سپرد نہیں کئے جا سکتے۔ اس لئے کسی اسلامی ریاست کے دستور میں عورتوں کو یہ پوزیشن دینا یا اس کے لئے گنجائش رکھنا نصوص صریحہ کے خلاف ہے اور اطاعت خدا اور رسولؐ کی پابندی قبول کرنے والی ریاست اس خلاف ورزی کی سرے سے مجاز ہی نہیں ہے [3]

[1] سورۃ النسآء: آیت ۳۴۔

[2] بخاری: ص ۶۳۷۔ ۱۰۵۲۔

[3] اسلامی ریاست۔ ص ۳۷۹

مولانا مودودیؒ سے سوال کیا گیا کہ آخر وہ کون سے اسلامی اصول یا احکام ہیں جو عورتوں کی رکنیت مجالسِ قانون ساز سے مانع ہیں؟ اور قرآن و حدیث کے وہ کون سے ارشادات ہیں جو ان مجالس کو صرف مردوں کے لئے مخصوص قرار دیتے ہیں؟

مولانا نے فرمایا۔ اس سوال کا جواب دینے سے پہلے ضروری ہے کہ ہم ان مجالس کی صحیح نوعیت اچھی طرح واضح کر دیں جن کی رکنیت کے لئے عورتوں کے استحقاق پر گفتگو کی جا رہی ہے۔ ان مجالس کا نام مجالس قانون ساز رکھنے سے یہ غلط فہمی واقع ہوتی ہے کہ ان کا کام صرف قانون بنانا ہے اور پھر یہ غلط فہمی ذہن میں رکھ کر جب آدمی دیکھتا ہے کہ عہدِ صحابہ میں خواتین بھی قانونی مسائل پر بحث، گفت گو، اظہارِ رائے سب کچھ کرتی تھیں اور بسا اوقات ان سے رائے لیتے۔ اور اس رائے کا لحاظ کرتے تھے تو حیرت ہوتی کہ آج اسلامی اصولوں کا نام لے کر اس قسم کی مجالس میں عورتوں کی شرکت کو غلط کیسے کہا جا سکتا ہے؟ لیکن واقعہ یہ ہے کہ موجودہ زمانے میں جو مجالس اس نام سے موسوم کی جاتی ہیں۔ ان کا کام محض قانون سازی کرنا نہیں ہے بلکہ عملاً وہی پوری ملکی سیاست کو کنٹرول کرتی ہیں۔ وہی وزارتیں بناتی اور توڑتی ہیں۔ وہی نظم و نسق کی پالیسی طے کرتی ہیں۔ وہی مالیات اور معاشیات کے مسائل طے کرتی ہیں اور انہی کے ہاتھ میں صلح و جنگ کی زمام کار ہوتی ہے۔ اس حیثیت سے ان مجالس کا مقام محض ایک فقیہ اور مفتی کا نہیں ہے بلکہ پوری مملکت کے قوّام کا مقام ہے۔

اب ذرا دیکھئے، قرآن اجتماعی زندگی میں یہ مقام کس کو دیتا ہے اور کسے نہیں دیتا۔ سورہ نساء میں اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰہُ بَعْضَھُمْ عَلٰی بَعْضٍ۔

مرد عورتوں پر قوّام ہیں۔ بوجہ اس فضیلت کے جو اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر دی ہے اور بوجہ اس کے کہ مرد اپنے مال خرچ کرتے ہیں، پس صالح عورتیں اطاعت شعار اور غیب کی حفاظت کرنے والیاں ہوتی ہیں اللہ کی حفاظت کے تحت۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ صاف الفاظ میں قوامیت کا مقام مردوں کو دے رہا ہے۔ اور

صالح عورتوں کی دو خصوصیات بیان کرتا ہے۔ ایک یہ کہ وہ اطاعت شعار ہوں۔ دوسرے یہ کہ وہ مَردوں کی غیر موجودگی میں ان چیزوں کی حفاظت کریں، جن کی حفاظت اللہ کرانا چاہتا ہے۔

آپ کہیں گے۔ یہ حکم تو خانگی معاشرت کے لئے ہے نہ کہ ملکی سیاست کے لئے، مگر یہاں تو مطلقاً" مرد عورتوں پر قوام ہیں" کہا گیا ہے۔ فی البیوت (گھروں میں) کے الفاظ ارشاد نہیں ہوئے ہیں۔ جن کو بڑھائے بغیر اس حکم کو خانگی معاشرت تک محدود نہیں کیا جا سکتا۔ پھر اگر یہ بات مان بھی لی جائے تو ہم پُوچھتے ہیں کہ جسے اللہ نے گھر میں قوام نہ بنایا بلکہ اطاعت شعاری کے مقام پر رکھا۔ آپ اسے تمام گھروں کے مجموعے یعنی پُوری مملکت میں اطاعت شعاری کے مقام سے اٹھا کر قوامیت کے مقام پر لانا چاہتے ہیں۔ گھر کی قوامیت سے مملکت کی قوامیت تو زیادہ بڑی اور اونچے درجے کی ذمہ داری ہے۔ اب کیا اللہ تعالیٰ کے متعلق آپ کا یہ گمان ہے کہ وہ ایک گھر میں تو عورت کو قوام نہ بنائے مگر کئی لاکھ گھروں کے مجموعے پر اسے قوام بنا دے گا؟

اور دیکھئے۔ قرآن صاف الفاظ میں عورت کا دائرہ عمل یہ کہہ کر معین کر دیتا ہے

وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ [1]	اپنے گھروں میں وقار کے ساتھ ٹھہری رہو اور پچھلی جہالت کے سے بناؤ سنگھار کا ارتکاب نہ کرو۔"

آپ پھر فرمائیں گے کہ یہ حکم تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کی خواتین کو دیا گیا تھا۔ مگر ہم پُوچھتے ہیں کہ آپ کے خیال مُبارک میں کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کی خواتین کے اندر کوئی خاص نقص تھا جس کی وجہ سے وہ بیرونِ خانہ کی ذمہ داریوں کے لئے نا اہل تھیں؟ اور کیا دوسری خواتین کو اس لحاظ سے ان پر کوئی فوقیت حاصل ہے؟ پھر اس سلسلے کی ساری آیات صرف اہل بیتِ نبوّت کے لئے مخصوص ہیں تو کیا دوسری مسلمان عورتوں کو تبرّجِ جاہلیت (جاہلیت کے بناؤ سنگھار) کی اجازت ہے؟ اور کیا انہیں غیر مردوں سے اس طرح باتیں کرنے کی بھی اجازت ہے کہ ان کے دل میں طمع پیدا ہو؟ اور کیا اللہ اپنے نبی کے گھر کے سوا ہر مسلمان گھر کو "رجس" (پلیدگی) میں آلودہ دیکھنا چاہتا ہے؟

---

[1] سورۃ الاحزاب: آیت ۳۳

اس کے بعد حدیث کی طرف آیئے۔ یہاں ہم کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ واضح ارشادات ملتے ہیں۔

اذا کان امراء کم شرارکم و اغنیاء کم	"جب تمہارے امراء تمہارے بدترین لوگ ہوں اور
بخلاء کم و امورکم الی	جب تمہارے دولتمند بخیل ہوں اور جب تمہارے
نساء کم فبطن الارض خیر	معاملات تمہاری عورتوں کے ہاتھ میں ہوں تو
من ظہرھا [1]	زمین کا پیٹ تمہارے لئے اس کی پیٹھ سے بہتر ہے"

ابوبکرہؓ سے روایت ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچی کہ ایران والوں نے کسریٰ کی بیٹی کو اپنا بادشاہ بنالیا ہے تو آپ نے فرمایا۔ وہ قوم کبھی فلاح نہیں پاسکتی جس نے اپنے معاملات ایک عورت کے سپرد کئے ہوں [2]

مولاناؒ کا فرمان ہے کہ یہ دونوں حدیثیں اللہ تعالیٰ کے ارشاد اَلرِّجَالُ قَوّٰامُوْنَ عَلَی النِّسَاءِ کی ٹھیک ٹھیک تفسیر بیان کرتی ہیں۔ اور ان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سیاست و ملک داری عورت کے دائرۂ عمل سے خارج ہے [3]

معلوم ہوا کہ مولانا مودودیؒ عورت کی سربراہی کے بارے میں اُمتِ محمدیہ کے علمائے کرام سے کوئی الگ نظریہ یا عقیدہ نہ رکھتے تھے بلکہ محترمہ فاطمہ جناح کی حمایت ان کے نزدیک اس وقت کے ایک ڈکٹیٹر سے نجات حاصل کرنے کے لئے ضروری تھی۔ اور یہ ان کی اپنی رائے تھی جس سے قرآن و سنت کی تعلیم میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوسکتا۔

---

[1] جامع الترمذی۔ جلد ۲ ص ۶۱۔

[2] صحیح بخاری ص ۲۷، ۶۳۷ – ۱۰۵۲، مسند احمد جلد ۵ ص ۴۳، ۴۷ – ۵۱، نسائی جلد ۲ ص ۳۰۱۔ ترمذی۔ جلد ۲ ص ۶۱۔

[3] اسلامی ریاست۔ ص ۵۰۶ تا ص ۵۰۹۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا فرمان

انگریزوں کے دور میں دیئے گئے حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ایک فتویٰ کا بھی حوالہ دے کر عورت کی حکمرانی کو ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ بجائے اس کے کہ اس فتویٰ پر بحث کی جائے مناسب یہ ہے کہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے سورۃ نمل کی تفسیر میں جو کچھ فرمایا ہے وہ نقل کر دیا جائے تاکہ حق واضح ہو جائے۔ مولانا کا فرمان ہے۔

ہماری شریعت میں عورت کو بادشاہ بنانے کی ممانعت ہے پس بلقیس کے قصہ سے کوئی شک نہ کرے۔ اول تو یہ فعل مشرکین کا تھا۔ دوسرے اگر شریعت سلیمانیہ نے اس کی تقریر بھی کی ہو تو شرع محمدیؐ میں اس کے خلاف ہوتے ہوئے وہ حجت نہیں [1]

پروفیسر محمد اسلم صاحب کا استدلال

جامعہ پنجاب میں شعبہ تاریخ کے اُستاذ پروفیسر محمد اسلم صاحب کا اسی موضوع پر تاریخ کے حوالے سے ۱۳ دسمبر ۸۸ء کے "ندا" میں شائع ہونے والا مضمون بھی نظر سے گزرا۔ جس میں پروفیسر صاحب نے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ عورت کے حکمران بننے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں۔ انہوں نے اپنے مضمون میں اس فتوے کا ردّ کیا ہے۔ جو مولانا محمد یوسف لدھیانوی۔ مولانا فداء الرحمٰن درخواستی، مفتی احمد الرحمٰن، مولانا عبدالرؤف اور مولانا عبدالرحمٰن سلفی کے دستخطوں سے ۱۵ نومبر ۱۹۸۸ء کے ایک انگریزی روزنامے میں مشتہر ہوا۔ علمائے کرام کے فتوے کی بھی بنیاد صحیح بخاری کی حدیث تھی جس میں آپؐ نے فرمایا تھا کہ وہ قوم کبھی فلاح نہیں پا سکتی، جس نے عورت کو اپنا حکمران بنا لیا۔

چنانچہ پروفیسر صاحب کا کہنا ہے چونکہ ایران کی ملکہ بوران دُخت کے تخت نشین ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا۔ اس لئے ان کی "ناقص رائے" میں

---

[1] تفسیر بیان القرآن، سورۃ النمل۔ ص ۷۵۔

مفتیوں کو حدیث مبارکہ کا مفہوم سمجھنے میں سہو ہوا ہے۔ کیونکہ ملکہ کیتھرائن، ملکہ وکٹوریہ، ملکہ ول ھلیمنا، ملکہ جولیانہ، جون آف آرک، ملکہ الزبتھ ثانی، مسز مارگریٹ تھیچر، ملکہ این آنجہانی اندرا گاندھی۔ بندرانائیکے اور گولڈا میئر کے اپنے اپنے عہد میں ان کی قوموں نے ہر میدان میں ترقی کی منازل طے کیں۔ اور ان میں سے ہر ایک اپنے ملک کے عوام کی خوشحالی، فارغ البالی اور کامرانی کا سبب بنی۔ خاص طور پر ملکہ وکٹوریہ کا دور تو ایسا تھا کہ انگریزوں کی حکمرانی میں سورج غروب نہیں ہوتا تھا۔ لہٰذا ان حالات میں کون کہہ سکتا ہے کہ عورت کی حکمرانی میں عوام فلاح نہیں پا سکتے۔؟

مسلمان خواتین میں سے انہوں نے سلطان التمش کی بیٹی رضیہ سلطانہ، مصر کی شجرۃ الدر بھوپال کی قدسیہ بیگم، شاہجہان بیگم، سکندر جہاں بیگم، سلطان جہاں بیگم اور چاند بی بی کا بھی حوالہ دیا ہے۔ غیر مسلم جھانسی کی رانی کے ذکر کے بعد محترمہ فاطمہ جناح کے الیکشن کو بھی انہوں نے اجاگر کیا ہے۔

ان کی یہ بھی دلیل ہے کہ پاکستان کے آئین کی رو سے جب عورت کے اسمبلی کی رکن منتخب ہونے پر کوئی پابندی نہیں۔ تو اس کے وزیر اعظم یا صدر مملکت بننے میں کونسا امر مانع ہے۔ پھر انہوں نے بخاری کی حدیث پر دو طریقوں سے بحث کی ہے۔ کہ اگر یہ انشاء ہے تو اس سے مراد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حکم دے رہے ہیں کہ عورت کو حکمران نہ بنایا جائے۔ کیونکہ یہ کسی قوم کے مفاد اور فلاح کے خلاف ہے۔ پھر ان تاریخی حقائق کو کیسے جھٹلائیں گے کہ عورتوں کی حکمرانی کے زمانے میں بہت سی قوموں کا بھلا ہوا۔ اگر یہ خبر ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اطلاع دے رہے ہیں کہ عورت نا اہل ثابت ہوگی تو ظاہر ہے کہ یہ خبر صادق نہیں ہے۔ اس لئے اس حدیث کا اطلاق صرف بوران دخت پر کرنا ہوگا ورنہ حدیث کی صحت مشکوک ہو جائے گی۔

جناب پروفیسر محمد اسلم صاحب کی بحث کا خلاصہ

محترم پروفیسر صاحب کی بحث کا مرکزی نقطۂ نظر یہ ہے کہ تاریخی شواہد سے ثابت ہوتا ہے کہ عورتوں کی حکمرانی میں ان کے ملکوں اور عوام نے فلاح پائی۔ لہٰذا جب آپ نے یہ فرمایا لن یفلح قوم ولّوا امرھم امراۃ ۔ تو یہ پوران دخت کے ساتھ خاص تھا۔ اس لئے آج بھی عورت کے حکمران بننے میں شرعًا کوئی قباحت نہیں۔

فلاح سے کیا مُراد ہے؟

حدیث میں " لن یفلح قوم " کا معنی یہ کیا جاتا ہے کہ ہرگز قوم فلاح نہیں پائے گی۔ پروفیسر محمد اسلم صاحب نے فلاح کو دنیاوی کامیابی و کامرانی اور خوش حالی سے تعبیر کرتے ہوئے غیر مسلم خواتین کو نمونہ کے طور پر پیش کیا ہے۔ ایسے کرتے ہوئے وہ بھول گئے۔ کہ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو غیر مسلموں، کافروں، ظالموں، فاسقوں اور فاجروں کی پیروی کرنے کا حکم نہیں دیا ہے۔ بلکہ ارشاد ہوتا ہے۔

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ[1]

" اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت

---

[1] النساء: ۵۹

کرو اور ان کی جو تم میں سے اُولی الامر ہیں، اگر کسی بات میں تمہارا اختلاف ہو جائے تو پھر اس کو اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹاؤ۔ اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔"

قرآن حکیم میں بار بار اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور اطاعت کا حکم دیا گیا ہے، بلکہ یہ بھی فرما دیا گیا ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ [1]

"بے شک تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مبارک میں بہترین نمونہ ہے۔"

لیکن یہاں جس آیت کا حوالہ دیا جا رہا ہے، اس میں اُولی الامر بھی شامل ہیں جن کے بارے میں اُمّتِ محمدیہ کو سمجھا دیا گیا ہے کہ جب ان سے کسی مسئلہ میں اختلاف پیدا ہو جائے تو پھر معیار اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم رہ جاتے ہیں جو راہنمائی ادھر سے ملے گی، اسی کے مطابق اگر عمل ہو گا تو عند اللہ مقبول ہو گا، یعنی اختلاف کی صورت میں مسلمانوں اور مومنوں کو اولی الامر کی پیروی سے بھی روک دیا گیا ہے تو غیر مسلم خواتین کا نمونہ اُمّتِ محمدیہ کے لئے کیسے حجّت ہو سکتا ہے۔؟

اَب دیکھنا یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کے نزدیک کونسی حقیقی فلاح ہے۔ پروفیسر صاحب نے جس فلاح کو کامیابی اور کامرانی سے تعبیر کیا ہے۔ کیا اللہ اور اس کے حبیب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی وہی تصوّر دیا ہے۔؟

پانچ نمازوں میں مسلمان سورۃ فاتحہ پڑھتے ہوئے دُعا کرتے ہیں۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ • صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ [2]

---

[1] الاحزاب: ۲۱

[2] الفاتحۃ: ۶-۷

"اے اللہ! ہمیں سیدھی راہ دکھا۔ راہ ان لوگوں کی جن پر تو نے انعام کئے۔ نہ کہ ان کی جن پر تو غضب کیا گیا، اور نہ ہی ان کی جو گمراہ ہوئے"

نماز میں ہم دعا مانگیں کہ اللہ ہمیں ان کی راہ پر چلا جن پر تو مہربان ہوا۔ اپنی نعمتوں سے جن کو مالا مال کیا لیکن پروفیسر صاحب نے ایک نہایت ہی اہم مسئلے میں ہمیں راہ اُن کی دکھائی ہے جو کفر و شرک پر قائم رہے اور اسی پر ان کی موت واقع ہوئی۔

قرآن پاک کے آغاز ہی میں فلاح پانے والوں کی صفات اللہ تعالیٰ نے بیان کر دی ہیں۔

الٓمٓ ● ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ● الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ● وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ● اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ●[1]

"الٓمٓ۔ یہ وہ کتاب ہے کہ جس میں کوئی شک نہیں متقین کے لئے باعثِ ہدایت ہے۔ متقین وہ ہے جو ایمان بالغیب رکھتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور ہم نے ان کو جو رزق دے رکھا ہے۔ اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ وہ لوگ، جو آپ پر اور جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا، اس پر یقین رکھتے ہیں۔ وہی لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور وہی فلاح پانے والے ہیں"

اللہ تعالیٰ نے بتا دیا ہے کہ فلاح پانے والے وہی ہوں گے جو متقی، پرہیزگار، اللہ تعالیٰ

---

[1] البقرہ : ۱-۲-۳-۴-۵

سے ڈرنے والے اور اس کے احکام کو بجا لانے والے ہیں۔

ارشادِ ربّ العزّت ہے۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ؀[1]

اور اللہ سے ڈر جاؤ تاکہ تم فلاح پاؤ۔"

فلاح پانے والوں کی صفات پر مزید روشنی یوں ڈالی گئی ہے۔

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ [2]

"فلاح پائی مومنوں نے وہ جو اپنی نمازوں میں ڈرتے ہیں اور وہ جو لغویات سے اعراض کرتے ہیں، اور وہ جو زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ سوائے اپنی بیویوں اور اپنی لونڈیوں کے پس اس پر ان کو کوئی ملامت

---

[1] آلِ عمران : ۲۰۰

[2] المؤمنون : ۱ تا ۱۱

نہیں ہوگی۔ جس نے اس کے علاوہ کچھ تلاش کیا۔ پس وہی زیادتی کرنے والے ہیں۔ اور وہ لوگ جو اپنی امانتوں اور عہد کا خیال رکھتے ہیں اور وہ لوگ جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ وہی لوگ وارث ہوں گے۔ وہی ہیں جو جنّت الفردوس کے وارث ہوں۔ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔"

یہاں بھی فلاح پانے والوں کا وہ تصوّر نہیں۔ جو پروفیسر محمّد اسلم صاحب نے غیر مسلم عورتوں کے حوالے سے پیش کیا ہے۔

ہر نماز کے لئے اذان دیتے ہوئے مؤذن کہتا ہے۔ حیّ علی الصّلوٰۃ۔ حیّ علی الفلاح نماز کی طرف آؤ۔ فلاح کی طرف آؤ۔ ظاہر ہے کہ یہاں فلاح سے مُراد نماز ہے۔

جس رمضان المبارک میں قیام اللیل کے لئے آپؐ نے اپنے اہل، اپنی بیویوں اور لوگوں کو ستائیسویں رات جمع فرمایا تو آپؐ نے اس رات اتنا لمبا قیام کیا کہ:۔

ابوذرؓ کا بیان ہے۔

حتی خشینا ان یفوتنا الفلاح۔

"ہمیں خطرہ ہوا کہ ہماری فلاح جاتی رہی۔" راوی حدیث سے جب پُوچھا گیا کہ فلاح سے کیا مراد ہے، تو انہوں نے کہا، السحور یعنی سحری کا کھانا[1]

قرآن مبین میں بہت سی آیات میں فلاح کے معنی کو واضح کیا گیا ہے۔ لیکن صرف ایک اور آیت کو پیش کیا جاتا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے:۔

---

[1] ابوداؤد: ابواب شہر رمضان، ص ۱۹۵۔ ابن ماجہ: ص ۹۴۔ جامع الترمذی: جلد ۱، ص ۱۳۰۔ سنن النسائی: جلد ۱ ص ۱۹۲۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝[1]

"پس اللہ تعالےٰ سے اپنی استطاعت کے مطابق ڈرجاؤ اور سنو اور اطاعت کرو۔ اور خرچ کرو۔ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے اور جو اپنے نفس کی حرص سے بچایا گیا پس وہی فلاح پانے والے ہیں"

معلوم ہوا کہ اسلام میں فلاح کا جو تصور ہے، اس سے بالکل مختلف ہے۔ جو پروفیسر محمد اسلم صاحب نے تاریخی حقائق کی صورت میں پیش کرکے مفتیوں کو استہزاء کا نشانہ بنایا ہے۔ اللہ تعالےٰ کے نزدیک دنیاوی کامیابی وکامرانی کی کیا حقیقت ہے۔ قرآن سے اس کی بھی ایک جھلک دیکھ لی جائے تو بات اور واضح ہوگی۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝[2]

"ہر نفس نے موت کا مزا چکھنا ہے اور بے شک قیامت کے روز تم کو تمہارا پورا پورا اجر دیا جائے گا۔ پس جو آگ سے بچایا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا۔ وہ کامیاب ہوا، اور دنیا کی زندگی دھوکے کا سامان ہے"

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ

---

[1] التغابن : ۱۶

[2] آل عمران : ۱۸۵

لَهِیَ الْحَیَوَانُ لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ [1]

"دنیا کی زندگی ایک کھیل تماشہ ہے اور بے شک آخرت کا گھر ہمیشہ کی زندگی ہے۔ اگر وہ جانتے ہوتے"

پروفیسر صاحب نے دنیا کی جس کامیابی اور کامرانی کو فلاح کا نام دیا ہے۔ قرآن اسے دھوکے کا سامان اور کھیل تماشا قرار دیتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ خندق کے موقع پر کیا ہی خوب فرمایا۔

اللّٰھم ان العیش عیش الاخرۃ فاغفر الانصار والمھاجرۃ [2]

"اے اللہ! بے شک اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے پس انصار اور مہاجرین کو بخش دے"۔

اللھم انہ لاخیر الاخیر الاخرۃ فبارك فی الانصار والمھاجرۃ [3]

"اے اللہ! بے شک بھلائی تو آخرت کی بھلائی ہے پس انصار اور مہاجرین میں برکت فرما"۔

امام بخاریؒ نے نقل کیا ہے کہ عمر فاروقؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک پر چٹائی کے نشان دیکھے، تو ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ سیّد الانبیاء علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے دریافت فرمایا۔

ما یبکیك؟ فقلت: یا رسول اللہ ان کسری وقیصر فیما ھما فیہ وانت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال اما ترضی ان تکون

---

[1] العنکبوت: ۶۴

[2] صحیح بخاری: ص ۵۸۸

[3] صحیح بخاری: ص ۵۸۸

لهم الدنيا ولنا الاخرة [1]

تمہیں کس بات نے رلایا ہے؟ (عمر فاروقؓ کا قول ہے) میں نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسولؐ! بے شک کسریٰ و قیصر جس حال میں ہیں۔ اس میں ہیں۔ لیکن آپ اللہ کے رسولؐ ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: کیا تو اس پر راضی نہیں کہ ان کے لئے دنیا ہو۔ اور ہمارے لئے آخرت۔"

عمر فاروقؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کسریٰ و قیصر کی خوش حالی کا ذکر کیا، تو آپ نے عمر فاروقؓ کو آخرت کی کامیابی کی بشارت دے دی۔

پروفیسر محمد اسلم صاحب نے فلاح کا جو معیار غیر مسلم خواتین کے حوالے سے قائم کیا۔ ان کو امام الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کہاں نظر آتے ہیں۔؟

پوران دخت کے ساتھ فلاح والی حدیث کو خاص کرنا

پروفیسر محمد اسلم صاحب کی روشن خیالی اور تحقیق پاکستان کے عوام الناس کو فلاح والی حدیث کا وہ مفہوم سمجھا رہی ہے۔ جو آج تک مفسرین اور محدثین کی سمجھ میں نہیں آیا مفتی بیچارے کے سامنے جب کوئی مسئلہ رکھا جاتا ہے تو وہ قرآن و سنت اور فقہ کی روشنی میں اپنی علمی استطاعت کے مطابق فتویٰ دے دیتا ہے۔ لیکن روشن خیال پروفیسر حضرات زیادہ تر جدیدیت کی رو میں بہتے ہوئے قرآن و سنت کو موجودہ حالات میں فٹ ہونے والے اپنے من گھڑت معنی و مفہوم سے تعبیر کر کے داد حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ پروفیسر صاحب نے یہ تو لکھ دیا کہ میری ناقص رائے میں ان مفتیوں کو حدیث مبارکہ کا مفہوم

---

[1] صحیح بخاری: ص ۷۴۹

سمجھنے میں سہو ہُوا ہے، لیکن اُنہوں نے اپنی ناقص رائے قائم کرتے ہُوئے یہ نہیں بتایا کہ جو کچھ انہوں نے سمجھا ہے۔ تاریخی حقائق کے علاوہ اس کا مأخذ کیا ہے؟

اگر کہا جائے کہ ایک عورت پوران دخت کی تخت نشینی کے وقت آپ نے یہ فرمایا تھا اس لئے اسی کے ساتھ یہ خاص ہے۔ حالانکہ ملکہ بلقیس کا قصّہ مکّہ میں ہی نازل ہو گیا تھا اور پوران دخت کا واقعہ صُلح حدیبیہ کے بعد کا ہے۔ پھر پوران دخت کے ساتھ خاص کرنے کی وجہ کیا تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے خطِ مُبارک کو اس نے تو نہیں پھاڑا تھا۔ اور پروفیسر صاحب نے فلاح کا جو تصوّر غیر مسلموں کے حوالے سے پیش کیا ہے۔ وہ بھی اس کے عہد میں موجُود تھا۔

چنانچہ امام ابن جریر اور ابن اثیر نے نقل کیا ہے۔

فلمّا ملكت احسنت السيرة فى رعيتها وعدلت فيهم فاصلحت القناطير ووضعت مابقى من الخراج وردت خشبة الصليب على ملك الروم وكانت مملكتها سنة واربعة اشهر[1]

"جب وہ ملکہ بنی تو اس نے اپنی رعیت کے بارے میں اچھی سیرت کا مظاہرہ کیا۔ ان کے درمیان عدل کیا۔ پلوں کی مرمت کروائی اور کسانوں پر خراج کی جو بقیہ رقم واجب الادا تھی، اسے بھی معاف کر دیا۔ لکڑی کی صلیب شاہِ روم کو لوٹا دی اور اس کی حکومت ایک سال چار مہینے رہی۔"

مؤرخین نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ پوران کے بعد ایک آدمی خشنبندہ حکمران بن گیا۔ جسے فوج نے ایک مہینے کے اندر ہی قتل کر دیا۔ کیوں کہ اس کا کردار اچھا نہ تھا۔

---

[1] تاریخ طبری، جلد ۲ ص ۱۶۸۔ تاریخ الکامل، جلد ۱۔ ص ۲۹۶-۲۹۷۔

اس کے بعد پوران کی بہن آزرمیدخت تخت پر بیٹھ گئی اور اس نے رستم کے باپ کو دھوکے سے قتل کر دیا۔

لہٰذا فلاح والی حدیث کو پوران سے خاص کرنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی بلکہ حضرت محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی اُمّت کو متنبہ فرمایا تھا۔

اگر کہا جائے کہ "لن یفلح قوم" میں لفظِ قوم نکرہ ہے۔ اس لئے اس سے مراد صرف مسلمان نہیں ہو سکتے۔ کوئی بھی قوم ہو سکتی ہے تو اس کا جواب پروفیسر صاحب نے خود ہی دے دیا ہے یعنی عورتوں کی حکمرانی میں ان کی قوموں نے فلاح پائی کیونکہ غیر مسلموں میں مرد اور عورت کی حکومت میں کوئی فرق نہیں۔ ان کے ہاں عورت کے حکمران بن جانے پر کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہوتا۔ ویسے بھی ان کے ہاں دُنیوی کامیابیاں ہی سب کچھ ہوتی ہیں۔ اس لئے یہ حدیث مسلمانوں کے ساتھ ہی خاص ہے۔

اس کی مثال قرآن حکیم میں موجود ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ[1]

"اے ایمان والو! کوئی قوم کسی قوم کو مذاق نہ کرے۔ ممکن ہے کہ وہ ان سے اچھے ہوں اور نہ ہی عورتیں دوسری عورتوں سے ایسا کریں۔ ممکن ہے کہ وہ ان سے اچھی ہوں"

یہاں قوم سے واضح طور پر مسلمان مراد ہیں۔ لہٰذا آپ کا ارشاد پوران کے ساتھ نہیں بلکہ اُمّتِ محمدیّہ کے ساتھ خاص ہے۔ کیونکہ اسلام میں مردوں کو عورتوں پر فضیلت دی گئی ہے۔

---

[1] الحجرات : ۱۱

لہٰذا مسلمان مرد جب کسی عورت کو حکمران بنائیں گے تو قرآنی تعلیم کی خلاف ورزی ہوگی یہی وجہ ہے کہ مفسرین نے بخاری کی روایت لن یفلح قوم ولّوا امرھم امرأۃ کو الرّجال قوّامون علی النّساء کی تفسیر اور ملکہ یمن بلقیس کے واقعہ میں نقل کیا ہے۔

ائمہ تفسیر کا متّفقہ فیصلہ

پروفیسر محمد اسلم صاحب تو ایسے ہی بیچارے مُفتیوں کے پیچھے پڑ گئے۔ کیونکہ امام ابن جریر طبریؒ، امام قرطبیؒ، امام فخرالدین رازیؒ، امام ابن کثیرؒ، امام سیوطیؒ۔ امام مراغیؒ، امام خازنؒ۔ امام شوکانیؒ، امام زمخشریؒ، امام بیضاویؒ اور علامہ آلوسیؒ نے اپنی اپنی تفاسیر میں تو فیصلہ دے دیا ہے کہ امامتِ کبریٰ اور صغریٰ مردوں میں رہے گی۔ ان کے نزدیک تو عورت قاضی بھی نہیں بن سکتی۔ اگرچہ امام ابوحنیفہؒ عورت کو فیصلہ کرنے کا صرف ان باتوں میں اختیار دیتے ہیں کہ جن میں اس کی شہادت قابلِ قبول ہے۔ حدود اور قصاص میں اسے یہ حق حاصل نہیں۔

مُفتیوں کی تو یہ مجبوری ہوتی ہے کہ وہ ائمہ سلف سے راہنمائی لیتے ہیں، جب کہ روشن خیال اس کے پابند نہیں ہوتے۔ وہ جو تاویل پسند کریں اپنا لیتے ہیں۔

ایک اور سوال

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی ہے۔

لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ [۱] "ظالم فلاح نہیں پائیں گے"

---

[۱] القصص : ۳۷

لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُوْنَ [1] "کافر فلاح نہیں پائیں گے۔"

حالانکہ امرِ واقعہ یہ ہے کہ ظالم اور کافر دنیا میں دنیاوی فلاح پاتے رہے ہیں اور قیامت تک پاتے رہیں گے۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ نے ان کو ڈھیل دے رکھی ہے۔ تاریخی حقائق کی روشنی میں سوال یہ پیدا ہوتا ہے، کیا یہ خبر صادق ہے؟ تاریخی حقائق اور قرآن میں جب ٹکراؤ پیدا ہو جائے تو کس کو اپنایا جائے گا؟ کن ظالموں اور کافروں کے ساتھ ایسی آیتوں کو خاص کیا جائے گا؟

قرآنی راہنمائی

ظاہر ہے کہ کوئی بھی مسلمان قرآن کو جھٹلا نہیں سکتا۔ بلکہ مسلمانوں کا یہ ایمان ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی کتاب حق اور سچ نہیں۔ یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ آخرت میں ظالموں اور کافروں کا ٹھکانہ جہنم ہوگا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود ہی اس کی وضاحت فرما دی ہے۔ اللہ تعالےٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے ہیں:۔

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ۝ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ثُمَّ مَأْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ۝ [2]

"کافروں کا شہروں میں خوش حالی میں چلنا پھرنا آپ کو ہرگز دھوکے میں نہ ڈال دے یہ تھوڑا سا سامان ہے۔ پھر ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بری جگہ ہے لیکن جو اپنے رب سے

---

[1] المؤمنون ۱۱۷ - القصص - ۸۲ -

[2] آل عمران : ۱۹۶ - ۱۹۷ - ۱۹۸ -

ڈر گئے، ان کے لئے ایسی جنّتیں ہوں گی کہ جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ کے ہاں ان کی مہمان نوازی ہوگی۔ اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے۔ وہ نیکو کاروں کے لئے اچھا ہے"۔

اسی لئے قرآن وسُنّت کی یہ تعلیم ہے کہ مسلمان دنیا کی چکا چوند کے پیچھے لگ کر اپنی آخرت کو برباد نہ کریں بلکہ اُن کی کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ دنیا میں ایسے عمل کریں جن پر اللہ راضی ہو جائے اور وہ سب کچھ نصیب ہو جائے جس کا اُس نے اپنے نیک فرمانبردار بندوں سے وعدہ کر رکھا ہے۔

مُسلم خواتین کی سربراہی

پروفیسر محمد اسلم صاحب نے چند مُسلم خواتین کے حوالے دے کر ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اگر اس وقت کے علماء کو ان کی سربراہی پر کوئی اعتراض نہ تھا تو اب علماء مخالفت کیوں کر رہے ہیں۔؟

بات بڑی سیدھی سادھی یہ ہے کہ اگر کسی وقت کسی غیر شرعی کام کے خلاف علمائے کرام اپنا فرض ادا کرنے میں کوتاہی کے مُرتکب ہوئے ہیں تو یہ دلیل نہیں بن سکتی۔ کیونکہ اصل معیار قرآن وسُنّت ہے۔ ویسے بھی جب حکمران کوئی کام کرنے پر تُل جاتے ہیں تو علماء کو اہمیت نہیں دی جاتی، بلکہ زبردستی اپنی مرضی کے مطابق فتویٰ بھی حاصل کر لیا جاتا ہے۔ اگر کوئی اپنی مرضی سے حمایت میں کچھ کہہ دیتا یا لکھ دیتا ہے، تو اس کا مسئول وہ خود ہوگا۔

بھوپال کی بیگمات کا ذکر کرتے ہوئے نواب صدیق الحسنؒ کا نام لے کر یہ تأثر دیا گیا ہے، کہ وہ اس کام پر راضی تھے۔ چنانچہ حافظ عبدالرحمٰن سلفی کو مخاطب کر کے ان سے نواب صاحب کے کسی ایسے فتوے کا مطالبہ کر دیا گیا ہے کہ جس میں اُنھوں نے عورت کے سربراہ نہ بننے کا ذکر کیا ہو۔

نواب صدیق الحسن کا تفسیری فتویٰ

اِس بحث میں پڑے بغیر کہ بھوپال کی بیگمات کی تقرری انگریز حکومت کے دَور میں علمائے کرام کے مشورہ سے ہوتی تھی یا نواب صدیق الحسنؒ کا اس میں کوئی ہاتھ ہوتا تھا۔ پروفیسر محمد اسلم کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے نواب صاحبؒ کی اُردو تفسیر کا وہ حصہ پیش کیا جاتا ہے جو انہوں نے اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ کے سلسلے میں لکھا ہے۔

انہوں نے لکھا ہے:۔ اللہ تعالےٰ نے اس آیت میں ارشاد کیا ہے، کہ مرد عورتوں پر قیم ہیں یعنی اس کا رئیس کبیر حاکم مُؤدّب ہے جب عورت کجروی کرے۔ یہ اس کو اَدب دے۔ اس لئے کہ مرد افضل ہیں عورتوں پر۔ اِسی لئے نبوّت مخصوص ہے ساتھ رجال کے۔ بادشاہی اعظم خاص ہے ساتھ مَردوں کے لقولہ صلّی اللہ علیہ وسلم لَنْ يُّفْلِحَ قَوْمٌ وَلَّوْا اَمْرَهُمْ اِمْرَأَةً۔ رواہ البخاری من حدیث ابی بکرۃ رضی اللہ عنہ۔ اسی طرح منصب قضاء وغیرہ مخصوص ہے ساتھ مَردوں کے علاوہ اس کے مَرد اپنا مال عورت پر صرف کرتے ہیں جیسے مہر و نفقات وغیرہ۔ [1]

لیجئے نواب صاحبؒ نے وہی فرمایا کہ جس کی بنا پر مُفتیوں پر اعتراض کیا گیا۔ نواب صاحبؒ نے اپنی تفسیر میں ایسی بات کہہ دی کہ جس کے بعد کسی خصوصی فتوے کی ضرورت نہیں رہتی۔ انہوں نے وہی کہا جو سلف صالحین سے منقول تھا۔

محترمہ فاطمہ جناح اور رضیہ سلطانہ کے بارے میں پہلے ہی بحث ہو چکی ہے۔

---

[1] تفسیر ترجمان القرآن: سُورۃ النّسآء: ص ۱۴۱ - ۱۴۲ - ۶

صحیح بات

پروفیسر صاحب کا کہنا بالکل درست ہے کہ پاکستان کے آئین کی رُو سے عورت کے اسمبلی کی رکن ہونے پر کوئی پابندی نہیں بلکہ اس کے لئے مزید بیس[۲۰] نشستیں مختص ہیں، جب وفاقی حکومت میں عورتیں وزیر بن سکتی ہیں تو وزیراعظم یا صدرِ مملکت بننے سے کونسا اَمر مانع ہے؟

اگر پروفیسر صاحب کسی شرعی بحث میں اُلجھے بغیر صرف پاکستان کے آئین کے حوالے سے بات کرتے تو کسی کو اعتراض کرنے کا موقع نہ ملتا۔ کیونکہ پاکستان کے آئین کی رُو سے جب کوئی سیاسی پارٹی الیکشن جیت لیتی ہے تو اُس کا حق بن جاتا ہے کہ حکومت اُس کو سونپی جائے۔ چاہے اُس پارٹی کا سربراہ کوئی مرد ہو یا عورت۔ اگر کوئی عورت لوگوں کے ووٹوں پر کامیاب ہو کر وزیراعظم کے عہدے تک پہنچتی ہے تو آئین کی رُو سے کوئی اُسے روکنے والا نہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ قراردادِ مقاصد کو اب آئین کا حصّہ بنا دیا گیا ہے۔ اور وزیراعظم کو حلف لیتے ہوئے یہ بھی کہنا پڑتا ہے، کہ میں صمیمِ قلب حلفیہ بیان کرتا ہوں کہ میں ایک مسلمان ہوں اور قادرِ مطلق کی توحید، اللہ تعالیٰ کے صحیفوں، قرآن جو ان صحیفوں میں آخری ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت اور ان کے نبی آخر الزمان ہونے اور ان کے بعد کسی اور نبی کے نہ ہونے، روزِ حساب اور قرآن کریم اور سُنّت کی تمام تعلیمات و مقتضیات پر مکمل ایمان رکھتا ہوں۔

اس کے ساتھ آئین میں یہ بھی موجود ہے کہ موجودہ قوانین کو قرآن و سنت کے طے شدہ اسلامی اصُولوں کے مطابق ڈھالا جائے گا اور ان اصُولوں سے متصادم ہونے والا کوئی قانون منظور نہیں کیا جائے گا۔

اِس کے باوجود اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ اور لِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ

دَرَجَۃٌ" کو ٹھکرا دیا جائے، تو کوئی حیرت کی بات نہیں۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

کما تکونوا یولی علیکم [1]

"جس طرح تم ہو جاؤ گے ویسے ہی تم پر حاکم مسلط کر دیئے جائیں گے۔"

اگر لوگ چاہتے ہیں کہ ان پر عورت حکمران ہو تو ان کو کون روک سکتا ہے؟ لیکن الجھاؤ اس وقت ہوتا ہے جب "عورت کے حکمران بننے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں" کو شرعی طور پر ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ لہٰذا صحیح بات یہی ہے کہ عورت کی سربراہی والے مسئلے کو آئین اور سیاسی میدان تک محدود رکھا جائے۔ شرع محمدیؐ سے جواز تلاش کرنے کو ترک کر دیا جائے۔

پروفیسر رفیع اللہ شہاب کی تحقیق

عورت کی سربراہی کے عین شریعت کے مطابق ہونے پر اپنی روشن خیالی کا مظاہرہ کرنے والوں میں سے جناب پروفیسر رفیع اللہ شہاب بڑے سرگرم نظر آتے ہیں۔ پیشتر اس کے کہ ان کے دلائل کا جائزہ لیا جائے۔ مناسب ہوگا کہ ان کے مضامین کو نقل کر دیا جائے۔

اسلامی تعلیمات کو بازیچۂ اطفال نہ بنایا جائے

پاکستان کا قیام اسلام کے نام پر عمل میں آیا تھا۔ اس لئے یہاں قائم ہونے والی حکومتیں اسلامی نظام کے قیام کے سلسلے میں کوئی نہ کوئی قدم اٹھاتی رہی ہیں۔ تاہم ان میں سے کوئی حکومت بھی اسلامی حکومت کے معیار پر پوری نہیں اترتی تھی۔ لیکن ہمارے علماء نے ان کے خلاف اسلام کے حوالے سے کوئی آواز نہ اٹھائی۔ یہاں تک کہ ان میں سے بعض نے سود جیسے حرام کو بھی جائز قرار دے دیا۔ تو یہ

---

[1] الجامع الصغیر: جلد ۲ ص ۹۵۔ مرقاۃ: جلد ۷ ص ۲۲۸۔ کنز العمال: جلد ۶ ص ۸۹۔

حضرات خاموش رہے لیکن محترمہ بے نظیر بھٹو صاحبہ کے وزیر اعظم منتخب ہونے پر انہوں نے ایک کمزور حدیث کا سہارا لے کر ان کی حکومت کو خلافِ اسلام ثابت کرنا شروع کر دیا۔ اس حدیث کا متن یہ ہے :-

عثمان بن الہیثم نے عوف سے انہوں نے الحسن سے اور انہوں نے ابوبکرہؓ سے روایت بیان کی ہے کہ جنگِ جمل کے دنوں میں اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک مُحکم کے ذریعے نفع پہنچایا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ بات پہنچی کہ ایران والوں نے کسریٰ کی بیٹی کو اپنا بادشاہ بنا لیا ہے تو آپؐ نے فرمایا کہ وہ قوم کبھی فلاح نہیں پائے گی جو اپنے کاموں کو عورت کے سپرد کر دیں گے [1]

اِس حدیث کا متن قرآن مجید کے اس واقعے کے خلاف ہے جس میں یمن کی ملکہ سبا کا ذکر ہے اور اس میں بتایا گیا ہے کہ وہ عورت اعلیٰ درجے کی حکمران تھی۔ اور اس کی حکمرانی کے نتیجے میں ان کا ملک بڑا خوشحال تھا [2]

مفسّرین نے اس کی حکومت کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس عورت نے ایک قومی اسمبلی قائم کر رکھی تھی جس کے اراکین کی تعداد ۳۱۲ تھی۔ وہ ان کے مشورے سے کاروبارِ حکومت چلاتی تھی۔ لیکن قرآن کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان تمام اراکینِ اسمبلی سے زیادہ لائق اور ذہین تھی۔

اِس حدیث کا متن نہ صرف قرآن مجید کی آیات کے خلاف ہے بلکہ ائمہ حدیث کے نزدیک اس حدیث کے چاروں راوی غیر ثقہ تھے۔ اس کے پہلے راوی جناب عثمان بن الہیثم کے بارے

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الفتن

[2] سورۃ النمل : آیات ۲۲۔۳۳

میں اگرچہ یہ تصریح کی ہے کہ وہ ایک سچا راوی تھا لیکن اس پر یہ الزام بھی لگایا ہے کہ وہ احادیث بیان کرنے میں بہت زیادہ غلطیاں کرتا تھا [۱]

عام طور پر وضعی روایات کو قابلِ قبول بنانے کے لئے اس قسم کے راویوں کا سہارا لیا جاتا تھا۔

دوسرے راوی جناب عوف تھے۔ جن پر الزام تھا کہ وہ قدری اور شیعہ عقائد رکھتا تھا محدثین نے جن راویوں پر یہ الزام لگائے تھے۔ انہیں غیر ثقہ تصوّر کیا جاتا تھا [۲]

تیسرے راوی الحسن ہیں۔ اس نام کے کوئی ۱۵۹ راوی تھے۔ جن کی اکثریت غیر ثقہ تھی [۳]

اس روایت میں جان بوجھ کر ان کے والد کا نام نہیں دیا گیا۔ جو ان کے غیر ثقہ ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ بعض محدثین نے تصریح کی ہے کہ وہ بصری تھے یعنی بصرہ کے رہنے والے تھے جن کے بارے میں محدثین نے لکھا ہے کہ وہ مجہول راوی تھے [۴]

چوتھے راوی حضرت ابو بکرۃؓ تھے۔ ان کا اصل نام نفیع بن الحارث تھا۔ آپ اگرچہ صحابی تھے۔ لیکن آپ ان تین صحابیوں میں سے تھے۔ جنہیں حضرت عمرؓ نے مختلف جرائم کے ارتکاب پر کوڑوں کی سزا دی تھی۔ دوسرے دو صحابیوں کا نام حضرت نافع بن الحارث اور شبل بن معبد تھا۔ انہیں

---

[۱] میزان الاعتدال از علامہ ذہبیؒ۔ جلد ۳ ص ۵۹

[۲] میزان الاعتدال ؛ جلد ۳ ص ۳۰۵

[۳] میزان الاعتدال ؛ جلد ا ص ۴۸۰ تا ۵۲۴

[۴] میزان الاعتدال : جلد ا ص ۵۰۶

کوڑوں کی سزا دینے کے بعد حضرت عمرؓ نے تائب ہونے کا مطالبہ کیا۔ دوسرے دو صحابہؓ نے تو فوراً تعمیل کر دی لیکن حضرت ابوبکرہؓ نے توبہ کرنے سے انکار کر دیا۔ اسی بنا پر حضرت عمرؓ ان کی گواہی قبول نہیں کرتے تھے [1]

دراصل یہ حدیث حضرت عائشہؓ کو اس بناء پر مطعون کرنے کے لئے وضع کی گئی تھی کہ کچھ لوگ ان کے جنگ جمل میں شریک ہونے پر ناراض تھے۔ اس حدیث میں اس جنگ کا ذکر اسی لئے کیا گیا ہے۔ ویسے خود حضرت عائشہؓ کا عمل ثابت کرتا ہے کہ ایک مسلمان عورت اسلامی فوج کی سپہ سالار بھی بن سکتی ہے اور ضرورت پڑے تو وہ حکمران بھی ہو سکتی ہے۔

آج کل ہمارے علماء اس ضعیف حدیث کو تو خوب اچھال رہے ہیں۔ لیکن سابقہ دورِ حکومت میں جسے وہ اسلامی قرار دیتے تھے۔ انہوں نے اسلام میں سب سے بڑے حرام یعنی سود کے جواز کا فتویٰ دے دیا تھا۔ قرآن مجید میں سود کو اللہ اور رسول کے ساتھ جنگ کرنے کے مترادف قرار دیا گیا ہے [2]

اس جرم کے ارتکاب کرنے والوں کی قرآن مجید نے سخت سزا مقرر کی ہے۔ یعنی انہوں نے سولی پر لٹکایا جائے [3]

لیکن اتنے واضح قرآنی احکامات کو پس پشت ڈالتے ہوئے انہوں نے سود کی ہر صورت کو جائز قرار دے دیا۔ اس مقصد کے لئے ان کے ایک عالم دین نے ایک مستقل کتاب بلا سود

---

[1] تہذیب التہذیب، تالیف علامہ ابن حجر عسقلانی، جلد ۱۰ ص ۴۶۹

[2] سورۃ البقرہ: آیت ۲۷۹

[3] سورۃ المائدۃ: آیت ۳۳

بنکاری تالیف کی۔ اس وقت تک اس کتاب کے تین چار ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ راقم نے امروز کی معرفت علمائے کرام کی اسلامی احکامات کے خلاف اس جسارت کی طرف توجہ دلائی۔ لیکن ان میں سے کسی نے اس بارے میں ایک لفظ تک کہنا گوارا نہ کیا۔ اسلامی قانون کی اصطلاح میں اسے اجماع سکوتی کہتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں شریعتِ اسلامی میں جو معاملہ سب سے بڑا حرام بلکہ سنگین جرم ہے، اس کے جائز ہونے پر ہمارے علماء نے کامل اتفاق کر لیا تھا اور ابھی تک اس کے خلاف ایک لفظ تک نہیں کہا۔

اس کے مقابلے میں وہ ایک ضعیف حدیث کا سہارا لے کر عوام منتخب حکومت کے خلاف کیچڑ اچھال رہے ہیں۔ کسی حدیث کا اگر ایک راوی بھی غیر ثقہ ہو تو محدثین کے نزدیک وہ حدیث ضعیف قرار پاتی ہے۔ جب کہ اس حدیث کے چاروں راوی جیسا کہ اوپر تفصیلات بیان کی جا چکی ہیں، غیر ثقہ ہیں۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس کا متن بھی قرآن مجید کی واضح تعلیمات کے خلاف ہے۔ لیکن اس کے باوجود ایک مذہبی جماعت کی جانب سے پاکستان کے در و دیوار پہ اس ضعیف حدیث کو لکھ کر عوام کو گمراہ کیا جا رہا ہے۔ عوام ان کے اس طرزِ عمل سے کیا اثر قبول کریں گے اس کا نتیجہ تو بعد میں ظاہر ہوگا۔ لیکن ان کے اس طرزِ عمل سے حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی وہ پیش گوئی ثابت ہو گئی، جو انہوں نے ریاکار علماء کے بارے میں فرمائی تھی کہ یہ لوگ مچھروں کو چھانتے ہیں اور اونٹوں کو ثابت نگل جاتے ہیں۔ انہی اس قسم کی غیر اسلامی حرکات سے اپنی عزت تو وہ کھو چکے ہیں، اس لئے عوام کی اکثریت نے انہیں ووٹ کے قابل نہیں سمجھا۔ لیکن اسلام کے نام پر جو وہ اس قسم کی حرکات کرتے ہیں۔ تو انہیں اس امر کا اندازہ نہیں کہ وہ اس سچے دین کو کتنا نقصان پہنچا رہے ہیں۔ کاش وہ اسلام کو اپنے سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کرنے سے باز آ جائیں۔ اللہ تعالےٰ سے دُعاء ہے کہ وہ انہیں حق بات تسلیم کرنے کی ہمت عطا فرمائے۔ آمین[1]

---

[1] روزنامہ امروز- ۹ دسمبر ۱۹۸۸ء

اسلام میں عورت کی سربراہی کے موضوع پر ایک انقلاب آفرین کتاب

محترمہ بے نظیر صاحبہ کے وزیر اعظم پاکستان کا عہدہ جلیلہ سنبھالنے سے پہلے ہی ہمارے نیم سیاسی قسم کے علماء نے یہ بحث چھیڑ دی تھی کہ عورت اسلامی ملک کی سربراہ نہیں بن سکتی۔ لیکن ان کی فقہی موشگافیوں کو کسی نے درخورِ اعتناء نہ سمجھا اور محترمہ بے نظیر کو پاکستان کا وزیر اعظم نامزد کر دیا گیا۔ ان کی جانب سے اس عہدے کا حلف اٹھا لینے کے بعد ان حضرات نے اپنے اس اعتراض میں مزید شدت پیدا کر لی ہے۔ در و دیوار پر اس ضعیف حدیث کو لکھا جا رہا ہے۔ جس میں حضرت عائشہؓ کو مطعون کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب یہ منسوب کیا جا رہا ہے کہ جب ایک عورت ایران کی حکمران بنی تو آپؐ نے فرمایا کہ جو قوم عورت کو اپنا حکمران بنائے گی، وہ کبھی فلاح نہیں پا سکتی۔

راقم روزنامہ امروز کی ۹ دسمبر کی اشاعت میں ائمہ حدیث کی تحقیق سے یہ ثابت کر چکا ہے کہ اس حدیث کے چاروں راوی ضعیف تھے۔ اور یہ روایت حضرت عائشہؓ کو مطعون کرنے کے لئے وضع کی گئی تھی۔ دوسرے اہلِ علم نے بھی اپنے اپنے طریقے سے اس حدیث کو قرآن مجید کی تعلیمات کے خلاف ثابت کیا ہے۔ اور اب اس موضوع پر ایک نہایت ہی علمی کتاب سامنے آئی ہے۔ کتاب کا عنوان ہے "عورت اور مسئلہ امارت" اور اس کے مصنف ملتان کے علامہ رحمت اللہ طارق صاحب ہیں۔ انہوں نے نہ صرف اس حدیث کا ہر پہلو سے جائزہ لیا ہے بلکہ اسے قرآن مجید اور اسلامی تاریخ کے بھی خلاف ثابت کیا ہے اور اسلامی تاریخ کے مختلف اَدوار میں جن مسلمان عورتوں نے مختلف اسلامی ممالک میں حکومت کی، ان کی تفصیلات بھی بیان کی ہیں۔ اس کتاب کے صفحۂ اوّل پر دعویٰ کیا گیا ہے کہ امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھی کے اصول و نظریات کی روشنی میں فقہاء اور محدثین کے دلائل کا تفصیلی جائزہ لے کر ثابت کیا گیا ہے کہ اسلامی فکر کی تاریخ میں عورت

کی امامت اور سربراہی کبھی قابلِ اعتراض نہیں رہی۔

کتاب کے پہلے باب میں مُسلم معاشرے میں عورت کے مقام اور قیادتِ نسواں کی شرعی حیثیت بیان کی گئی ہے۔ پھر علماء حضرات نے عورت کی سربراہی کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے۔ اُسے نقل کرنے کے بعد خود انہی عُلماء کے تسلیم کردہ اصُولوں کے مطابق ان کی تحریروں اور دعووں کو ردّ کیا ہے۔ چونکہ ان سب حضرات کا سب سے بڑا سہارا وہی ایران میں عورت کی حکومت والی حدیث ہی واحد دلیل ہے اِس لئے مصنّف نے اس پر سیر حاصل تبصرہ کیا ہے۔ علماء حضرات جان بوجھ کر اس حدیث کو پُورا نقل نہیں کرتے۔ کیوں کہ اس کا پُورا متن نقل کر دیا جائے تو ہر صاحبِ عقل قاری پر واضح ہو جاتا ہے۔ کہ یہ روایت حضرت عائشہ کو مطعون کرنے کے لئے وضع کی گئی تھی۔ حدیث کا متن نقل کرنے کے بعد انہوں نے اس حدیث کے راویوں کا جائزہ لیا ہے۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس مقصد کے لئے انہوں نے اسماء الرجال کی کتابوں کی بجائے زیادہ بخاری شریف کی مختلف شروح پر انحصار کیا ہے۔ ان شروح میں علاّمہ ابن حجر عسقلانیؒ کی شرح فتح الباری کو زیادہ مُعتبر سمجھا جاتا ہے اور مصنّف نے بھی زیادہ تر اسی کتاب کے حوالے دیئے ہیں۔ لیکن امام بخاریؒ کی طرح چونکہ علامہ ابن حجر عسقلانی بھی شافعیؒ مذہب سے تعلق رکھتے تھے۔ اِس لئے امام بخاریؒ کے ہم مسلک ہونے کی وجہ سے بخاری کی شرح میں وہ ان کی رعایت کر جاتے ہیں۔ حالانکہ انہی علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے اپنی دوسری کتابوں میں راویانِ حدیث کے بارے میں جو تحقیق پیش کی ہے، اُس کی روشنی میں بخاری شریف کی بہت سی احادیث ضعیف قرار پاتی ہیں۔ جن میں سے ایک یہ حدیث بھی ہے۔ جس کے راوی کے بارے میں وہ اپنی ایک دوسری کتاب میں یہ تحقیق پیش کرتے ہیں۔

اِس حدیث کے چوتھی راوی ابو بکرہؓ ہیں۔ جن کا اصل نام نفیع بن الحارث تھا۔ آپ صحابی تھے لیکن آپ ان تین صحابیوں میں سے ایک تھے۔ جنہیں حضرت عمرؓ نے جرائم کے ارتکاب کی وجہ

سے کوڑوں کی سزا دی۔ دوسرے دو صحابیوں کے نام حضرت نافع بن الحارث اور حضرت شبل بن معبد تھا۔ انہیں کوڑوں کی سزا دینے کے بعد حضرت عمرؓ نے ان سے تائب ہونے کا مطالبہ کیا۔ دوسرے دو صحابہؓ نے تو فوراً تعمیل کی، لیکن حضرت ابوبکرہؓ نے توبہ کرنے سے انکار کر دیا۔ اسی بناء پر حضرت عمرؓ ان کی گواہی قبول نہیں کرتے تھے [1]

اس کے برعکس مصنف نے ثابت کیا ہے کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے محدث اسے اس لئے تسلیم نہ کرتے تھے۔ کیونکہ اس کے دوسرے تمام راویوں کا تعلق بصرہ سے تھا۔ اور بصرہ کے تمام راوی ائمہ حدیث کے نزدیک غیر ثقہ تھے (صفحہ ۲۸)

مختلف ادوار میں جو مسلمان عورتیں حکمران ہوئیں۔ ان کی تفصیلات کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ فقہاء نے اس بارے میں واضح فتاویٰ اس لئے جاری نہیں کئے کہ مختلف اسلامی ممالک میں ملوکیت کا غلبہ تھا۔ ملوکیت بنفسہٖ خلافِ اسلام تھی، لیکن حکومت کے ڈر کی وجہ سے علماء حضرات ملوکیت کے خلاف زبان نہیں کھولتے تھے۔

سلطان کے بعد دوسرا بڑا غیر ملکی عہدہ قاضی کا ہوتا تھا (صفحہ ۲۷ بحوالہ بدائع الصنائع)

اور حنفی فقہ کے بڑے بڑے فقہاء نے عورت کو اس عہدے کے لائق قرار دیا۔ ان کے نزدیک عورت قاضی بن سکتی ہے اور جب وہ مملکت کا دوسرا بڑا عہدہ حاصل کر سکتی ہے۔ تو وہ سربراہ کیوں نہیں بن سکتی؟ اس بارے میں حنفی فقہ کی سب سے معتبر کتاب بدائع الصنائع میں جو تفصیلات بیان ہوئی ہیں مصنف نے ان کا خلاصہ اپنی کتاب کے صفحہ ۲۷ پہ بیان کر دیا ہے۔

کتاب "عورت اور مسئلہ امارت" اس موضوع پر مفصل کتاب ہے۔ اس کے مطالعہ سے

---

[1] تہذیب التہذیب تالیف علامہ ابن حجر عسقلانی: جلد ۱۰ ص ۴۶۹۔

تمام غلط فہمیاں دُور ہو جائیں گی جو ہمارے بعض علماء کی جانب سے اپنی سیاسی مقاصد کے حصول کے لئے پھیلائی جا رہی ہیں ۔

علامہ طارق بڑے روشن خیال عالمِ دین دکھائی دیتے ہیں ۔حکومت کو ان کی خدمات سے فائدہ اٹھانا چاہیئے ۔ ان کی یہ ۸۰ صفحات پر مشتمل کتاب ادارہ ادبیاتِ اسلامیہ۔ پاک گیٹ، صرافہ بازار۔ ملتان سے مل سکتی ہے [1]

پاکستان ٹائمز میں چھپنے والے دو مضمون

پروفیسر رفیع اللہ شہاب کے انگریزی میں بھی دو مضمون شائع ہوئے ۔ ایک کا عنوان "اسلامی ریاست میں عورت بحیثیتِ جج" اور دوسرے کا "عورتوں کی حکومت کے خلاف جہاد" تھا [2]

پہلے مضمون میں امام ابوالحسن ماوردی کی کتاب " الاحکام السلطانیہ " کے حوالے سے مسلمان حکمران اور مسلمان جج کے لئے حسبِ ذیل شرائط نقل کی ہیں ۔

۱:۔ **غیر جانبداری** : اس کے ذریعے وہ اپنی رعایا کے درمیان اچھی طرح عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کر سکتا ہے ۔

۲:۔ **علم** : اس کے نئے پیش آمدہ مسائل کو حل کرنے کے لئے قرآن و سنت کی روشنی میں اجتہاد کر سکے گا ۔

۳:۔ **فہم و فراست** :۔ اس کے ذریعے اس کو ریاست کے حالات و واقعات

---

[1] روزنامہ امروز ۱۴ دسمبر ۱۹۸۸ء

[2] پاکستان ٹائمز ۹ فروری ۱۹۸۹ء ۔ ۱۶ مارچ ۱۹۸۹ء

کے بارے میں جلدی مطلع ہونے میں مدد ملے گی۔

۴:۔ **جسمانی نقص سے پاک ہونا** ، اس خوبی کا ہونا تیز نقل و حرکت کے لئے ضروری ہے

۵:۔ **ملکی معاملات میں ماہر ہونا** : حکمران کے لئے ضروری ہے کہ ریاست کے سیاسی معاملات میں اسے ماہر ہونا چاہیئے۔ اُمّت کی فلاح و بہبود کے لئے جس گہری نظر کی ضرورت ہوتی ہے وہ بھی اس میں موجود ہونی چاہیئے۔

۶ : **شجاعت و دلیری** :۔ اسے بہادر اور دلیر ہونا چاہیئے۔ تاکہ دشمن کا مقابلہ ڈٹ کر کر سکے۔

۷ : **نسب** :۔ اس کا تعلق عزت والے خاندان سے ہو۔

شرائط کو نقل کرنے کے بعد جناب رفیع اللہ شہاب صاحب نے لکھا ہے کہ مذکورہ بالا شرائط میں مرد ہونے کا ذکر نہیں۔ اس لئے اس بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف رہا ہے۔

پھر اُنہوں نے امام ابن جریر طبریؒ اور امام مالکؒ کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

کہ مسلمان عورتیں مردوں کی طرح اسلامی ریاست کی حکمران اور جج بن سکتی ہیں [1]

اُنہوں نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ ایسے بھی فقہاء ہیں۔ جو دونوں اماموں کے ساتھ اتفاق نہیں کرتے۔ کیوں کہ ان کے سامنے بخاری والی حدیث ہے۔ جس کا ذکر انہوں نے اپنے اُردو مضامین میں کر کے اس کی صحت پر اعتراض کیا ہے۔

اُنہوں نے امام ابوالحسن ماوردی کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ جہاں تک جج کا تعلق ہے۔ امام طبریؒ

---

[1] بدایۃ المجتہد۔ جلد ۲ ص ۴۹۴۔

اور امام مالک کے علاوہ اکثریت اس پر مُصر ہے کہ یہ اہم منصب صرف مردوں کو سونپا جانا چاہیئے۔ کیونکہ اس کا درجہ مسلمان حکمران سے بھی اُونچا ہے۔ اس لئے کہ اس کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ حکمران کی بدعنوانیوں کا احتساب کرے۔

ان کا کہنا ہے کہ امام ابُوحنیفہؒ کا خیال تھا کہ عورت کو اسلامی ریاست میں جج بنایا جا سکتا ہے۔ لیکن بعد ان کے مکتبۂ فکر کے بعض فقہاء نے عورت کی ججی کو ان معاملات تک محدود کر دیا کہ جن میں اس کی گواہی قبول کی جاتی ہے۔ دوسرے فقہاء سے بھی یہی منقول ہے [۱]

جناب پروفیسر صاحب نے دعویٰ کیا کہ بعد میں حنفی فقہاء نے یہ شرط ہٹا دی اور انہوں نے کہا کہ عورت تمام معاملات میں جج ہو سکتی ہے۔

اپنے دُوسرے مضمون میں زیادہ تر انہوں نے ہفتہ وار "تکبیر" کے ایڈیٹر جناب محمد صلاحُ الدین کے پمفلٹ "عورت کی سربراہی" کو اپنی تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ علامہ ماوردیؒ کی "الاحکام السّلطانیہ" کا مطالعہ کئے بغیر کوئی شخص مسئلہ امارت کو سمجھ نہیں سکتا۔

پاکستان ٹائمز میں چھپنے والے اپنے دونوں مضامین میں انہوں نے اس بات پر بڑا زور دیا ہے کہ مسئلہ امارت کے اصولوں کی معرفت کے حصُول کے لئے صرف امام ماوردی کی ہی مستند اور لاجواب کتاب "الاحکام السلطانیہ" ہے۔

اور دوسرے مضمون میں بھی انہوں نے حضرت ابوبکرہؓ والی حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ کیونکہ ان پر حدِ قذف لگی تھی اور حضرت عمرؓ نے ان کی گواہی کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ چنانچہ جس شخص کی گواہی حضرت عمرؓ کے نزدیک قابلِ قبول نہ تھی تو اس کی روایت کردہ حدیث

---

[۱] بدائع الصنائع : جلد ۷، ص ۳۔

کس طرح ہمارے لئے حجت ہو سکتی ہے۔ محترمہ فاطمہ جناح کے ساتھ جماعت اسلامی نے جس طرح ۱۹۶۵ء کے الیکشن میں تعاون کیا۔ رفیع اللہ شہاب صاحب نے اس کا بھی ذکر کیا ہے۔

جناب پروفیسر صاحب کے آج تک "عورت کی سربراہی" کے حق میں جو دلائل نظر سے گزرے ہیں۔ ان کا خلاصہ یہ سامنے آتا ہے۔

۱۔ عورت کی سربراہی میں صحیح بخاری کی جو روایت حضرت ابوبکرہؓ سے مروی ہے وہ نہ صرف ضعیف بلکہ گھڑی ہوئی روایت ہے جو حضرت عائشہؓ کو مطعون کرنے کے لئے وضع کی گئی۔ اس لئے ایسی روایت قابلِ حجت نہیں۔

۲۔ چونکہ قرآن میں ملکہ بلقیس کی حکمرانی کا ذکر ہے۔ اس لئے کسی مسلمان عورت کے حکمران ہونے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں۔

۳۔ عورت جب قاضی بن سکتی ہے تو وزیر اعظم کیوں نہیں بن سکتی؟

۴۔ اسلام میں عورت کے حکمران بنائے جانے کی ممانعت کا کوئی حکم واضح نہیں۔

۵۔ اسلام کے مختلف ادوار میں مسلمان عورتیں حکمران رہی ہیں۔ لہٰذا اب بھی عورت حکمران ہو سکتی ہے۔

۶۔ محترمہ فاطمہ جناح کو ایوب خان کے خلاف علماء کی تائید حاصل رہی ہے۔ اب اصول کیوں بدل گیا؟

۷۔ "عورت کی سربراہی" کے مسئلے کو حل کرنے کے لئے انہوں نے علامہ ماوردی کی کتاب "الاحکام السلطانیہ" کو بہترین قرار دیتے ہوئے دعویٰ کیا ہے کہ علامہ عورت کی سربراہی کے خلاف نہ تھے۔

۸۔ "عورت کی سربراہی" کے موضوع پر جناب پروفیسر صاحب نے علامہ رحمت اللہ طارق

کی کتاب کو انقلاب آفرین قرار دیا ہے۔

انقلاب آفرین کتاب "عورت اور مسئلہ امارت"

۷۹ صفحات پر مشتمل یہ کتاب پہلی مرتبہ اپریل ۱۹۶۵ء اور دوسری مرتبہ اضافاتِ جدیدہ کے ساتھ جولائی ۱۹۸۶ء میں شائع ہوئی۔ چونکہ جناب رفیع اللہ شہاب کی تحقیق کا زیادہ تر ماخذ یہی کتاب ہے۔ لہٰذا بہتر ہوگا کہ اس کتاب کا رنگ ڈھنگ دیکھ لیا جائے تاکہ مصنف کی روشن خیالی عیاں ہو جائے۔

اس کتاب میں اپنے موقف کو بیان کرتے ہوئے جس طرح اسلامی تاریخ کو مسخ کیا گیا ہے۔ جس انداز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی حضرت ابو بکرہؓ کی عزت پر ہاتھ ڈالا گیا ہے اور محدثین کے لئے جو جملے استعمال کئے گئے ہیں۔ انہیں دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ارشادِ مبارک جو علامہ ماوردیؒ نے "الاحکام السلطانیہ" میں نقل کیا ہے، سامنے آجاتا ہے۔

حبك الشيء يعمي ويصم [1]

"کسی چیز کی محبت تمہیں اندھا اور بہرہ کر دیتی ہے۔"

امام احمد بن حنبلؒ اور امام ابوداؤدؒ نے اس حدیث کو حضرت ابو الدرداءؓ کے حوالے سے روایت کیا ہے۔

حضرت علی ہجویریؒ نے بھی اس سلسلے میں بڑی خوبصورت بات لکھی ہے۔

---

[1] الاحکام السلطانیہ: ص ۲۶۔ ابوداؤد کتاب الادب باب الھوی ص ۶۹۹۔ مسند احمد، جلد ۵۔ ص ۱۹۴۔

فکل من فی فؤادہ وجع　　یطلب شیئا یوافق الوجعا[1]

"ہر وہ شخص جس کے دل میں بیماری ہوتی ہے وہ وہی طلب کرتا ہے جو اُس کی بیماری کے موافق ہو۔"

چنانچہ جناب رحمت اللہ طارق نے "عورت کی سربراہی" کو ثابت کرنے کے لئے ایسی ...یت کا مظاہرہ کیا ہے کہ جس کے سامنے قرآن و سُنّت اور اجماعِ اُمّت ہیچ ہوگیا۔

اِس سے بڑھ کر کذب و دجل کیا ہوسکتا ہے کہ "اسلامی فکر کی تاریخ میں عورت کی امارت ...ر سربراہی کبھی قابلِ اعتراض نہیں رہی"؟ یہ جملہ ان کی کتاب کے ٹائیٹل کا حصّہ ہے۔

...ورت کا ناقص العقل اور ناقص الدّین ہونا

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :۔

اسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ	(جب کوئی مالی لین دین ہو) تو اپنے مَردوں میں سے
رِّجَالِكُمْ فَإِن لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ	دو کو گواہ بنالو۔ اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور
فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّن	دو عورتوں کو ان میں سے گواہ بناؤ جن کی
تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَن	گواہی پر تم راضی ہو۔ دو عورتوں کی گواہی اس
تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ	لئے کہ اگر ایک بھول جائے تو دوسری اس
إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَىٰ[2]	کو یاد کرادے۔

---

[1] کشف المحجوب (شیخ غلام علی اینڈ سنز) ص ۱۸۔

[2] سورۃ البقرۃ : آیت ۲۸۲۔

اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے حافظ ابنِ کثیرؒ نے لکھا ہے کہ عورت کی عقل میں نقصان کے باعث ایک مرد کی جگہ دو عورتوں کو رکھا گیا ہے۔ جس طرح صحیح مسلم میں ابوہریرہ رضؓ سے مروی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

اے عورتوں کی جماعت! صدقہ اور کثرت سے استغفار کیا کرو۔ اِس لئے کہ میں نے تمہاری اکثریت کو اہلِ جہنم میں دیکھا۔ ان میں سے ایک جزلہ نامی عورت نے عرض کیا۔ اللہ کے رسولؐ! جہنمیوں میں ہماری اکثریت کیوں ہے؟ آپؐ نے فرمایا۔ تم لعن طعن زیادہ اور خاوندوں کی ناشکری کرتی ہو۔ ناقص العقل والدین ہونے کے باوجود تم سے بڑھ کر عقلمندوں پر غالب آنے والیاں میں نے نہیں دیکھیں۔ اُس عورت نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسولؐ! عقل و دین میں نقصان کیسا ہے؟ آپؐ نے فرمایا۔ عقل میں نقصان یہ ہے کہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر ہے۔ اور دین میں نقصان یہ ہے کہ مہینے میں چند ایسی راتیں آتی ہیں کہ وہ نماز نہیں پڑھتی اور اسی طرح رمضان کے روزے بھی پُورے نہیں رکھ پاتی [1]

قرآن و سُنّت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ عورت کا وہ مقام نہیں جو کہ اللہ تعالیٰ نے مرد کو عطا فرمایا۔ لیکن جناب رحمت اللہ طارق نے علمائے کرام کو استہزاء کا نشانہ بنایا کہ وہ عورت کا رُتبہ گھٹانے کے لئے کوشاں ہیں۔

ہمارا یہ ایمان ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دینی مسائل کے بارے میں جو کچھ فرمایا کرتے تھے۔ وہ اللہ تعالےٰ کے حکم سے ارشاد فرماتے تھے۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ نے خود ہی اس کی وضاحت قرآن مُبین میں فرمائی ہے۔

---

[1] تفسیر ابن کثیر: جلد ۱، ص ۳۳۵۔

وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْىٌ يُّوْحٰى ۝ [1]
"ہمارا پیارا اپنی مرضی سے بات نہیں کرتا، بلکہ وہی کہتا ہے جو اس کو وحی کیا جاتا ہے۔"

عُلمائے اُمّت نے قرآن مجید کے وحی جلی یا وحی متلو اور آپ کے ارشادات کو وحی خفی یا وحی غیر متلو ہونے پر اتفاق کیا ہے۔ اس لیے صحیح بخاری کی روایت جو عورت کی سربراہی کے بارے میں مروی ہے۔ ہمارے نزدیک وہ وحی خفی یا وحی غیر متلو ہے صحّت کے اعتبار سے اس کے بالکل صحیح ہونے پر انشاء اللہ مفصّل بحث ہوگی۔

عورت کے بارے میں غلط بیانی

رحمت اللہ طارق صاحب نے چند احادیث کا ذکر اسی انداز میں کیا ہے کہ کوئی کہہ دے کہ قرآن پاک میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا :۔

لاتقربوا الصّلوٰۃ "نماز کے قریب مت جاؤ"

ظاہر ہے کہ سیاق و سباق کو نظر انداز کر کے بات کہی جا رہی ہے ۔ اسی طرح انہوں نے بھی جامع الترمذی کی شرح، تحفۃ الاحوذی کے حوالے سے نقل کیا ہے ۔ اگر نماز پڑھنے والے کے سامنے سے کُتّا اور عورت گذر جائے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے ۔ اگر کتا سیاہ رنگ کا نہ ہو۔ تو نماز فاسد نہیں ہوتی ۔ لیکن عورت بچّی ہو یا بڑی ، ظاہریوں کے نزدیک کتے سے زیادہ پلید ہے۔

نماز میں سترہ کے بارے میں علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ کی بحث بڑی تختی کے دو صفحوں

---

[1] سورۃ النجم : آیت ۲-۳-

میں پھیلی ہوئی ہے۔ جس میں ائمہ حدیث کے مختلف اقوال انہوں نے نقل کئے ہیں۔

امام ترمذیؒ نے اپنی جامع میں دو باب باندھے ہیں۔

باب ماجاء لا یقطع الصّلوٰۃ شیٔ

باب ماجاء لا یقطع الصّلوٰۃ الاّ الکلب والحمارۃ والمرأۃ

ایک باب ہے، کہ نماز کو کوئی شے توڑتی نہیں۔

دوسرا، کتے، گدھے اور عورت کے علاوہ کوئی شے توڑتی نہیں۔

بات صرف اتنی ہے کہ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی اُمّت کی تربیت فرمائی کہ جب نماز میں کھڑے ہونے لگو اور جگہ ایسی ہو کہ لوگوں اور جانوروں کا سامنے سے گزرنا ممکن ہو، تو تم کوئی شے اپنے آگے رکھ لو۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ نماز میں کھڑے ہونے کے بعد خشوع وخضوع میں خلل نہ واقع ہو۔

بخاری مُسلم کے حوالے سے علامہ عبدالرحمٰن مبارکپُوری نے نقل کیا ہے کہ عائشہؓ سے مروی ہے کہ رات میں نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نماز پڑھتے تو میں جنازے کی طرح آپ کے سامنے لیٹی ہوتی تھی۔

اِسی لئے امام ترمذیؒ نے نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے صحابہؓ میں سے اہلِ علم کی اکثریّت اور ان کے بعد تابعینؒ کا کہنا ہے کہ نماز کو کوئی شے قطع نہیں کرتی لیکن رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا یہ بھی ارشاد ہے کہ جب کوئی تمہارے آگے سے گزرنے لگے تو اس کو روکو۔ کیوں کہ وہ شیطان ہے۔ خیال رہے کہ شیطان کا لفظ اس پر بولا جاتا ہے جو سرکش اور نافرمان ہو۔

حضرت عثمانؓ سے مروی ہے کہ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ ایک کبوتر کے پیچھے جا رہا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ شیطان یتبع شیطانا[1] ایک شیطان

---

[1] ابن ماجۃ: باب اللعب بالحمام: ص ۲۶۷

شیطان کے پیچھے جا رہا ہے :

جہاں تک اہل الظاہر کا تعلق ہے تو ان کے بارے میں پوری روایت نقل کی جاتی ہے کہ ان کا خیال ہے کہ کتا اور گدھا آگے سے گزرنے والے یا کھڑے ہونے والے ہوں۔ چھوٹے بڑے، مردہ یا زندہ ہوں۔ ان کی وجہ سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ اسی طرح عورت چھوٹی یا بڑی ہو۔ گزرنے یا رکنے والی ہو۔ سامنے لیٹی ہوئی نہ ہو تو نمازی کی نماز ٹوٹ جاتی ہے۔

اس روایت میں کہیں یہ بات منقول نہیں کہ عورت بچی ہو یا بڑی وہ کتے سے زیادہ پلید ہے۔ یہ علامہ عبدالرحمن مبارکپوری پر سراسر بہتان ہے۔

مسلمانوں پر یہ فرض نہیں کہ جو اہلِ ظواہر کہتے ہیں۔ صرف اسی پر عمل ہو۔ محدثین میں سے جس نے کالے کتے کی وجہ سے نماز کے ٹوٹنے کو محدود رکھا۔ اُس میں بھی حکمت وہی ہے کہ نمازی جب نماز میں کھڑا ہو تو اُس کا رابطہ صرف اللہ تعالیٰ سے ہو جانا چاہیئے [1]

عورت کا ٹیڑھی پسلی سے پیدا ہونا

جناب رحمت اللہ طارق نے عورت کے ٹیڑھی پسلی سے پیدا کئے جانے کو اپنے انداز میں ذکر کرنے سے بھی صحیح بخاری کی روایت پر اعتراض کیا ہے۔ یعنی ایسی روایت عورت کے مرتبہ کو گھٹانے کے مترادف ہے۔ لیکن وہ بھول گئے کہ جہاں یہ واضح کیا گیا ہے کہ عورت کی پیدائش آدم علیہ السلام کی پسلی سے ہوئی۔ وہاں یہ حکم بھی دو مرتبہ موجود ہے کہ عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔

ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

---

[1] تحفۃ الاحوذی : جلد ا۔ ص ۲۷۶ - ۲۷۷ ۔

استوصوا بالنّسآء خیرا	"عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا کرو کیونکہ
فانّھن خلقن من ضلع	ان کی تخلیق پسلی سے ہوئی ہے اور سب سے
وان اعوج شئ فی الضلع	ٹیڑھی پسلی اُوپر والی ہے۔ اگر تو اسے سیدھا
اعلاہ فان ذھبت تقیمہ	کرنے کی کوشش کرے گا تو اس کو توڑ دیگا
کسرتہ وان ترکتہ لم	اگر چھوڑے گا تو وہ ٹیڑھی رہے گی اس لئے
یزل اعوج فاستوصوا	عورتوں سے اچھا سلوک کیا
بالنّسآء خیرا [1]	کرو"

امام مسلمؒ نے بھی الفاظ میں معمولی سے فرق کے ساتھ ایسی ہی روایت نقل کی ہے۔

قرآن پاک میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

وَقُلْنَا يٰآدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ	"اور ہم نے کہا۔ اے آدم تم اور تمہاری
زَوْجُكَ الْجَنَّةَ [2]	زوجہ جنّت میں رہو"

اس کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ۔ حضرت ابن مسعودؓ اور نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کے دوسرے صحابہؓ سے منقول ہے۔

واسکن آدم الجنّۃ فکان	"اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السّلام کو جنّت میں
یمشی فیھا وحشًا لیس	بسایا۔ وہ اس میں اکیلے ہی چلتے پھرتے تھے
لہ زوج یسکن الیھا	ان کا کوئی ساتھی نہ تھا کہ جس سے وہ سکون حاصل

---

[1] صحیح بخاری: باب الوصاۃ بالنّساء: ص ۷۷۹ - صحیح مسلم: جلد ۱ - ص ۴۷۵

[2] سورۃ البقرۃ: آیت ۳۵

فنام نومة فاستيقظ و اذا عند	کرتے۔ پس وہ سوئے۔ لیکن جب جاگے تو
رأسه امرأة قاعدة	اپنے سر کے پاس ایک عورت کو بیٹھے پایا۔
خلقها الله من ضلعه	جسے اللہ تعالیٰ نے ان کی پسلی سے پیدا کیا تھا آدم
فسألها من انت؟ فقالت	علیہ السلام نے اس سے پوچھا تم کون ہو۔ اس نے جواب دیا۔
امرأة قال و لم خلقت؟	میں عورت ہوں۔ انہوں نے کہا تمہیں کیوں پیدا کیا گیا ہے
قالت تسكن الیّ [1]	اس نے کہا تاکہ مجھ سے تم سکون حاصل کرو۔"

قرآن حکیم کے بھی الفاظ ہیں۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِنْ	" وہی ہے جس نے تم کو ایک نفس سے
نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا	پیدا کیا اور اسی میں سے اس کے ساتھی کو بنایا
زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا [2]	تاکہ وہ اس سے سکون حاصل کرے "

عورت کی تخلیق کا مقصد ہی یہی ہے کہ وہ اپنے خاوند کے لئے سکون کا سبب بنے۔ رہی بات کہ اس کی تخلیق پسلی سے ہوئی تو امام ابن جریر طبریؒ نے اس روایت کو سورۃ البقرہ اور سورۃ النساء میں یعنی دو مرتبہ نقل کیا ہے۔

یہ وہی امام ابن جریرؒ ہیں، جن کے بارے میں جناب رحمت اللہ طارق اور رفیع اللہ شہاب دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کے نزدیک عورت جج اور حکمران بن سکتی ہے۔ جہاں تک عورت کے جج بنائے جانے کی بات ہے یہ تو ان کی طرف منسوب کی جاتی ہے لیکن حکمران بنانے والی ان سے

---

[1] تفسیر ابن جریر طبری پ ص ۲۲۹۔ ابن کثیر جلد ص ۷۹۔ تفسیر کبیر جلد ا ص ۵۳ ۴

[2] ایضاً ابن جریر طبری پ ص ۲۲۴۔ تفسیر القرطبی، جلد ا ص ۳۰۱

منقول نہیں۔لیکن یہ دونوں روشن خیال حضرات اپنے مضامین میں غلط طور پر ان کے کھاتے میں ڈالنے پر تُلے ہوئے ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ اپنے مقام پر اس پر بھی مفصّل بحث ہو گی۔ درحقیقت دونوں حضرات کے نزدیک وہ تمام احادیث من گھڑت ہیں۔ جو ان کی فکر اور سوچ کے مطابق نہیں۔

عورت کے قاتل کو قصاص میں قتل کرنا

جناب رحمت اللہ طارق کا یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ اگر مرد۔ عورت کو قتل کردے تو قصاص نہیں کیونکہ جس صحیح بخاری کو مشرک بنانے کا انہوں نے ذمّہ لیا ہے۔ اسی میں واضح طور پر منقول ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے عورت کے قاتل کو اسی طرح قتل کروایا کہ جس طرح اس نے عورت کو قتل کیا تھا۔ امام بخاریؒ نے الفاظ کی کمی بیشی کے ساتھ چار مرتبہ اس روایت کو چار مختلف ابواب کے تحت کتاب الدیات میں نقل کیا ہے۔

حضرت انسؓ بن مالک سے مروی ہے۔

ان یهودیا رضّ رأس جاریة	"کہ ایک یہودی نے ایک لڑکی کا سر دو
بین حجرین فقیل لها من	پتھروں کے درمیان رکھ کر کچل دیا۔ اس سے
فعل بك هذا أفلان أفلان	کہا گیا کہ فلاں نے تیرے ساتھ ایسا کیا
حتی سمّی الیهودی فاومأت	فلاں نے ایسا کیا۔ یہانتک کہ یہودی کا نام
برأسها فجیئ بالیهودی	لیا گیا تو اُس نے سر کے اشارے سے کہا۔ ہاں۔
فاعترف فامر به النبی	پس یہودی کو لایا گیا اور اس نے اعتراف کر لیا۔
صلی الله علیه وسلّم	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے قصاص کا حکم
فرض رأسه بالحجارة۔	دیا۔ پس اس کا سر پتھروں سے کچلا گیا"

ان چار بابوں میں سے ایک "بَابُ قتل الرجل بالمرأة "ہے۔ یعنی مرد کو عورت کے بدلے قتل کرنے کا باب [1]

عورت کی دیت

امام ابن قدامہ نے لکھا ہے کہ عورت کی دیت کے بارے میں ابن المنذر اور ابن عبدالبر سے مروی ہے کہ اہل العلم کا اس پر اجماع ہے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف ہے۔ اگرچہ ابن علیہ اور الاصم کا کہنا ہے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت کی مثل ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومنہ کی جان کی دیت سو اونٹ ہے۔ لیکن یہ قول شاذ اور اجماع صحابہؓ اور سنتِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہے۔ کیونکہ آپؐ نے حضرت عمرو بن حزم کو جو خط لکھا اس میں تھا کہ عورت کی دیت مرد کی دیت سے آدھی ہوگی [2]

امام زیلعیؒ نے بیہقی کے حوالے سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت کی دیت مرد کی دیت سے آدھی ہے [3]

امام شافعیؒ کا قول ہے کہ میں پہلے اور موجودہ اہل علم میں سے کسی ایک کو نہیں جانتا کہ جس نے عورت کی آدھی دیت ہونے کے بارے میں اختلاف کیا ہو [4]

---

[1] صحیح بخاری: کتاب الدیات، ص ۱۰۱۶-۱۰۱۷۔ الیضاً الدارمی: ص ۳۰۸

[2] المغنی: جلد ۷ ص ۷۹۷۔

[3] نصب الرایۃ: جلد ۴ ص ۳۶۳۔

[4] الام: جلد ۶ ص ۱۰۶۔

اللہ تعالےٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ہے۔

يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ	"اللہ تعالیٰ تمہاری اولادوں کے بارے میں حکم دیتا ہے
لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ	کہ ایک مرد کو دو عورتوں کے حصّے کے برابر دیا جائے
فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ	اگر صرف عورتیں دو سے زیادہ ہوں تو جو میت نے چھوڑا
اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا	ہے اس میں سے ان کو دو تہائی دیا جائے۔ اگر صرف
تَرَكَ وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً	ایک عورت ہو یعنی اس کے ساتھ کوئی مرد وارث
فَلَهَا النِّصْفُ [1]	نہ ہو تو اس کو آدھا حصّہ دیا جائے۔"

احادیث پر اعتراض کرنے والوں کو قرآن بھی اپنے سامنے رکھنا چاہیئے کہ میت کے وارثوں میں مرد اور عورتیں ہوں تو عورت کو مرد سے آدھا حصّہ دیا جاتا ہے۔ جب عورتوں کے ساتھ کوئی مرد نہ ہو۔ تب بھی ان کو پُورا نہیں ملتا۔ اللہ تعالیٰ کا یہ خاص فضل و کرم ہے کہ اُس نے اپنے دین کو روشن خیال حضرات کے تابع نہیں کیا۔ ورنہ نہ جانے آج دین کا کیا حشر ہُوا ہوتا۔ بہکنے اور بہکانے والے اعتراض کرتے آئے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ لیکن دینِ حق نہ مسخ ہُوا اور نہ ہی انشاء اللہ تعالیٰ ہوگا۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی حفاظت کا ذمّہ خود لے رکھا ہے۔

عجیب بات

ویسے عجیب بات یہ ہے کہ عورت کی نصف دیت کے بارے میں اگر کسی کو اعتراض کرنے کا کوئی حق پہنچتا ہے تو وہ مَردوں کا ہے۔ کیونکہ مرد کے مارے جانے کی صورت میں دیت

---

[1] سورۃ النسآء: آیت ۱۱۔

اس کی بیوی اور اولاد میں جاتی ہے۔ جب کہ عورت کی دیت خاوند اور اس کی اولاد کو ملتی ہے۔ لہٰذا نقصان تو خاوند کو ہوتا ہے۔ کیونکہ مرد کی دیت میں بیوی کے حصے میں کوئی فرق نہیں پڑتا، نقصان خاوند کو پہنچے اور احتجاج عورت کے حامیوں کی طرف سے ہو تو اس سے بڑھ کر نا بھی اور کیا ہو سکتی ہے۔؟

ایک مجلس میں تین طلاقیں دینے کے بعد حلالہ

یہ مسئلہ کسی بھی حدیث کی کتاب میں موجود نہیں۔ کیونکہ ایک مجلس میں دی جانے والی تین طلاقوں کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک حضرت ابوبکرؓ کے عہدِ خلافت اور حضرت عمرِ فاروقؓ کے خلافت کے پہلے دو سالوں میں تین طلاقوں کو ایک ہی طلاق شمار کیا جاتا تھا۔ جب لوگوں نے جلدی کی تو عمرِ فاروقؓ نے کہا۔ اگر لوگوں نے اس معاملے میں جلدی کی جس میں اللہ تعالیٰ نے آسانی رکھی ہے تو میں اُسے جاری کر دوں گا[۱]

لوگوں کو تین طلاق میں جلدی کرنے سے روکنے کے لئے حضرت عمرِ فاروقؓ کا اپنا اجتہاد تھا۔ جس پر اُنہوں نے بعد میں اپنی ندامت کا اظہار بھی کیا[۲]

حضرت ابن عباسؓ سے ہی مروی ہے کہ حضرت رکانہ بن عبدِ یزید نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دے دیں۔ پھر اس پر بڑے غمزدہ ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا کہ تم نے کیسے طلاق دی۔ انہوں نے عرض کیا۔ میں نے اس کو تین طلاقیں دے دیں۔

---

[۱] صحیح مسلم: باب طلاق الثلاث: ص ۷۷،۴۔۸۰،۴۔ ابوداؤد، کتاب الطلاق: ص ۲۹۹-۳۰۰

[۲] اغاثۃ اللہفان: جلد ۲ ص ۳۵۱۔

آپ نے فرمایا۔ کیا ایک مجلس میں تین دیں۔ اُنہوں نے عرض کیا۔ جی ہاں۔ آپ نے فرمایا۔ وہ ایک ہی طلاق ہے۔ جا اپنی بیوی سے رجُوع کرلے [۱]

حضرت محمود بن لبیدؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی گئی کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں ایک ہی مجلس میں دے دی ہیں۔ آپ غصّے کی حالت میں کھڑے ہوئے اور فرمایا۔ کیا وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب سے کھیلتا ہے۔ حالانکہ میں تمہارے درمیان موجُود ہوں۔ ایک شخص کھڑا ہوا۔ اللہ کے رسولؐ! کیا میں اسے قتل کردوں [۲]

مذکورہ حوالوں سے عیاں ہوا کہ تین طلاق ایک ہی مجلس میں دینے کا مسئلہ حدیث کا نہیں۔ اگر کسی نے ایسا کیا تو ان کو ایک شمار کیا جاتا تھا۔ رہی بات حلالہ کی۔ تو اس کے بارے میں جو وعید رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کُتب احادیث میں موجُود ہے اس کا علم رکھنے والا کوئی بھی شخص ایسے فعلِ قبیح و شنیع کا مرتکب نہیں ہوسکتا۔ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے حلالہ کرنے اور کروانے پر لعنت بھیجی ہے [۳]

فقہ کی کتابوں میں بھی یہ حدیث مُبارک موجُود ہے [۴] بلکہ اس میں لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی بجائے لعن اللہ ہے۔ اگر کوئی اس کے مطابق عمل نہیں کرتا۔ تو وہ اپنے عمل کا خود مسئول ہوگا، اس میں اسلامی تعلیم کا کوئی قصور نہیں۔

---

[۱] مسند احمد: جلد ۱ ص ۲۶۵۔ ابُوداوُد: ص ۲۹۹۔

[۲] سنن النسائی، جلد ۲۔ ص ۸۹۔

[۳] الترمذی، جلد ۱: ص ۹۲۔ سُنن النسائی جلد ۲ ص ۹۲۔ ابن ماجہ، ص ۱۳۹۔ ابُوداؤد: ص ۲۸۴

[۴] الہدایۃ۔ باب الرجعۃ۔ ص ۳۷۶۔

لہٰذا جناب رحمت اللہ طارق نے اپنی کتاب کے آغاز میں عورت کے بارے میں اپنے مطلب کے چند حوالے ایسے انداز میں پیش کئے ہیں کہ جن سے یہ تاثر دیا گیا ہے کہ احادیث و روایات میں عورت کے سماجی رتبے کو کم دکھلانے کے لئے اسلام کو اکسپلائٹ کیا گیا ہے۔ جس نے سابقہ ادیان و امم کے برعکس عورت کو مساوی حقوق دے کر ایک نئی مثال قائم کی تھی۔ کیونکہ بعد کی مذہبی قیادت محسوس کر رہی تھی کہ عورت کو قبل از اسلام والے مقام تک آ کر واپس نہ پہنچایا گیا۔ تو یہ علوم، فنون، معیشت، معاشرت اور سیاست میں بھرپور حصہ لے کر مرد کے مقابلے میں عورت کی کمتری کے مفروضہ کو اسلامی جواز مہیا کرنے میں رکاوٹ بن جائے گی۔ اس طرح ترجیحات کے اسی تصور تے عورت کی سربراہی کے معاملہ کو بھی اسلام ہی کے حوالے سے ناقابلِ ہمسری ٹھہرایا ہے۔ لیکن اسلام اس کی ذمہ داری قبول نہیں کرتا۔

یوں عورت کی سربراہی کے لئے جواز پیدا کرنے کے لئے انہوں نے احادیث کو ٹھکرانے، محدثین کی امانت و دیانت کو مجروح کرنے اور لوگوں کو اسلامی تعلیم سے دور کرنے کا آغاز کر دیا ہے جس میں ان کو چند ممد و معاون بھی مل گئے ہیں لیکن وہ بھول گئے ہیں کہ قرآن و سنت کے تقدس کا خیال رکھنے والے کروڑوں مسلمان ابھی موجود ہیں۔

حدیث لن یفلح قوم ولوا امرھم امرأۃ" کے بارے میں جناب رحمت اللہ طارق کا توہین آمیز و منکرانہ موقف

جناب رحمت اللہ طارق کے نزدیک یہ حدیث خالصتہً سیاسی ہے اور اس پر یوں روشنی ڈالتے ہیں۔ کہ اس روایت کی شانِ نزول میں فرمایا جاتا ہے کہ ایران میں جب کسریٰ کی موت واقع ہوئی تو لوگوں نے اس کی بیٹی کو تخت و تاج کا وارث بنا لیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ خبر سنی تو فرمایا۔ لن یفلح قوم ولوا امرھم امرأۃ " وہ قوم ہرگز فلاح نہیں پا سکتی، جس

نے عورت کو مملکت کا والی اور سربراہ بنالیا۔

یہ شانِ نزول اپنے مفہوم میں واضح ہے۔ اگرچہ پس منظر کے لحاظ سے مُبہم اور ناکافی ہے۔ کیونکہ واقعات و مشاہدات اس کی تصدیق سے اِبا کرتے ہیں۔ اس کا ابتدائی لفظ "قوم" نکرہ ہے۔ اسے معرفہ بنانے کے لئے کسی قاعدے قانون کا سہارا نہیں لیا گیا۔ مان لیا کہ یہاں "قوم" سے ۳۵ھ سے جنگِ جمل کا ایک فریق مراد ہے۔ لیکن اس طرح یہ پس منظر پیشگی تراش سے متعلق ہو کر روایت کی پوزیشن کو مشکوک بنا گیا ہے۔ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اگر اطلاع تھی کہ آپ کی رحلت کے رُبع صدی بعد آپ کی زوجہ محترمہ کو اس کا نشانہ بننا پڑے گا۔ تو یہ ناممکن تھا کہ آپ اپنے اہلِ خاندان کو تباہی کے پیش آنے سے پہلے باز نہ رکھتے۔ لیکن دینی تاریخ گواہ ہے کہ آپ نے کبھی بھی اپنے اہلِ خانہ کو جمل جیسے ناگوار حادثے سے دوچار ہونے کی اطلاع ہم نہیں پہنچائی۔ اس کے باوصف بخاری اور شارحین حدیث کے عام اسلوب سے واضح ہوتا ہے کہ ان تمام حضرات نے روایتِ ہذا کے مذکورہ مبہم الفاظ کو تباہیِ فارس والی روایت کا تتمہ کیا ہے۔ یعنی زیرِ بحث فقرہ بھی دراصل ایک دوسری روایت کا حصّہ ہے۔ جس میں ہے کہ "تم عنقریب کسریٰ کے خزانوں کے وارث ہو گے اور ایران تمہارے قدموں میں ہوگا۔ (کتبِ روایات)

لیکن اب دیکھنا یہ ہے کہ "تباہی فارس" والی پیش گوئی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی کوئی گنجائش رکھی تھی کہ فارسی اعدائے اسلام اگر مردوں کو سربراہ بناتے رہے تو "تباہی فارس" کی نبوی بددُعا سے بچے رہیں گے؟ لیکن جب عورت ان کی سربراہ ہوگی تو ان کے خزانے فاتحین اسلام کے قبضے میں چلے جائیں گے؟ جواب اگر نفی میں ہے تو "تباہی فارس" کو بطورِ خاص عورت کی سربراہی سے مربُوط کرنے کے کیا معنی؟ اس گزارش کے ساتھ ہی آئیے ۔ اب اصلی پس منظر سے نقاب اُٹھائیں تاکہ ضمیمہ کی حیثیت واضح ہو سکے ۔

تباہی فارس کا پس منظر (رحمت اللہ طارق)

یہ تو سبھی جانتے ہیں کہ ایران کے عادل بادشاہ خسرو اول عرف نوشیروان ۵۳۱ء - ۵۷۹ء کے عہدِ حکومت کے چالیسویں سال ۲۰۔ اپریل ۵۷۱ء کو وہ آفتاب عالمتاب طلوع ہوا۔ جس نے تاریکی اور ظلمت کے پردے چاک کر کے دنیا والوں کو نئی روشنی عطا کی۔ اس نوشیروان کے مرنے کے بعد کسریٰ دوم عرف خسرو پرویز ۵۹۰ء تخت نشین ہوا۔ اور جب ۶۱۰ء میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو اس کے نام منشور ہدایت ارسال فرمایا۔ پرویز نے وصول کر کے طیش میں آ کر اُسے چاک کر ڈالا۔ اور یمن میں جو ان دنوں فارس کا حصّہ تھا۔ اس کے گورنر باذان کو لکھا کہ دو آدمیوں کو مدینہ منورہ بھیج کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو گرفتار کرا کر پیشین دارالحکومت "مدائن" میں پیش کیا جائے۔ ادھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب معلوم ہوا کہ آپ کا منشورِ رحمت چاک کر دیا گیا ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ منشورِ رحمت چاک نہیں ہوا۔ سلطنتِ کسریٰ کے ریزے ریزے ہو گئے۔ (بخاری وغیرہ)

مشکوٰۃ میں بخاری اور مسلم کے حوالہ سے یہ اضافہ بھی موجود ہے کہ آپؐ نے صحابہ کرامؓ سے مخاطب ہو کر "تباہی فارس" کی پیش گوئی کے بعد فرمایا۔ "آئندہ تم کسریٰ کے خزانوں کے وارث بنو گے" وغیرہ گویا کہ آپ نے پرویز کے معاندانہ رویّہ پر ہی "تباہی فارس" کی اٹل دُعاء فرمائی اور اس تباہی کے لئے پیش گوئی کے الفاظ کو زمانی بُعد سے معرّا کر کے پُورے وثوق سے واضح فرما دیا۔ کہ مستقبل قریب میں اسلام کی پہلی پود یعنی صحابہ کرامؓ ہی تختِ کیاں کے مالک بنا دیئے جائیں گے۔ وغیرہ

یہاں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ اس پیش گوئی میں یہ اضافہ کہیں بھی نہیں ہے کہ فارس پر ایسی تباہی اس وقت آ جائے گی جب ان پر عورت حکمران ہو گی۔ بنا بریں "لن یفلح قوم" کے نعرے کے لئے تجویز کردہ تتمہ ہو یا ضمیمہ اس کا پس منظر نہیں بن سکتے۔

تباہی فارس کسی خاتون کی قیادت کا نتیجہ نہیں تھی (رحمت اللہ طارق)

یہ بات کہ تباہی فارس کا ضمیمہ تسلیم کرنے کے باوصف بھی یہ حدیث حقائق و مشاہدات کے منافی مواد پر مشتمل ہونے کی بنا پر ناقابلِ تسلیم ہے کیونکہ مشاہدہ گواہ ہے کہ آپ کی بددعاء کہئیے یا تیر قضا کا نکلنا تھا کہ یکے بعد دیگرے ایرانی شہزادیاں اور سلاطین قتل ہوتے چلے گئے۔ یعنی خسرو جس نے ۶۱۴ء میں یروشلم اور ۶۱۸ء میں ایجبٹ فتح کرکے ایرانی سلطنت کو دنیا کی بڑی اور ناقابلِ تسخیر حکومت میں تبدیل کیا تھا۔ اس کے بیٹے شیرویہ نے ۶۲۸ء میں اسے قتل کرکے خود ہی تخت فارس پر جلوہ گر ہوگیا۔ نہ صرف اتنا بلکہ باپ کی طرح اپنے دیگر سترہ بھائیوں کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس کے بعد ہُوا یہ کہ ۸ ماہ حکومت کرنے کے بعد ۶۲۹ء میں خود بھی پاگل ہوکر مرگیا۔ اب شیرویہ کے بعد اس کا خُورد سال بیٹا اردشیر بادشاہ بنا مگر چار ہی ماہ بعد مدائن کے شیرآزاد نامی ایک شہزادے نے اُسے قتل کرکے بادشاہ بن بیٹھا اور پھر چالیس دن بعد اسے بھی کسی نے تیر جفا کا نشانہ بنا کر میدان کسی دوسرے کے لئے صاف کر دیا۔ اب ہوا یہ کہ اس کے بعد ایرانیوں کے پاس کوئی بھی مرد حکومت کا اہل نہ رہا۔ اور سب نے مل کر شیرویہ کی بہن پوران دخت کو تخت نشین بنا دیا۔ لیکن چھ ماہ بعد پیغمبرِ اسلام کی پیشگی مگر عام بددعا کے تیر کا شکار ہوکر وہ بھی نیست و نابود ہوگئی۔ اس کے بعد مکرر قرعہ فال ایک خاتون ہی کے نام پڑا۔ اور سب نے مل کر اس کی چھوٹی بہن آذرمی دخت کو تخت پر بٹھا دیا۔ لیکن اس خاتون کو خراسان کے سرعسکر فرخ ہرمز نے شادی کا پیغام دیا۔ جواب میں شہزادی نے کہا کہ میں بادشاہی کی حالت میں علانیہ شوہر نہیں رکھ سکتی۔ خفیہ طور پر کام جاری کر سکتی ہوں۔ چنانچہ فرخ ہرمز رات کے وقت محل میں آیا تو آذرمیدخت کے پاسبانوں نے اس کا کام تمام کر دیا۔ اور اسی طرح یزدگرد سوم کے عہد تک آذرمیدخت ہی فرماں روا رہی۔

یہ تمام واقعات بتا رہے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایران کی تباہی کو غیر مشروط بتایا تھا۔ اور اشارۃً یا خواہ کنایۃً کسی خاتون کی قیادت کا نتیجہ ٹھیرایا تھا۔ یعنی یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا کا نتیجہ تھا کہ تختِ کیاں پر جو بھی آیا قہرِ الٰہی کی بجلیاں اس پر کوندنے لگیں۔ عورت کا خصوص نہیں مرد بھی ان قہرمانی بجلیوں سے بھسم ہوتے رہے اور ۶۲۸ء سے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال (۶۳۲ء) تک یکے بعد دیگرے کیا مرد کیا عورتیں، بلا امتیاز تباہی کے جہنم میں واصل ہوتے گئے۔ ایسے میں آپ نے عورت ہی کو اگر زوالِ ایران کا سبب ٹھہرایا ہوتا تو یہ سلسلہ ابھی یہیں پر نہیں رُکا تھا۔ آپ کے وصال (۶۳۲ء) کے بعد آنے والے ایرانی "مرد" سلاطین پر بھی قہرِ الٰہی کے تیر برستے رہے اور ایران کی تباہی کا خود مرد بھی اس طرح موجب بنتے رہے جس طرح کہ یہ لوگ عورت کو تصور کر رہے ہیں۔ یعنی آذر میدخت کو ہنوز چار ماہ نہیں گزرے تھے کہ خراسانی سرعسکر کے بیٹے "رستم" نے اپنے باپ کا انتقام لینے کے لئے اُسے آ دبوچا اور زندہ گرفتار کر کے آنکھوں میں گرم لوہا پھروا دیا۔ اسی طرح تباہی کے تسلسل نے شاہی نسل کے وارثان تخت و تاج کو قریب قریب ختم کر دیا تھا۔ لیکن پتہ چلا کہ "شیرویہ" کے خوف سے مفرور ایک شہزادہ "فرخ زاد" روم میں موجود ہے۔ چنانچہ اُسے بلوایا گیا۔ مگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے جو تیر بددعا نکل کر آلِ ساسان کے جسم میں پیوست ہو چکا تھا وہ کب کسی کو آرام سے تختِ شاہی پر بیٹھنے دیتا۔ چنانچہ ایک ماہ بعد اسے بھی زہر دے کر ہلاک کر دیا گیا۔ اب ایک بار درباریوں کو شاہی نسل کے بچے کھچے افراد کی پھر سے تلاش ہوئی تو دارا صطخر کے شہریار کے فرزند اور خسرو پرویز کے پوتے "یزدگرد" کا سراغ ملا۔ اور اُسے ہی خلافتِ فاروقی کے پہلے سال اکیس برس کی عمر میں تخت پر بٹھا دیا گیا۔ جس نے فاروقِ اعظمؓ سے کئی مقابلے کئے اور ہر بار شکست کھانے کے باوصف موت کے جاں لیوا پنجوں سے بچ نکلنے میں کامیاب ہوتا رہا۔ بالآخر عہدِ عثمانی میں اُسے بُری طرح ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا۔ اور پیغمبرِ خدا کی بددعا کے نتیجہ میں یہ بدنصیب تاجدار بھی بھاگ کر خراسان میں رُوپوش ہو گیا اور وہاں کے ایک مسلمان نے یہ سمجھ کر کہ اس کے پاس

دولت[1] ہوگی۔ ۲۳۔ اگست ۶۵۱ء میں اسے قتل کرکے کپڑے اتارنے کے بعد لاش نہر میں بہادی اور اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آتش پرستوں کے شاہی نسل کی تباہی کی جو بددعا کی تھی وہ حرف بحرف پوری ہوگئی۔

عورت کی سربراہی کی حمایت کرنے والوں میں اختلاف

جناب رحمت اللہ طارق نے فارس کی تباہی کے پس منظر کو جس انداز میں پیش کیا ہے۔ اس سے انہوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی۔ کہ جس حدیث کی رُو سے عورت کی سربراہی کی نفی ہوتی ہے۔ اس کا فارس کی حکمران عورتوں سے کوئی تعلق نہ تھا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا یا تیرِ قضا کا نتیجہ تھا۔

جب کہ تاریخ دان پروفیسر محمد اسلم صاحب کا کہنا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ ارشاد فرمایا ہے کہ اس قوم کی فلاح کیونکر ہوسکتی ہے جس کی سربراہ عورت ہو۔ یہ فرمانِ رسالت انشاء ہے یا خبر۔ اگر یہ انشاء ہے اور اس سے مُراد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حکم دے رہے ہیں کہ عورت کو حکمران نہ بنایا جائے کیونکہ یہ کسی قوم کے مفاد اور فلاح کے خلاف ہے۔ تو پھر اس تاریخی حقائق کو کیسے جھٹلائیں گے کہ عورتوں کی حکمرانی میں بہت سی قوموں کا بھلا ہُوا۔ اگر یہ خبر ہے اور حضور علیہ السلام اطلاع دے رہے ہیں کہ عورتیں نااہل ثابت ہوں گی۔ تو ظاہر ہے کہ خبر صادق نہیں۔ اس لئے اس حدیث کا اطلاق صرف پوران دخت پر کرنا ہوگا۔ ورنہ حدیث کی صحت مشکوک ہوجائے گی[2]

معلوم ہوتا ہے کہ جناب پروفیسر محمد اسلم صاحب کی روشن خیالی ابھی اس انتہاء کو نہیں پہنچی کہ

---

[1] کیونکہ دولت کے لالچ میں جان لینا مسلم ثقافت کا جزو ہے۔ (رحمت اللہ طارق)

[2] ہفت روزہ ندا۔ ص ۳۸۔ ۱۳ دسمبر ۸۸ء

جہاں قرآن و سنت کی اہمیت اور حقیقت ذاتی رجحان و میلان کے سامنے کچھ نہیں رہتی۔ وہ تاویل تو اپنے رنگ کی کرتے ہیں۔ لیکن جناب رحمت اللہ طارق اور جناب رفیع اللہ شہاب کی طرح انکار نہیں کرتے۔ اسی لئے انہوں نے عورت کی سربراہی کی نفی کرنے والی حدیث کو پوران دخت سے متعلق کردیا ہے۔ لیکن اس کے برعکس جناب رحمت اللہ طارق فارس کی حکمران عورتوں کے ساتھ خاص کرنے کو تیار نہیں اور اس حدیث کو نہ صرف خالصتاً سیاسی بلکہ حضرت عائشہؓ کو مطعون کرنے کے لئے گھڑی ہوئی قرار دیتے ہیں۔

جناب رحمت اللہ طارق کے پیش کردہ پس منظر کا تجزیہ

سب سے پہلے شک میں ڈالنے والی بات رحمت اللہ طارق صاحب کو "لن یفلح قوم ولوا امرھم امرأۃ" میں لفظ "قوم" ہے۔ جو کہ نکرہ ہے۔ جسے معرفۃ بنانے کے لئے کسی قاعدے کا سہارا نہیں لیا گیا۔ اس کی وضاحت پروفیسر محمد اسلم صاحب کے مقالے کے جواب میں کی جاچکی ہے۔ کہ اگرچہ یہ نکرہ ہے۔ لیکن مسلمانوں کے ساتھ خاص ہے۔ کیوں کہ آپ نے اپنی ہی اُمت کو متنبہ فرمایا تھا کہ جو قوم اپنے معاملات عورت کو سونپ دے گی۔ وہ کبھی فلاح نہیں پائے گی۔ اس لئے کہ عورت کا یہ منصب نہیں ہے۔ اس کو ملک کا نہیں بلکہ گھر کا نگران بنایا گیا ہے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

الا کلکم راع وکلکم	آگاہ ہو جاؤ تم سب نگران ہو۔ تم سب
مسئول عن رعیتہ فالامام	سے تمہاری رعیت کے بارے میں سوال ہوگا
الذی علی الناس راع وھو	پس جو امام لوگوں پر نگران ہوگا۔ اس
مسئول عن رعیتہ	سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا

والرجل راع علی اهل بیته	مرد اپنے گھر والوں پر نگران ہے اور اس سے
وهو مسئول عن رعیته	اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا اور
والمرأة راعیة علی اهل	عورت اپنے خاوند کے گھر والوں اور اپنی اولاد پر
بیت زوجها ولده وهی	نگران ہے اور ان کے بارے میں اس سے سوال ہوگا
مسئولة عنهم وعبد الرجل	اور آدمی کا غلام اپنے آقا کے مال پر نگران ہے
راع علی مال سیده وهو	اور اس سے اُس کے بارے میں سوال ہوگا۔ اور
مسئول عنه وکلکم	تم سب نگران ہو اور تم سب سے تمہاری رعیت
مسئول عن رعیته [1]	کے بارے میں سوال ہوگا۔"

صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی ایک روایت میں امام کی بجائے امیر اور زوج کی بجائے بعل کے الفاظ ہیں۔ صحیح بخاری کی بعض روایات میں عبد الرجل کی جگہ الخادم بھی منقول ہے۔

امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں باب باندھا ہے۔

المرأة راعیة فی بیت زوجها	عورت اپنے خاوند کے گھر میں نگران ہے

پھر امام بخاریؒ نے غلام والے حصے کے علاوہ ساری روایت نقل کر کے ثابت کیا ہے کہ عورت ملک کی نہیں بلکہ اپنے گھر کی نگران ہوتی ہے [2]

---

[1] صحیح بخاری: کتاب الاحکام: ص ۱۰۵۷۔ صحیح مسلم کتاب الجمعہ: ص ۱۲۲۔ کتاب الوصایا: ص ۳۸۴۔ کتاب العتق: ص ۳۴۷۔ کتاب الاستقراض: ص ۳۲۴۔ کتاب النکاح: ص ۷۷۹۔ صحیح مسلم: کتاب الامارہ جلد ۲ ص ۱۲۲۔ ابوداؤد: کتاب الامارۃ: ص ۴۰۶۔ جامع الترمذی، کتاب الجہاد: ص ۲۲۰۔ مسند احمد، جلد ۲۔ ص ۵، ۵۴، ۵۵، ۱۱۱، ۱۲۱۔

[2] صحیح بخاری: کتاب النکاح۔ ص ۷۸۳۔

امام ترمذیؒ نے اسی روایت کو "باب ماجاء فی الامام" امام کے بارے میں جو باب ہے۔ اس کے تحت نقل کیا ہے۔ جس سے مزید واضح ہو جاتا ہے کہ عورت کی حکمرانی کا دائرہ اس کے خاوند کے گھر تک محدود ہے۔

لہٰذا عورت کی سربراہی کی نفی کرنے والی روایت اُمّتِ مُحمّدیہ ہی سے خاص ہے۔ آپ ﷺ نے اپنی اُمّت کو آگاہ فرمایا کہ جب کوئی قوم اپنا معاملہ عورت کے سپرد کر دے گی تو وہ فلاح نہیں پائے گی۔

لفظ قوم کی وضاحت

جہاں تک "قوم" کے نکرہ ہونے کے باوجود مسلمان کے ساتھ خاص کرنے کے قاعدے کا تعلق ہے۔ تو اس کی مثال اللہ تعالیٰ کی اپنی کتاب مبین میں موجود ہے۔ مومنوں سے خطاب ہوتا ہے۔

يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰۤى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ [1]

اے ایمان والو! کوئی قوم کسی قوم کا مذاق نہ اڑائے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ تم سے بہتر ہوں۔ اور نہ ہی عورتیں، عورتوں کو مذاق کریں۔ ہوسکتا ہے کہ جن کو مذاق کیا جا رہا ہے وہ ان سے بہتر ہوں۔

امام القرطبیؒ سے مروی ہے کہ قوم سے مراد مرد ہیں۔ کیونکہ قوم لغت میں مردوں کے لئے خاص ہے۔ پھر انہوں نے زہیر کا شعر بھی نقل کیا ہے۔

وما ادری وسوف اخال ادری ... أقومٌ آلُ حصنٍ ام نساء

---

[1] سورۃ الحجرات: آیت ۱۱

اُور میں نہیں جانتا اور میرا خیال یہ کہ جلدی جان جاؤں گا کہ قلعے والے مرد ہیں یا عورتیں"

مَردوں کو قوم اس لئے کہا گیا کیونکہ لڑائیوں میں بلانے والوں کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں ۔اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ قائم کی جمع ہے۔ پھر یہ ہر جماعت کے لئے استعمال ہونے لگا اگرچہ وہ کھڑے بھی نہ ہوتے اور عورتوں کو مجازاً قوم میں شامل کیا گیا ہے [1]

اسی لفظ "قوم" پر امام القرطبی نے اپنی تفسیر کے الجزء الاول میں بھی بحث کی ہے۔

سورۃ حجرات کی اس آیت مُبارکہ میں ایمان والے مَردوں اور ایمان والی عورتوں کو خطاب کر کے ان کو الگ الگ حکم دیا گیا ہے کہ وہ آپس میں کسی کو کمزور جان کر استہزاء کا نشانہ نہ بنائیں۔

لہٰذا جس طرح قرآن پاک میں "قوم" سے مُراد مسلمان مَردوں کی جماعت ہے ۔اسی طرح رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے جب "لن یفلح قوم" فرمایا۔ تو اس سے مُراد مسلمان مرد ہیں یعنی جب مسلمان مَرد اپنا معاملہ کسی عورت کے سپُرد کر دیں گے۔ تو وہ فلاح نہیں پائیں گے۔عورتوں کو مجازاً شامل کر لیا جائے تو ساری مسلمان قوم مراد ہوگی۔

جناب رحمت اللہ طارق کی افسوسناک زیادتی

جناب رحمت اللہ طارق کا کہنا ہے کہ عورت کی سربراہی کی نفی کرنے والی حدیث کا فارس کی حکمران عورتوں سے کوئی تعلق نہیں ۔ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ جب اہلِ فارس نے عورت کے سپُرد حکومت کر دی۔ تو ان کے اس عمل کی روشنی میں آپ نے خصوصًا مسلمانوں کے لئے فرمایا تھا۔ کہ جو قوم اپنا معاملہ عورت کے سپُرد کر دیگی تو وہ کبھی فلاح نہیں پائے گی۔ تاریخ گواہ ہے، آپؐ نے

---

[1] تفسیر الجامع لاحکام القرآن، الجزء ۱۶ ص ۳۲۵ ۔ ایضًا الجزء ۱ ص ۴۰۰

جو فرمایا۔ وہ ہمیشہ سچ ہوا۔ جن مسلمان حکمران عورتوں کے حوالے دیئے جاتے ہیں۔ ان میں سے کسی کے دَور کو بھی فلاحی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اور ان سب کا عموماً جو انجام ہوا۔ وہ بھی کامیابی سے تعبیر نہیں ہو سکتا۔ اس پر آگے چل کر انشاء اللہ بحث ہو گی۔

ہمارے اور جناب رحمت اللہ طارق کے موقف میں بہت بڑا فرق یہ ہے کہ ہم سیّدالانبیاء محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ مبارک کو سامنے رکھے ہوئے کہتے ہیں کہ کوئی بھی مسلمان عورت اسلامی ملک کی سربراہ نہیں ہو سکتی۔ جب کہ جناب رحمت اللہ طارق کا فرمان ہے کہ بالکل ہو سکتی ہے اور اس کی سربراہی کی نفی کے بارے میں صحیح بخاری کی جو روایت ہے وہ تراشی اور گھڑی گئی تھی۔ ان کے استدلال کو ان ہی کے الفاظ میں نقل کیا جاتا ہے۔

کیا وجہ ہوئی کہ جنگِ جمل (۳۶ھ ۶۵۶م) کے حادثے کے ظہور پذیر ہوتے ہی عورت کی سربراہی میں ہلاکت اور تباہی کا تاثر دیا جانے لگا؟ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے ربع صدی بعد ایک ایسا فقرہ تراش کر آپؐ کی طرف منسوب کرنے سے کسی طرح حدیثِ نبویؐ کہلا سکتا ہے۔ جسے حرمین شریفین کے مسلمان اور خود جنگِ جمل میں حصہ لینے والے صحابہؓ اور تابعین حضرات، جو پچاس ہزار کے لگ بھگ تھے، جانتے ہی نہیں تھے؟ ہے کوئی جو اس کا جواب مرحمت فرما دے؟

آیئے آج کی صحبت میں اس رازِ سربستہ کو سرِ محفل لا کر اربابِ دانش و بینش پر واضح کر دیں کہ اُمتِ اسلام کے بہت سے افراد بایں زہد و تقویٰ احادیثِ نبویؐ کے بارے میں بہت ہی بد احتیاط اور اخذِ مطالبہ میں غیر سنجیدہ واقع ہوئے تھے۔ ان کا ظاہری کردار تو قابلِ رشک تھا، مگر ان کا باطن سازشوں اور فتنہ پردازیوں سے ملوّث رہا یا ملوّث کیا جاتا رہا۔

سوچیئے کہ یہ فقرہ کیوں کر اور کن مصلحتوں کے پیشِ نظر "جنگِ جمل" کے دوران یا اس کے فوراً بعد مشتہر کر کے زبانِ زد کرایا گیا؟ اور گمنام اشخاص نے مخلوط علمی ماحول سے فائدہ اٹھا کر

کس طرح اپنے دامِ تزویر کو پھیلا دیا ؟

بخاری نے یہ فقرہ "کتاب المغازی" "عنوان" کسریٰ کے نام منشورِ ہدایت" میں ۔ اور "کتاب الفتن" باب بغیر عنوان کی ذیل میں ایک ہی سند کے ایک ہی جیسے الفاظ میں نقل کیا ہے ، فرماتے ہیں کہ :-

حدثنا عثمان بن الهیثم حدثنا	ابوبکرۃ نفیع بن الحارث (د ۶۷۱م)
عوف عن الحسن عن ابی	نے کہا کہ جنگِ جمل کے دوران نبی اکرم
بکرة قال لقد نفعنی الله	صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک فرمان نے مجھے تباہی
بکلمة سمعتها عن	سے عین اس وقت بچا لیا جبکہ حضرت علیؓ
رسول الله صلی الله علیه	کے خلاف عائشہؓ کی حمایت کا تہیہ کر چکا تھا
وسلّم ان اهل فارس قد	یعنی وہ فرمان یاد آگیا جو ایک عورت کے
ملکوا علیهم بنت کسریٰ	تختِ کسریٰ پر بیٹھنے کے موقعہ پر آپؐ
قال لن یفلح قوم ولّوا	نے فرمایا تھا کہ " وہ قوم کبھی کامران نہیں ہو
امرهم امرأة.	سکتی جس نے کسی عورت کو والی بنا لیا "۔

(بخاری بحاشیہ سندی طبع میمنہ مصر ۱۳۰۶ھ جلد ۳/۶۳ نیز ۴/۱۵۴)

یہ روایت موجودہ الفاظ کی رُو سے اپنے مفہوم میں واضح بھی ہے اور مبہم بھی۔ واضح اس لحاظ سے ہے کہ اس سے عورت کی قیادت کی نفی ہو جاتی ہے اور مبہم اس معنی میں ہے کہ عائشہؓ کے بارے میں تشنہ ہے ۔ تاہم سوال یہ ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (د ۶۳۲م) میں آذر میدخت" کی تخت نشینی کی خبر سن کر مذکورہ فقرہ زبان پر لا چکے تھے تو آپؐ کی وفات کے ربع صدی بعد تک صحابۂ کرام سے کیوں پوشیدہ رہا ؟ اور بقول بدرالدین عینی حنفی (د ۱۴۵۱م) حضرت علیؓ کی

فوج کے بیس ہزار اور جنابہ صدیقہؓ کے تیس ہزار حامی (عمدۃ القاری، طبع مصر جلد ۱۱/ ۵۹/ ۲ تا ۳) اس اہم موقعہ پر اس اہم حدیث سے آشنا کیوں نہ ہو سکے؟ سیدنا امام حسنؓ نے معرکۂ جمل کے موقعہ پر بصرے کے کوچہ و بازار میں سیدہ موصوفہ کے خلاف بڑے معرکۃ الآراء لیکچر دیئے مگر کہیں بھی اپنے نانا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس روایت کا حوالہ نہ دے سکے۔ بلکہ موقع و محل کی مناسبت سے چاہیئے تھا کہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مُبہم فرمان کی وضاحت فرما دیتے تاکہ مسلمان کارزارِ جمل میں حصّہ ہی نہ لے سکتے۔ اور میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ اگر پہلے سے کہیں اس روایت کا وجود ہوتا تو بر وقت ہی صدیقہؓ کی محاذ آرائی کو روکا جا سکتا تھا۔ ایسے میں تنہا نفیع بن الحارث کو (۶۵۶ء م) میں یہ کیونکر معلوم ہوا کہ عائشہؓ کی حمایت۔ گمراہی اور ہلاکت کی طرف لے جانے والی ہے؟ اور کیوں اس کے ذہن میں یہ منفی جذبہ اُبھرا کہ اُمّ المؤمنین کی حمایت کو ایک کافرہ کی اعانت سے تشبیہ دے کر تاریخ اسلام میں ایک ناگوار تاثر چھوڑا؟ یا یہ کہ ابوبکرہ نفیع کے شاگردوں نے آپ کے ذاتی خیالات کو نبوی فیصلہ کا عکس ٹھہرا کر ہر قسم کی ذمّہ داری نفیع پر کیوں ڈالی؟ اور پھر یہ بھی سوچیئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کلّی طور پر "تباہیِ ایران" کے لئے "غیر استثنائی" بد دعا کی تھی تو ایسے میں آتش پرست مَردوں کی قیادت میں عافیت اور عورتوں کی سربراہی میں تباہی سے آپ کو کیا دلچسپی ہو سکتی تھی؟ آپ کہیں گے کہ راقم الحروف نے نتیجہ سخت الفاظ میں اخذ کیا ہے۔ میں عرض کروں گا کہ الفاظ کے انتخاب میں میرا علم قاصر ہے۔ میں معذرت خواہ ہوں۔ لیکن خدارا یہ فرمائیے کہ اُمّ المؤمنین کو اس روایت کا مصداق بنانے والے کیسے ہی الفاظ کیوں نہ ڈھونڈھ لائیں، ان کا ماحصل اس سے کچھ مختلف ہو سکتا ہے؟ کیا عصرِ حاضر کے علماء حضرات نے اس روایت کی اوٹ میں کھلے بندوں عائشہؓ پر تیر نہیں برسائے؟ یہ تمام سوالات اس قسم کے نہیں کہ انہیں نظر انداز کر کے ایک سیاسی حدیث کو رسولِ معصوم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی حیثیّت سے تسلیم کر لیا جائے؟

مضحکہ خیز تاویل (رحمت اللہ طارق)

ان جوہری اعتراضات سے بچنے کے لئے ذیل کی مضحکہ خیز تاویل کا سہارا بھی لیا جاتا ہے۔ یعنی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کی سربراہی کو تباہی سے موسوم ضرور کیا ہے۔ لیکن جمل کے واقعات ظاہر کرتے ہیں کہ :۔

"سیدہ صدیقہ نہ کسی منصب سربراہی کی خواہاں تھیں اور نہ ہی خلافت و امامت اور ملکہ بننے کی دعویدار۔" (فتح الباری طبع بولاق مصر جلد ۱۳/۴۷/۸)

لیکن یہ بھی ایک مضحکہ خیز تاویل ہے۔ کیونکہ آپ کی کمان میں تیس ہزار لوگوں کا سرفروشانہ مظاہرہ کرنا واضح کرتا ہے کہ کسی منصب کی خواہش نہ ہونے کے باوصف لوگوں نے آپ کی سیاسی قیادت پر اعتماد کیا تھا اور کسی حد تک باقاعدہ "والی" کی حیثیت دے رکھی تھی اور وہ "مرد" والی کی طرح آپ کی اطاعت کرنے کو فرض سمجھتے تھے اور آپ بجا طور پر "ولایت" کے تقاضوں کے مطابق ان کی کمان کرنے کا اختیار رکھتی تھیں۔ اور اسی دوران آپ کے فوجداری احکام کی طرح دیوانی فیصلے بھی قابل عمل اور باعث تصفیہ تھے۔ ان میں شرعاً اگر قباحت ہوتی تو تو قدآور صحابۂ کرام اور دیگر مسلمانوں کا جم غفیر قباحت پر مجتمع نہ ہو سکتا تھا۔ لہٰذا عورت کی امارت و صدارت اس زاویہ سے بھی قابل اعتراض نہیں رہتی! بلکہ اتنے اجلال و اعزاز کے سمیٹنے کے بعد وہ خود بھی اگر منصب قیادت کی مدعی بن جاتیں، تب بھی کسی طرح کی قباحت لازم نہ آسکتی تھی۔ کیوں کہ تیس ہزار آدمیوں کا اجتماع کسی قیادت کے بغیر ممکن نہیں تھا۔ اور تاریخ نے یہ محفوظ کر لیا ہے کہ اس وقت ایک عورت ہی نے "مرکز اطاعت" بن کر ضبط و نظم کی مثال قائم کی تھی۔ شکست و ریخت سے تو مرد بھی دوچار ہوتے رہتے ہیں۔ اس کا معیار قطعی طور پر مختلف ہے۔

مصداق ہی غلط ہے (رحمت اللہ طارق)

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب اس فقرے میں "قوم" کا لفظ بایں رعنائی نکرے کے مقام پر آیا ہے اور نکرے کا اصول یہ ہے کہ اس کا "مشارالیہ" جب متعین ہو چکا ہو تو دیگر افراد یا انواع کو اس کی ذیل میں لانے کے لئے "مشارالیہ" کا تعدّد لازم آئے گا جو لسانِ عرب کے قواعد کی رُو سے فنی عیب کو مستلزم ہے۔ اور زبانِ پیغمبر فنی عیوب سے پاک ہونی چاہیئے۔ وضاحت کے لئے عرض کردوں کہ اس فقرے یا حدیث کے پس منظر میں "آذرمی دخت" کی تخت نشینی بتلائی جاتی ہے۔ اور اس کی روشنی میں "لن یفلح قوم" کے الفاظ سیٹ کئے جاتے ہیں جو ہر لحاظ سے "قوم" کا "مشارالیہ" اہلِ فارس بن جاتے ہیں۔ مسلمان قوم "مشارالیہ" نہیں بن سکتی کہ اشارے کے تعدد کی رُو سے ادبیاتِ عرب اس طرح کی بے قاعدگی اور انارکی کی متحمل نہیں ہو سکتی اور جب قاعدے اور قانون کی رُو سے یہ فقرہ "عموم" کی روشنی سے عاری ہو چکا ہے یا یہ کہ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی مشارالیہ کا تعین کر کے اس کی گرفت سے مسلمان عورت کو آزاد کر دیا ہے تو ایسے میں ہمارے دَور کے اہلِ علم حضرات کا بے سروکار باتیں بنانا ستم ظریفی نہیں تو اور کیا ہے؟ لہٰذا یہ کہنے میں تامل نہ ہونا چاہیئے۔ کہ یہ روایت غلط مصداق اور غلط تاویل کے باعث صدیقہؓ کے خلاف گہری سازش ہے۔ اِسے حقوقِ نسواں کی پامالی کے ضمن میں پیش کرنا افسوسناک علمی خیانت ہے۔

عائشہؓ کے خلاف گہری سازش (رحمت اللہ طارق)

یہ تنہا ہماری ہی رائے نہیں کہ نفیع بن الحارث کی معرفت وضع کردہ یہ روایت صدیقہؓ کے سیاسی موقف اور اطاعت طلب پوزیشن کو کمزور کر دکھلانے کے لئے گہری سازش کا کام کر گئی ہے

اس سے اسلام کی جمہوری مزاج کی نفی بھی ہو جاتی ہے ۔کیوں کہ سلف صالحین میں سے جتنے بھی صائب رائے اشخاص تھے ۔حدیث ہذا کو عائشہؓ کے مقام ، منصب اور موقف کو کمزور کرنے کی سازش قرار دیتے تھے ۔ شیخ المحدثین علی بن خلف قرطبی شارح بخاری (۴۵۰ھ) نے مہلب ازدی (۴۰۲ھ) کے ذیل کے الفاظ کو بغیر تبصرے کے نقل کر کے ایک گونہ اپنی رائے کا اظہار بھی کر دیا ہے ۔ لکھتے ہیں کہ ان ظاهر حديث ابی بكرة يوهم توهين رأى عائشة فيما فعلت ۔ " نفیع کی ظاہر حدیث کا مجموعی تاثر صدیقہؓ کی اہانت اور آپ کی رائے کی توہین کا غماز ہے ۔ (فتح الباری طبع مصر جلد ۱۳/۴۷/۴ تا ۵)

قرطبی اور مہلب کا یہ بے لاگ تبصرہ کچھ لوگوں کو ناگوار ضرور گذرا ہوگا ۔لیکن اس میں پوشیدہ حقائق کو جھٹلانے کی ہمت کسی میں بھی نہیں ہوئی اور نہ ہو سکتی ہے ۔کیونکہ حدیث ہذا نہ صرف اپنی وضع و ساخت کے لحاظ سے سیاسی ہے ۔اور ایک سیاسی حادثے کے ظہور پذیر ہونے پر مارکیٹ میں " یافت " ہوئی ۔ راویوں کے سیاسی مسلک کی ضوء میں بھی وضعی اور سیاسی ہے (وضاحت اپنے مقام پر آئے گی)

ابنِ حجرؒ کا اضطراب (رحمت اللہ طارق)

قرطبی ، ابنِ بطال اور مہلب ازدی نے زیرِ بحث روایت کے بارے میں جو متوازن رائے قائم کی تھی ۔ابنِ حجر اس پر خفا ہیں اور بخاری کا دفاع کرتے ہوئے ذیل کی تاویل کر جاتے ہیں ۔

" ابنِ بطال اور مہلب کی رائے کوئی وقعت نہیں رکھتی ۔کیوں کہ نفیع بن الحارث عائشہؓ ہی کی طرح صلح پسند اور اصلاح بین الناس کے مسلک پر عامل تھے ۔" (فتح الباری ۱۳/۴۷)

سوال یہ ہے کہ نفیع کو جب تسلیم ہے کہ عائشہؓ صلح پسند اور اصلاح بین النّاس کی حامل تھیں ۔ اور اس حد تک نفیع بھی ان کے ہم آہنگ تھے تو پھر کیا اُفتاد پڑ گئی کہ اپنے ہی ہم خیال کے موقف کو زک پہنچانے کے لئے ایک ایسی خبر لے آئے جس کا آج سے پہلے نہ وجود تھا اور نہ آگہی تاہم اگر نفیع

کے لئے کوئی نرم گوشہ رکھنا ہی ضروری ہے تو بھی قانونِ شہادت کی رُو سے نفیع کی شہادت مردُود ہے۔ کیونکہ اُس نے مغیرہؓ بن شعبہ (۶۶۵ھم) پر ناحق و ناروا گھناؤنی تہمت لگائی اور ثبوت پیش نہ کر سکے جس پر فاروق اعظمؓ نے (نور۔۴) کے مطابق آئندہ کے لئے اس کی گواہی کو بھی مسترد کر دیا۔ اور اسّی کوڑے بھی رسید کر دیئے (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تفسیر امام رازی ۲۳/۱۵۹/۴ تا ۶)

ادھر سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ آپ کی دبستان کے تمام فقہاء، امام سفیان ثوری (۱۶۱ھم) اور حسن بن صالح رحمہم اللہ۔ ایسے شخص کی گواہی علی الاطلاق مسترد کر دیتے تھے۔ جو حدِ قذف کا سزا یافتہ ہو تا خواہ تائب بھی ہو چکا ہو (رازی ۲۳/۱۶۰/۲۲ تا ۲۳)

اُمید ہے کہ اس وضاحت کے بعد ابن حجر کا ذہن صاف ہو چکا ہو گا۔ اور جس اضطراب دروں میں مبتلا ہو چکے تھے۔ اس سے نجات مل گئی ہو گی۔ ابنِ حجر سے صرف اتنی شکایت ہے، کہ وہ جتنا ابوبکرہ نفیع بن الحارث کی پاکئ داماں کے لئے مضطرب تھے۔ چاہیئے تھا کہ اتنی ہی تڑپ اور اضطراب کا اظہار صدیقہ بنتِ صدیقؓ کے لئے بھی کرتے۔ یہ یاد رہے کہ قرائن کے باوصف زیرِ بحث کی وضع و تراش کے ذمہ دار ابوبکرہ نہیں ہو سکتے۔ جس صاحب نے آپ کو اکسپلائٹ کیا۔ آگے چل کر اس کی نشاندہی کی گئی ہے (ملاحظہ ہو عنوان "اس حدیث میں جھوٹ کا شائبہ" اور "تدلیس" کیا ہے؟" اور "حسن بصری کا سیاسی مذہب")

ہوا کا رُخ دیکھ کر (رحمتُ اللہ طارق)

ابوبکرہ نفیع جو کچھ تھے صدیقہؓ کے بارے میں اتنا مخلص نہ تھے کہ جتنا بتلایا جاتا ہے۔ اسے معلوم تھا کہ عسکرِ علیؓ کے بیس ہزار شہسوار تھے۔ اور زوجۂ رسولؐ کے حامی و مددگار تیس ہزار تھے۔ اس کے باوجود پلڑا مولا علیؓ ہی کا بھاری تھا۔ (عینی شرح بخاری، جلد ۱۱/ ۵۹/ ۲ تا ۳)

لہٰذا یہ نادر موقع تھا کہ نفیع اپنی وفاداری کا برموقعہ اظہار فرما کر سیّدنا علیؓ کی نظروں میں غیر جانبدار ثابت ہوں۔ کیوں کہ ہوا کا رُخ دیکھ کر موقف بدلنے کا سنہرا چانس تھا۔ ابن حجر کے الفاظ میں وضاحت ملاحظہ ہو۔

ثم استصوب رایۃ فی ذالك الترك لما رأی غلبۃ علی۔
(فتح الباری ۱۳/۴۶)

"نفیع کو نئے فیصلے کا اس وقت خیال آیا جو نہی علیؓ کی کامیابی کے خطوط واضح ہونے لگے"

اِس طرح نفیع نے جب دیکھا کہ غلبۂ علیؓ کے ساتھ عائشہؓ کا ساتھ دینا مشکل ہے تو موقع پرست ہونے کے طعن سے بچنے کے لئے زیرِ بحث روایت کا سہارا لے لیا کہ گہرائی میں نہ جھانکنے والے مغالطہ میں پڑے رہیں۔ بلکہ ابن حجر نے زیرِ بحث روایت کی فنی رکاکتوں کو دیکھتے ہوئے نفیع کے لئے ذیل کی دوسری روایت کا سہارا فراہم کر دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ نفیع دراصل ذیل کی (دوسری) حدیث کو سامنے رکھ کر ہی حمایتِ عائشہؓ سے دست بردار ہو گئے تھے۔ فرمایا نبی اکرمؐ نے

یخرج قوم ھلکی لا یفلحون قائدھم امرأۃ فی الجنّۃ۔

"ہلاکت زدہ ایک قوم ایسی نمودار ہوگی جو جنّت سے محروم رہ جائے گی۔ ان کی قیادت ایک عورت کر رہی ہوگی"

یہاں "قوم" اور "امرأۃ" اگرچہ نکرے کے مقام پر آئے ہیں۔ تاہم نفیع کے استدلال سے ان نکروں کے "مشار الیہ" صحابہ کی وہ جماعت ہے جو صدیقہؓ کے ساتھ تھی اور خود صدیقہؓ بھی ان میں شامل تھی۔ اس طرح روایتِ ہٰذا میں جن لوگوں کو جہنّمی اور ہلاکت زدہ کہا گیا ہے وہ غیر مُبہم ہو جاتے ہیں۔ یہاں قاری حضرات خود ہی انصاف کر سکتے ہیں کہ ابن حجر کہیں تو نفیع کی پالیسی بدلنے کا سبب غلبۂ علیؓ کو قرار دیتے ہیں اور کہیں فرماتے ہیں کہ ان کے نقطۂ نظر میں معاون دوسری

روایت نے تبدیلی پیدا کی ؟ جو کچھ ہو ہمیں اس سے غرض نہیں کہ جنگ کے موقعہ پر ایسی احادیث کا مارکیٹ میں بکثرت آجانا کسی اچنبے کی حامل ہیں یا نہیں ؟ دیکھنا یہ ہے کہ ابن حجر نے اس بے سند روایت کو معاون روایت کی حیثیت سے ذکر کر کے حالات کو اپنے ڈھب کے مطابق کر دکھلانے کی جو ستم ظریفی کی ہے علمی نقطۂ نظر سے اس کی حیثیت کیا ہے ؟ کیونکہ ہمارے نزدیک یہ دوسری روایت بھی بے نور اور " عذر گناہ بدتر از گناہ " کے مصداق ہے کہ اس میں کھل کر عائشہؓ اور آپ کے ہم رکاب ساتھیوں جن میں عشرہ مبشرہ کی صف کے افراد بھی تھے ۔ ان سب کو دشمنانِ اسلام اور وارثِ جہنم کہا گیا ہے ۔

سیاسی احادیث کا اعتبار (رحمت اللہ طارق)

جیسا کہ ابتداء میں عرض کیا گیا ہے کہ زیر بحث روایت ابنِ بطال ، قرطبی اور مہلب کے نزدیک سیاسی روایت ہے ۔ جسے ایک خاص حادثہ نے جنم دیا اور چابکدستوں نے زوجۂ رسولؐ کو اس کا مصداق قرار دے کر فضا کو آلودہ بنا ڈالا ۔ محدثین مانیں یا نہ مانیں ، امام بخاریؒ نے روایت ہذا کو لڑائیوں ، لشکر کشیوں ، خانہ جنگیوں اور فتنہ سامانیوں کے باب میں جگہ دے کر شعوری طور پر تسلیم کر لیا ہے ۔ کہ یہ حدیث سیاسی حدیث ہے ۔ اس سے نہ تو عقیدے کا اثبات ہو سکتا ہے ۔ اور نہ ہی کسی حکم کا استنباط ۔ کیونکہ نکرے کا جب " مشار الیہ " متعین کیا جائے گا تو اس کا عمل محدود ہو کر رہے گا ۔ اس سے استدلالِ عام کی جسارت وہی لوگ کر سکیں گے جو نہ کسی قاعدے قانون کا پاس کرنے والے ہوں گے اور نہ ہی اپنی جہالت پر پچھتانے والے ۔

نہ صرف یہ کہ سیاسی احادیث کا اعتبار نہیں ہوتا ۔ ابن الجوزی (م ۵۹۷ھ) و دیگر محدثین کی صراحت کے مطابق ، مثالب و مناقب کی ۔ روایات نیز صحت کے جوہر سے عاری متصور ہونگی ۔ کیوں کہ تاریخ گواہ ہے کہ اسلام کی رُبع صدی گزرنے سے پہلے ہی سیاسی احادیث کی وضع تراش

کی ٹکسالیں قائم ہو چکی تھیں۔ شام میں حمص، صیدا اور حلب۔ اور عراق میں کوفہ و بصرہ۔ اہم مراکز تھے جہاں تازہ بہ تازہ اور نو بہ نو سیاسی احادیث ڈھلتی اور متعارف ہوتی رہیں۔ اِدھر مرکزِ اسلام سے سینکڑوں میل دُور رہنے والے مناقب و مثالب اور سیاسی روایات کی گرم بازاری سے اس قدر حیران اور مبہوت ہو چکے تھے کہ انہیں سمجھ ہی نہ آتا تھا کہ اس خودرَو مواد کی بابت حرمین شریفین سے کسی طرح کی تصدیق طلب کر سکتے۔ چنانچہ اندیشۂ تحقیق سے بے نیاز ہو کر موقعہ شناسوں نے اپنی اپنی صف کی حمایت اور مخالف کی تنقیص میں وہ جوہر دکھلائے کہ الاماں۔

اس حدیث کو حرمین شریفین والے نہیں جانتے تھے (رحمت اللہ طارق)

سطورِ بالا ہماری اپنی ذہنی اختراع نہیں۔ بخاری کے سب سے بڑے شارح، مؤید اور پشتیبان حافظ ابن حجر نے زیرِ بحث حدیث کے راویوں کی سکونتی نشاندہی کر کے ایک گونہ ہماری تائید فرما دی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ۔

"والاسناد کلہ بصریون"

"اس حدیث کی تمام سندوں کے راوی مرکزِ اسلام سے باہر کے یعنی بصرے کے تھے"

(فتح الباری سلفی ۸/۷، ۹/۱۱ نیز عینی حنفی طبع مصر ۱۱/۳۵۰)

اور جس حدیث کو مرکزِ اسلام (مکہ و مدینہ) والے نہ جانتے ہوں۔ اس کی بابت امام مالک (۹۵ھ) فرماتے ہیں:۔

اذا خرج الحدیث عن الحجاز انقطع نخاعہ (تدریب الراوی جلال سیوطی طبع مصر ص۲۳)	"جس حدیث کو حجاز سے باہر جنم ملا اس کا مغز جاتا رہا (وہ بے مغز ہے)"

اسی طرح امام شافعیؒ (۸۲۰م) کا ارشاد ہے:۔

اذا لم یوجد للحدیث من الحجاز اصل ذهب نخاعه۔ (تدریب الراوی ص۲۳)

"جس حدیث کی اصل اور بنیاد حجاز میں نہ پائی جاتی ہو۔ وہ حقیقت سے عاری ہے"

ابنِ حجر، عینی اور جلال الدین سیوطیؒ (۱۵۰۵م) کی اِن تصریحات کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ حدیث صحابۂ کرام خصوصًا حضرت طلحہ شہید (۶۵۶م) زبیر شہید (۶۵۶م) حضرت عائشہؓ (۶۷۸م) سیّدنا امام حسن علیہ السلام (۶۷۰م) اور سیّدنا علی علیہ السّلام کو معلوم نہیں تھی۔ بلکہ جنگِ جمل کا حادثہ اگر مرکزِ اسلام سے دُور عراق میں رُونما نہ ہوا ہوتا تو ممکن تھا کہ خود نفیع کے شاگرد بھی اسے نہ جانتے ہوتے۔ اور ہم سمجھتے ہیں کہ اہلِ حرمین، سیّدنا علیؓ اور آپ کی بیس ہزار فوج، سیّدنا عائشہؓ اور آپ کے تیس ہزار ساتھی اور عشرہ مبشّرہ کا ایک نازک موقعہ پر اس حدیث کو نہ جاننا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ حدیث وضعی ہے، روایت کرنے والا کوئی بھی ہو۔ ایسے میں یہ کہنا کہ دَورِ فتن، سیاسی رجحانات اور پولٹیکل وابستگیوں کا کوئی رَدِّ عمل نہیں ہوا۔ حقائق سے چشم پوشی ہے۔ محدّثین کرام یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ایک راوی فی نفسہٖ سچّا ہے لیکن روایت کرتے وقت گروہی احساسات کا زیادہ پاس کرتا ہے۔ تو اس کی روایت قابلِ تأمل ہے (امام مالک بحوالہ "الکفایہ" خطیب بغدادی طبع دکن ۱۳۵۷ھ ص۱۲۶/۱۵ تا ۱۹) اور ابنِ حجر ایسے راوی کو اہلِ بدعت شمار کرکے پھر اسی پہلے نے اس کی ہمنوا روایت کو مسترد کرتے ہیں (نزہۃ النظر ص۳۷) تو جس وقت یہ بات اصُول کی حد تک محدّثین کرام کو بھی مسلّم ہے تو کیا وجہ ہے کہ امرِ واقعی کی حد تک ناقابلِ تسلیم ہو۔

غور فرمائیے کہ زیرِ بحث پولٹیکل حدیث کی بخاری کے ذریعہ دو سندوں کا ایک راوی عوف بن ابی جمیلہ (متوفی ۱۴۶ھ/۷۶۳م) بایں زہد و تقویٰ اور صدق شعاری باتّفاق محدّثین و ائمہ رجال "شیعہ"

تھے۔اور شیعہ بھی اس شان کے کہ خود امام بخاری و مسلم کے متفقہ استاد محمد بشار عرف بندار (متوفی ۲۵۲ھ) کو نہایت شدید لہجے میں کہنا پڑا کہ عوف نہ صرف رافضی تھا، شیطان بھی تھا۔ (بحوالہ میزان الاعتدال، طبع مصر ۲/۳۰۹) تقریب التہذیب طبع مصر ۲/۸۹

یہاں شیطان کہنے سے کسی کے جذبات مجروح نہ ہونا چاہئیں کہ مذہبی یا سیاسی گالی مسلم ثقافت کا لازمی جزو ہے۔ دکھلانا یہ مقصود تھا کہ عوف کا اس گروہ سے تعلق تھا جو عائشہؓ کے بارے میں نیک خواہشات نہیں رکھتا تھا لہٰذا عائشہ کے بارے میں ان کی مخالفانہ گواہی بار نہ پاسکتی تھی۔

یہ حدیث منقطع ہے (رحمت اللہ طارق)

مذکورہ بالا سطور میں واضح کیا جا چکا ہے کہ جنگِ جمل کے بارے میں ایک خاص تأثر چھوڑنے کے لئے سیاسی ہاتھوں نے اس حدیث کو جنم دیا اور زوجۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں قیامت تک کے لئے ایک ناگوار تأثر کو پروان چڑھا گئے۔ اب آپ اس سند کا دوسرا ناقابلِ تلافی عیب ملاحظہ فرمائیے۔ جس کی فنی اقدار کو سامنے رکھ کر ہرگز ہرگز تلافی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ حدیث کا درمیانی واسطہ بالکل ندارد ہے۔ جناب عوف کے استاد اور تابعین کے مشہور پیرِ طریقت حسن ابن ابی الحسن البصری (متوفی ۱۱۰ھ) جو کہ اس سند کے دوسرے اہم راوی ہیں۔ بایں جلالتِ شان احادیثِ نبوی میں بدترین قسم کا تصرف کرنے کے عادی تھے۔ علامہ خزرجی (متوفی ۹۲۳ھ) نے لکھا ہے کہ یہ شخص صحابۂ کرام کی بھاری جمعیت سے یونہی مرسل روایتیں بیان کرتا تھا۔ (ص۶۶ سطر ۵) اور ابنِ سعد نے لکھا ہے کہ حسن بصری نے جس روایت کو مرسل انداز سے روایت کیا ہو۔ تو وہ ناقابلِ حجت ہے (سطر ۶)

علامہ خزرجی اور ابن سعد وغیرہ کی تصریحات سے واضح ہوا کہ حسن بصری منقطع اور مرسل روایتیں بیان کرنے کا عادی تھا وھو المطلوب۔ اب دیکھئے کہ حسن مذکور زیرِ بحث فقرہ کو

روایت کرتے ہیں۔ جناب ابوبکرۃ (ابوبکر نہیں) سے جن کا پورا نام نفیع بن الحارث تھا۔ ادھر محدثین کرام تصریح فرما چکے ہیں کہ حسن مذکور کی روایت ذیل کے صحابہ سے ثابت ہی نہیں ہے۔ (خزرجی ۶۶/سطر ۵) مثلاً حضرات جندب، انس، عبدالرحمٰن بن مغیرہ، ابوبکرہ، معقل بن یسار، ابوہریرہ اور سمرہ رضی اللہ عنہم (سطر ۵) اور جب حسن کی روایت ابوبکرہ سے ثابت ہی نہیں ہے۔ تو ہم کیونکر باور کریں کہ عورت کی سربراہی میں تباہی کا تخیل عام کرنے یا جنم دینے کے ذمہ دار تنہا حضرت ابوبکرہ ہی ہو سکتے ہیں۔؟

ایک مغالطہ (رحمت اللہ طارق)

محدثین کی اصطلاح میں جب کہا جائے کہ فلاں راوی فلاں شیخ سے روایت کرتا ہے تو اس سے ان کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ اس راوی نے ضرور ہی اپنے شیخ سے بالمشافہ روایت کی ہے؟ بالواسطہ روایت کو بھی سلسلہ رواۃ ہی میں شمار کر لیا جاتا ہے۔ اور یہی مغالطہ حسن بصری کے بارے میں بھی پیش آیا کہ اسے ابوبکرہ کا شاگرد بتایا گیا ہے۔ لیکن علامہ خزرجی نے جن الفاظ میں اس مغالطہ کا محاسبہ کیا ہے۔ ان کی موجودگی میں حسن کا ابوبکر سے بلا واسطہ کچھ روایت کرنا ثابت ہی نہیں ہوتا خزرجی نے حسن کی جن صحابہ سے روایتیں کرنا مشہور کیا گیا ہے۔ ان میں ابوبکرہ کا نام تو لیا ہے مگر ساتھ ہی لکھ دیا ہے کہ "لم یصح" حسن کا ابوبکرہ کی شاگردی کا ناطہ ثابت ہی نہیں ہے کیونکہ صحیح دلائل اس کی تائید سے قاصر ہیں (خزرجی ص۶۶ سطر ۴)

یہ تو ہوا حدیث کے منقطع ہونے کا سبب۔ جسے مربوط کر دکھانا جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہے۔ اور اگر منقطع نہ بھی تسلیم کر لیا جائے تو بھی تدلیس بجائے خود اتنا بڑا عیب ہے جو ایک مضبوط سے مضبوط روایت کا دھڑن تختہ کر دینے کے لئے کافی ہے۔

اس حدیث میں جھوٹ کا شائبہ (رحمت اللہ طارق)

اس حدیث کو مجروح اور بے ثبات کر دینے کے لئے تیسری دلیل یہ ہے کہ حسن بصری بتصریحات محدثین غالی قسم کے مدلس بھی تھے۔ امام ذہبی لکھتے ہیں کہ کان الحسن کثیر التدلیس یعنی حسن حد سے بڑھے ہوئے مدلس تھے۔ یہ جب اپنے "اوپر" کے راوی سے "عن" کہہ کر روایت کریں۔ تو اس کی روایت ضعیف اور کسی حال میں بھی قابلِ حجت نہیں ہے۔ بلکہ اس وقت تو اس کی روایت کا اعتبار بالکل ہی نہ کرنا چاہیئے۔ جب وہ ایسے صحابی سے "عن" کہہ کر روایت کریں جن سے ان کی ملاقات ہی ثابت نہ ہو، جیسے ابوہریرہؓ (اور بقول خزرجی ابوبکرۃ نیز) (میزان الاعتدال ۱/۲۴۵ ع ۱۹۱۹)

اس وضاحت کے بعد ایک بار زحمت فرما کر زیر بحث حدیث کی تمام اسناد ملاحظہ فرمایئے۔ تو آپ پر روشن ہو جائے گا کہ وہاں حسن مذکور جناب ابوبکرہ سے حرف "عن" کہہ کر ہی روایت کرتے ہیں جو کہ روایت کے ضعف اور کمزوری کی واضح علامت ہے۔ پھر دیکھئے کہ یہ شخص بقول حافظ ابن حجرؒ مرسل روایتیں بیان کرنے کا اتنا عادی تھا کہ ہر کس و ناکس سے بے دریغ روایت کر لیا کرتا تھا۔ اور بقول نسائیؒ، تدلیس اس کا دل پسند مشغلہ تھا (بحوالہ طبقات المدلسین طبع مصر ص۸ تقریب التہذیب طبع مصر ۱/۱۶۵/۲۶۳ وغیرہ) امام ابو عبداللہ حاکم نے لکھا ہے کہ حسن بصری اتنا غالی اور ہوشیار مدلس تھا کہ اس کے عمل تدلیس سے بڑے بڑے محدثین ورطۂ حیرت میں پڑ جاتے اور حق و باطل میں امتیاز کرنے سے عاجز آجاتے تھے (معرفۃ علوم الحدیث ص۱۰۳)

تدلیس کیا ہے؟ (رحمت اللہ طارق)

امام عبداللہ حاکم (متوفی ۴۰۵ھ) نے محدثین کے حوالے سے لکھا ہے کہ دین میں جھوٹ

فریب۔ دھوکہ اور تدلیس ایک ہی سطح کے گناہ ہیں (معرفۃ علوم الحدیث طبع مصر ۱۹۳۷ء ص ۱۰۳)

امام المحدثین یزید بن زریع (المتوفی ۱۹۷ھ) نے کہا ہے کہ تدلیس میں ارادہ کارفرما ہوتا ہے اس لئے یہ بھی ایک نوعیت کا جھوٹ ہی ہے۔ یعنی "من کذب علی" کی زد میں آسکتا ہے۔

تدلیس کا یہ مفہوم ذہن میں رکھ کر آپ اندازہ فرما سکتے ہیں کہ جُرم کے لحاظ سے یہ کس قدر سنگین نوعیت کا گناہ ہے۔ نہ صرف اتنا بلکہ دینی نقطۂ نظر سے کس قدر حرام اور کذب علی الرسول کے مساوی حرکت ہے؟ اور کیسے کیسے پاکباز لوگ اس عیب میں ملوّث تھے۔

کچھ لوگوں نے حسن بصری کے اس عیب کی یُوں بھی توجیہ کی ہے کہ آپ نے حجّاج بن یُوسف کے ڈر سے یہ پیشہ اختیار کیا تھا کیونکہ آپ اموی ماحول میں علوی روایات بیان نہیں کر سکتے تھے۔ جیساکہ تہذیب التہذیب میں ہے۔ ہمارے نزدیک یہ توجیہ بھی حسن بصری کے اس پوشیدہ عیب کو جسے آپ نے روزمرّہ کے معمول اور کردار میں شامل کر رکھا تھا، خفیف اور ہلکا نہیں کہہ سکتی بلکہ دینی تقاضے ہم سے سوال کرتے ہیں کہ ہم شخصیّت پرستی کا ایسے مقام پر مظاہرہ نہ کریں جہاں کہ اصل دبنیاد پر زد پڑتی ہو اور جہاں کہ حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ذاتِ اقدس کو غلط طور پر استعمال کیا جاتا ہو۔ حسن بصری کی جلالتِ شان مسلّم اور عظمتِ کردار قابلِ اعتراف۔ لیکن حق و صداقت اس سے بھی اُونچے ہیں کہ ہم انہیں شخصیّتوں کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھائیں۔ اگر فاروق اعظمؓ، ابوہریرہؓ جیسے پاکباز صحابئ رسُولؐ سے حدیث کے بارے میں ثبوت طلب کر سکتے ہیں۔ اگر صحابہ کرام کی قرآنی جیوری فاروق اعظمؓ سے آیۂ رجم کی قرآنیت پر، ایک مزید گواہ طلب کر سکتی ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ جناب حسن بصری جو ہزارہا درجہ صحابۂ کرام سے فرو تھے۔ ان کی شخصیّت کو بے چُون وچرا متبوع تسلیم کر لیا جائے؟ یہاں سند اور حجّت کلام الٰہی ہے یا پھر رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا وہ فرمان جو محدّثین کے بنائے ہوئے تمام اصُولوں کے مطابق ثابت ہو، باقی سب مٹنے والے نقوش ہیں۔

ہمارے نزدیک یہ اصولِ دوستی نہیں ہے کہ وجیہہ۔ اور بلند شخصیتوں پر کتابوں میں جرح تو پڑھ لی جائے لیکن ان کی روایات کو قابلِ بحث نہ سمجھا جائے؟ آخر محدثوں نے کس بنا پر، ابوحنیفہ۔ محمد۔ زفر اور قاضی ابویوسف کی روایات کو مسترد کیا ہوا ہے جب کہ ان کی شخصیتیں کسی طرح بھی امام بخاری سے کم درجہ کی نہیں؟ حنفیوں کو کیا حق پہنچتا تھا کہ صحابۂ رسولؐ۔ ابوہریرہؓ اور انسؓ پر غیر فقیہہ ہونے کی پھبتی کستے رہیں؟ اگر یہ سب کچھ دین کی خیر خواہی کے تقاضوں کو ملحوظ رکھ کر روا تھا اور آج بھی درس وتدریس کے طور پہ روا ہے تو بتایا جائے کہ رجال اور اصول کی یہ تمام کتابیں ہمارے کس کام کی ہیں جب کہ ہم ان کی تحریر پر کسی طرح کا اعتماد کرکے عملاً استفادہ نہیں کرسکتے؟ اگر یہ فرقے ایک دوسرے کی احادیث مسترد کرکے اصول اور تنقید کی آڑ میں بے ادب اور منکرِ حدیث نہیں کہلائے تو حقیقت کی رو سے جو حدیث میزانِ تنقید میں پوری نہ اترتی ہو، اس کے منوانے پر کیوں زور دیا جا رہا ہے؟

حسن بصری کا سیاسی مذہب (رحمت اللہ طارق)

سابقہ سطور میں ہم نے عوف اعرابی اور حسن بصری کے نظریاتی کردار کا تجزیہ کیا اور ان کی شخصیتوں کو قابلِ احترام سمجھتے ہوئے بھی اس قابل نہیں جانا کہ ان کی ہر بات قابلِ قبول ہی ہے۔ اب ہم کہتے ہیں اور واشگاف الفاظ میں کہتے ہیں کہ زیرِ بحث حدیث کے ذمہ دار جناب ابوبکرہ نفیع بن الحارث نہیں[1] عوف اعرابی یا پھر خود جناب حسن بصری صاحب ہی ہیں۔ اور ہمارے اس شک کو اس وقت اور بھی تقویت ملتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ بعض مؤرخین کرام نے حسن کے بارے میں لکھا ہے کہ

---

[1] سابقہ اوراق میں جہاں ابوبکرہ نفیع بن الحارث کی بابت کچھ اشارے کئے گئے تھے وہ دراصل وکیلِ صفائی ابنِ حجر کی غلط توجیہات کو ملحوظ رکھ کر کئے گئے تھے۔

شب فی کنف علی ابن ابی طالب یعنی حضرت علیؓ کے سایۂ عاطفت میں پلے اور جواں ہوئے (ملاحظہ ہو، حلیۃ الاولیاء طبع مصر ۲/۱۳۱۔ امام المرتضیٰ ۱/۱۰۶۔ ذیل المذیل ص۹۳ وغیرہ)

اور جب حضرت علیؓ کے سایۂ عاطفت میں پلے اور جواں ہوئے تو ظاہر ہے کہ آپ کسی طرح بھی بشری انفعالات سے الگ نہیں ہو سکتے تھے۔ اور آپ کے بھی سیّدہ صدیقہؓ کے بارے میں وہی جذبات ہو سکتے ہوں گے جو کہ اس وقت کی سیاسی فضا میں جانبدار نہ ہو سکتے تھے بلکہ کتب احادیث کی ایک مشہور روایت کی رُو سے تو یہاں تک بھی ثابت ہے کہ آپ کارزارِ جمل میں ہاتھ میں تلوار لئے۔ عائشہ صدیقہؓ کے خلاف لڑنے جا رہے تھے کہ بقول ان کے انہیں وہی ابوبکرہ سلے۔ جن سے زیر بحث روایت مروی ہے۔ اُس نے کہا کہ حسن کہاں جا رہے ہو۔ میں نے کہا کہ اريد نصرة ابن عم رسول الله صلى الله عليه وسلم۔ یعنی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی کی طرف سے جنگ لڑنے جا رہا ہوں۔ اس پر ابوبکرہؓ نے ایک حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے حسن بصری کو کہا کہ:۔

"دونوں پارٹیاں جب مسلمان ہوں اور دونوں تلوار سے آمنا سامنا کریں تو دونوں فریق دوزخی (کافر) ہیں" (بحوالہ بخاری کتاب الفتن)

علامہ بدرالدین عینی نے ابن عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریح میں لکھا ہے کہ هو علی ابن ابی طالب یعنی ابن عم رسول اللہ سے مراد علی ابن ابی طالب ہیں (عینی ۱۱/۲۲۶ طبع القاہرہ)

یہ واقعہ سند کے لحاظ سے جس نوعیت کا بھی ہو۔ اس سے بحث نہیں۔ نیز اس سے بھی بحث نہیں کہ حسن بصری کو عائشہؓ کے خلاف تلوار استعمال کرنے سے روکنے والے ابوبکرۃ تھے یا نہیں؟ ہمارا مقصد یہ واضح کرنا تھا کہ حسن بصری اپنے ہی الفاظ میں اور اپنے ہی اعتراف کے بموجب دشمنانِ صدیقہ میں سے تھے۔ ایسے میں آپ نے زیر بحث حدیث بیان کر کے خداترسی کا ثبوت

نہیں دیا۔ لہٰذا فریقِ مخالف ہونے کے باعث آپ کی یہ روایت قابلِ حجت اور قابلِ استدلال نہیں ہے کیوں کہ محدثین حضرات یہ تسلیم کرتے ہیں کہ راوی کا نظریاتی کردار روایت کی پوزیشن پر اثرانداز ہو جاتا ہے۔

یہ ہیں وہ وجوہات جن کی روشنی میں ہم نے ابتداء میں عرض کیا تھا کہ اس حدیث کو جنم دیتے وقت نہایت چابکدستی اور ہوشیاری سے کام لیا گیا ہے لیکن آگے چل کر ہماری شومیٔ قسمت آڑے آ گئی کہ ہم ہاتھ کی صفائی کو اصل حقیقت سمجھ کر جبیں سائی پر مجبور ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ

ابنِ حجرؒ کی مایوسی (رحمت اللہ طارق)

حافظ ابنِ حجرؒ مرحوم جو بڑے پائے کے محدث اور حدیثِ نبویؐ کے شارح ہو گزرے ہیں۔ آپ نے جب محسوس کیا کہ بخاری کی دونوں سندیں توثیق اور پشتپناہی کا حق ادا کرنے کے باوصف اِس قابل نہیں کہ زیرِ بحث حدیث کو صحیح و سچ ثابت کر سکیں تو آپ نے اہلِ بصیرت تنقید نگاروں کی توجّہ ہٹانے کے لئے اس کمزوری کا دَبے الفاظ میں اعتراف کرتے ہوئے لکھ دیا کہ بخاری کی سندوں کی بہ نسبت حُمید طویل والی (ترمذی اور نسائی کی) روایت ہی معتبر اور گوارا ہے۔ آپ کے الفاظ ہیں کہ واحسنها اسنادا روایه حمید (فتح الباری ۱۳/۴۵/۵)

ابنِ حجرؒ کی وضاحت کے معنی یہ ہوئے کہ اس حدیث کی جس سَند میں بھی حمید واقع ہے، وہی صحیح اور قابلِ اعتبار ہے۔ باقی سب ناقابل! چشمِ ما روشن دلِ ماشاد۔

آیئے! اب علامہ ابن حجرؒ کی خاطر حُمید کی سَندوں کا جائزہ بھی لیتے جایئے۔ امام ترمذیؒ لکھتے ہیں کہ :۔

۱۔ محمد بن المثنی ۔ خالد بن الحارث ۔ حدثنا حُمید الطویل ۔ عن ۔ الحسن عن ابی بکرۃ (ترمذی ابواب الفتن، خالی باب ۵ۍ)

۲۔ امام نسائی نے بھی بعینہٖ یہی سند استعمال کی ہے جس میں حُمید۔عن الحسن۔عن ابی بکرۃ ہے۔ (نسائی طبع سلفیہ لاہور ۲/۳۰۱ حدیث ۵۳۹۰)

۳۔ امام احمد نے اساتذہ کے اختلاف کے ساتھ اس طرح بیان کی ہے۔

عبداللہ۔احمد بن حنبل۔اسود بن عامر۔حماد بن سلمہ۔عن حمید۔عن الحسن عن ابی بکرۃ (مسند احمد مع کنز العمال طبع مصر ۵/۴۳)

یہ ہے وہ مایہ ناز سند جس پر کامل بھروسہ، پُورے وثوق اور یقینِ محکم سے کام لے کر ابنِ حجرؒ نے اپنے اعتماد کی بنیاد رکھی ہے۔ یعنی یہاں بخاری کی ہر دو اسناد کے برعکس "عوف بن ابی جمیلہ" کی جگہ حمید الطویل۔تشریف لائے ہیں۔ لیکن بصد افسوس کہ حمید بصری (متوفی ۱۴۲ھ) نیز مرکزِ "تدلیس" بصرہ میں پیدا ہُوئے تھے۔ جیسا کہ عینی اور ابن حجرؒ کے اعتراف کے ساتھ گزر چکا۔ اور یہ حمید شیخ المحدثین و امام الاتقیاء ہونے کے باوجود مدلّس تھے۔ (طبقات المدلّسین بحوالہ نسائی ص۱۱) بلکہ ابن حجر کا اپنا یہ اعتراف بھی موجُود ہے کہ حُمید مدلّس تھے۔ اور اسی عیب کے باعث ہی امام بخاری نے اس کی وہی روایتیں قبول کی ہیں جن میں ہر بار سماع کی تصریح موجود ہے ورنہ تو معلق و متابع قسم کی احادیث کے ذیل میں لائے ہیں (جو کہ امام بخاری کی عادت کے بموجب اعلیٰ درجے کی احادیث نہیں ہوتیں۔) (خلاصہ از مقدمہ فتح الباری جلد دوم طبع منیریہ ص۱۲۵)

ابنِ حجرؒ کی طرح امام ذہبیؒ جو حمید کو اچھا جانتے تھے وہ بھی فرماتے ہیں کہ حمید طویل کی وہی روایت بالاتفاق قابلِ تسلیم ہے جس میں اُس نے سماع کی صراحت کی ہو۔ یعنی وضاحت سے کہا ہو کہ میں نے اپنے فلاں اُستاد سے یوں سُنا ہے۔ اس طرح ابنِ حجرؒ اور ذہبیؒ کی تصریحات واضح اور غیر مبہم ہیں۔ اور صاف صاف بتا رہی ہیں کہ حُمید رئیس المحدثین ہونے کے باوجود چونکہ مدلّس تھے لہٰذا جب تک اپنے اُستاد سے ہر بار حدثنا یا اخبرنا کہہ کر روایت نہ کریں انکی

روایت مردود اور ناقابلِ اعتبار ہے۔ بمجرد کلمہ۔عن کہہ کر روایت کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اب آپ حمید کی تینوں اسناد پر نظر دوڑا کر ملاحظہ فرمایئے کہ اس کی ہر ہر سند میں۔ عن۔ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے یعنی حسن بصری جس عیب میں خود ملوّث تھے اور سیّد المدلّسین کا تمغہ حاصل کر کے ناقابلِ اعتبار بن چکے تھے۔ اسی عیب میں ان کے نام نہاد شاگرد حمید طویل نیز ملوّث تھے یعنی یک نہ شُد دو شُد۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ حمید کے اسی ایک بھاری عیب کی وجہ سے امام عقیلی (۳۲۲ھ م) اور ابنِ عدی (متوفی ۳۶۵ھ م) نے آپ کی ثقاہت کو نظر انداز کرتے ہوئے ضعفاء اور مجروح راویوں کے خانے میں ڈال دیا ہے۔ واللہ اعلم۔ اُمید ہے کہ علاّمہ ابن حجر مرحوم نے زیرِ بحث حدیث کی تمام سندوں حتیٰ کہ بخاری کی اسانید سے بھی مایوس ہو کر حمید بصری کے جن پتوں پر تکیہ کیا تھا بالآخر انہی پتوں کا ہوا دینا بھی آپ پر روشن ہو چکا ہوگا اور جن لوگوں نے خوفِ خدا کو پسِ پُشت ڈال کر زوجۂ رسولِ اکرمؐ کی اہانت پر مبنی۔ حدیث کو وحیِ منزّل سے تعبیر کیا تھا۔ ان کے مبلغ علم کی حقیقت نیز واضح ہو چکی ہوگی۔ اب آپ دیگر اسانید کا جائزہ لیتے جایئے تاکہ عوف اعرابی، اور حمید طویل کے علاوہ جن اور اشخاص کو بطور شاہد پیش کیا گیا ہے۔ ان کا تعارف بھی ہو سکے۔ لوگ تو کہتے ہیں کہ جب ایک ہی واقعہ کو متعدد افراد ذکر کریں اور بنیادی راوی جن پر کہ سلسلۂ سند پہنچتا ہے جیسے بھی معیار کے ہوں۔ اُس واقعہ کی اصلیت کا پتہ ضرور چل سکتا ہے لیکن ہم عرض کریں گے کہ بنیادی راوی ہی جب ہر خرابی کا منبع ہوں اور اس کے اعوان و انصار نیز فساد کی جڑ، تو بعد میں آنے والے ہم خیالوں کی بے ہنگم بھیڑ اس واقعہ کی "اصلیت" اور لا اصلیت پر کیوں کر اثر انداز ہو سکتی ہے؟ اسے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ خانہ ساز چوروں کے خانہ ساز گواہ۔ دوسری عالمگیر جنگ کے ایک ہیرو گوئبلز کا کہنا تھا کہ ایک جھوٹ کو تم بار بار دہراؤ اور پھر یہاں تک دُہراؤ کہ سننے والے یقین کر جائیں کہ بات کچھ ضرور ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اگر گوئبلز کے اسی اصول کے مطابق ہی آنے والے راویوں کو صفِ اوّل کے راویوں کے برابر شمار کر لیا جائے

تو پھر واقعی وضاعین اور کذابین کی ہر بات۔ حدیثِ رسولِ اکرمؐ ہی ہو سکتی ہے اور پھر مسلمانوں کو یہ ضرورت بھی نہ رہے گی کہ صحیح حدیث دریافت کرنے کے اُصول اور قوانین بروئے کار لائیں۔ لیجئے اب مزید اسناد ملاحظہ ہوں۔

(الف) یزید بن ھارون۔ مبارك بن فضاله عن الحسن عن ابی بکرة (مسند احمد ۵ ۴۹)

(ب) " " " (مسند احمد ۵ ۵۱)

جائزہ (رحمت اللہ طارق)

حسن بصری کے بارے میں تو آپ معلوم کر چکے کہ یہ حضرت مدلسوں کے سردار تھے۔ قابلِ اعتبار ہونے کے باوصف جب تک اپنے شیخ سے "تازہ بہ تازہ" سماع" کی وضاحت نہ کریں۔ اس وقت تک اپنے حواریوں کے نزدیک بھی آپ کی روایت کوڑی کے برابر کی نہیں ہے۔ یہ تو ہوا آپ کا تعارف حرف۔ عن۔ کی روشنی میں۔ اب ان سے نچلے راوی۔ مبارک کا حال سُنیئے۔ جو عوف اور حمید کی جگہ پر براجمان ہوئے ہیں۔ تو یہاں بھی آپ کو معلوم ہو کہ زیرِ بحث حدیث کے تمام راوی مرکزِ تدلیس بصرہ (معرفۃ علوم الحدیث طبع مصر ص۱۱۱) سے تھے۔ اور انہی بصریوں میں جناب مبارک بن فضالہ بھی تھے جن کے بارے میں امام ابُوزرعہ نے فرمایا کہ یہ بہت بڑے مدلس تھے۔ ابُوداؤد نے کہا کہ شدید التدلیس تھے۔ خود امام احمد بن حنبلؒ کا ارشاد ہے كان المبارك يدلس یعنی ابن فضالہ منظہر تدلیس تھے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ امام المحدثین ہونے کے باوصف مشہور نقاد امام یحییٰ قطان اس کی خوبیوں کا اعتراف کرنا حرام سمجھتے تھے۔ امام نسائی بایں جلالتِ شان اسے ضعیف ہی کہتے تھے۔ ان کی وفات ۱۶۵ھ میں بتائی جاتی ہے۔ اب فرمائیے کہ جن اسناد میں ایک ساتھ دو دو مدلس اور دو دو غلط بیان واقع ہوئے ہوں، ان کی صحت کا کیا کہنا؟ ہمارے خیال میں ان

راویوں نے جو کچھ فرمایا وہ وہی صدائے بازگشت تھی جو بصرے کی سیاسی فضا میں پہلے ہی سے گونج رہی تھی۔

(ج) عبداللہ۔ احمد بن حنبل۔ عفان۔ حدثنا حماد بن سلمۃ۔ انا علی بن زید۔ عن عبدالرحمٰن بن ابی بکرۃ (مسند احمد ۵/۵۰)

جائزہ (رحمت اللہ طارق)

اس سند میں ابوبکرہ کا شاگرد اس کا اپنا بیٹا عبدالرحمان بصری دکھلایا گیا ہے۔ لیکن اس سند کی کیفیت بھی اس تربوز کی مانند ہے جو باہر سے تو نہایت خوش رنگ اور جاذب نظر ہو۔ مگر اندر سے گلا سڑا ہو۔ کیونکہ حماد بن سلمہ جس نے ستر بیویاں کی تھیں۔ اس کا حافظہ خراب ہو چکا تھا۔ ابن ابی العوجاء نامی ایک شخص نے اس کی تصانیف کو اپنے افکار سے بھر دیا تھا۔ یہ حماد وہی بزرگ ہیں جنہوں نے ابن عباسؓ کے نام سے ایک روایت مشہور کر رکھی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ سبحانہ' کو ایک گھبرو نوجوان کی صورت میں اس حال میں دیکھا کہ آپ کے سامنے موتیوں کی چادر کا پردہ آویزاں تھا اور اللہ کے ہاتھ پاؤں سبز رنگ کی جھلک دے رہے تھے۔ وغیرہ۔ امام ذہبیؒ نے حماد کی بدترین روایت اسے ہی قرار دے کر واضح کیا ہے کہ وہ ایسی خرافات بیان کرنے سے بھی گریز نہیں کیا کرتا تھا۔ ابراہیم بن عبدالرحمٰن مہدی کا کہنا ہے کہ "صفات" کی حدیثیں اس کے پاس نہیں تھیں لیکن ایک بار عبادان گیا (بصرے سے غالباً ۱۲ میل دور ساحل ایران پر)، اور جب واپس آیا تو صفات کی حدیثیں بیان کرنے لگا اور وہ بھی غلط۔ کیونکہ وہاں تو کوئی بھی محدث نہیں تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ شط العرب (سمندر) سے شیطان آیا اور اس نے اس کو تعلیم دی، وغیرہ۔ یہ تو ہوا تلمیذ الشیطان جناب حماد کا تعارف۔ اب اس کے اُستاد علی بن زید بن جدعان بصری (متوفی ۱۳۱ھ) سے ملئے کہ یہ حضرت

بھی ابنِ عینیہ کے بقول ضعیف اور حماد بن زید کی تصریح کے مطابق حدیثوں میں الٹ پھیر کرنے والے تھے۔ اور سُنیئے کہ امام یزید بن زریع نے کہا کہ "یہ رافضی" تھے۔ احمد عجلی نے فرمایا کہ غیر ثقہ "شیعہ" تھے[1]۔ امام بخاری اور ابو حاتم نے کہا کہ اس کی روایت ناقابلِ حجت ہے۔ ابن خزیمہ اور "فسوی" نے واضح کیا کہ اس کا دماغ خراب ہو چکا تھا۔ اور یہ صحیح و غلط میں امتیاز کرنے سے قاصر تھا۔ یحییٰ قطان اس کی روایات بیان کرنے سے پہلو تہی کرتے تھے۔ فرمائیے جس سند میں اس شان کے راوی ہوں یعنی کچھ تلمیذ الشیطان اور کچھ دشمنانِ عائشہؓ تو ان کا قول واقعی صدیقہؓ کے بارے میں وحیِ الٰہی سے تعبیر کیا جا سکے گا؟ کاش ہمارے عُلماء کسی اصُول اور ضابطے کے پابند ہوتے اور زوجۂ رسولؐ کو گالیاں دینے کی بجائے قہرِ خدا سے پناہ طلب کرتے۔

(د) عبداللہ۔ احمد بن حنبل۔ احمد بن عبد الملک الحرانی۔

حدثنا بکار بن عبد العزیز بن ابی بکرۃ (مسند احمد ۵/۴۵)

جائزہ (رحمت اللہ طارق)

اس سند میں ابوبکرہ کا پوتا۔ بکار بصری واقع ہے جو ابن معین کے بقول (لیس شیٔ)

---

[1] اور شیعہ ہونا کوئی جرم نہیں ہے۔ احادیث کی وضع و تراش سُنّی بھی کرتے آئے ہیں۔ اور سُنیوں ہی کی طرح اخوان شیعہ کا بھی یہی اصُول رہا ہے کہ وہ پرستارانِ اہلِ بیت کے ماسوا کسی بھی راوی کی روایت کو اہمیت نہیں دیتے۔ حتیٰ کہ حسبِ پسند راویوں میں سے بھی کسی نے اگر رواداری سے کام لیتے ہوئے ایسی روایات پیش کر دی جو مسلکِ معصومین سے مختلف مفہوم دیتی تو "رجال" میں اس کی حیثیت کو واضح کرنے کے لئے "عامی" کا لفظ لکھ کر نشاندہی کر دی جاتی کہ اس کی روایت قابلِ تأمل ہے۔

ایک غیر معیاری انسان تھے۔ ابن عدی نے کہا ہے کہ یہ بھی اسی ٹائپ کے انسانوں میں سے تھے، جنہیں ضعیف کہا جاتا ہے۔ عقیلی نے کہا یہ ضعیف تھے۔ ذہبی نے اس کی بے سروپا احادیث میں سے نمونہ کے طور پر وہی حدیث پیش کی ہے جو حُسنِ اتّفاق سے زیرِ بحث ہے۔ (یعنی وہ قوم تباہی سے نہیں بچ سکتی جس نے کسی عورت کو اپنا سربراہ بنالیا ہو) لیکن لُطف کی بات یہ ہے کہ یہاں واقعہ جس پس منظر کے ساتھ سیٹ کیا گیا ہے وہ زیرِ بحث حدیث کے الفاظ سے مختلف ہے۔ تبصرہ ہم بعد میں کریں گے پہلے حدیث سُنیے۔ ابوبکرہ کے حوالے سے فرمایا جاتا ہے کہ ایک بار آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنا سر مبارک عائشہؓ کی گود میں رکھے ہوئے استراحت فرما تھے کہ مصر سے ایک پیغام رساں داخل ہوا اور اُس نے بتایا کہ اہلِ مصر نے ایک عورت کو سربراہِ مملکت بنایا ہے۔ چنانچہ یہ خبر سُنتے ہی آپؐ نے جھٹکا دے کر عائشہؓ کی گود سے اپنا سر مُبارک اٹھایا اور کھڑے ہو کر تین بار فرمایا کہ ہلاک ہو گئے مرد، عورت کی اطاعت کر کے۔ ہلاک ہو گئے مرد عورت کی اطاعت کر کے۔

(مسند احمد ۵/۴۵ میزان)

تبصرہ (رحمت اللہ طارق)

یہ حدیث اپنے مفہوم میں واضح ہے کہ الف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عائشہ صدیقہؓ کی گود میں سر مُبارک رکھے ہوئے تھے۔

(ب) مصر کا پیغام رساں پردہ کرائے بغیر اندر داخل ہوا تھا۔

(ج) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم طیش میں آکر کچھ فرما گئے۔ مقصد یہ کہ عورت کی سربراہی کو ہلاکت کا موجب آپؐ نے اُس وقت ٹھہرایا جب کہ عائشہ صدیقہؓ کی گود میں سر رکھے ہوئے تھے۔ اور عائشہ صدیقہؓ کو وحیِ الٰہی کا منشاء معلوم ہو چکا تھا کہ عورت نمائندہ حیثیت اختیار نہیں کر سکتی۔ لیکن اس کے باوصف

ہوا یہ کہ آپ نے جنگِ جمل میں جو کردار انجام دیا وہ وحیِ الٰہی کی مخالفت کے باعث عسکرِ عائشہؓ کی تباہی پر ہی منتج ہُوا۔ یعنی انکارِ وحی کی وجہ سے آپ کو اہلِ جہنّم کا پیشوا بننا پڑا۔

مخالفینِ عائشہ اپنے طور بدل بدل کر اگر یہی تأثّر دینا چاہتے تھے کہ آپ کا عمل سراپا نمونۂ خطا تھا۔ اور آپ نے جو کچھ کیا وحیِ الٰہی کے نقطۂ نظر سے کفرِ صریح تھا۔ تو میرے خیال میں شریف قسم کے وضّاعین کو پہلے تو اپنے دماغ کی خیر منانی چاہیئے کہ جھوٹ بولنے کے لئے بھی ایک سلیقہ ہوتا ہے۔ کم از کم واقعات کی منطقی تطبیق تو درست ہونی چاہیئے۔ اوٹ پٹانگ باتوں کا ذاتِ رسالتؐ کو ذمّہ دار گردانا اس سے زیادہ جُرم ہے جو کہ صدّیقہؓ بنتِ صدّیقؓ کی طرف منسُوب کیا جاتا ہے۔ مصر میں کب اور کس وقت عورت کو سربراہ بنایا گیا۔ جس پر آپؐ نے اظہارِ غصّہ فرمایا؟ اور بنایا جاتا تو بھی مصر اسلامی عملداری میں شامل نہیں تھا۔ وہاں کے باشندوں کی ہلاکت سے آپؐ کو کیا دلچسپی ہوسکتی تھی اور کیوں ان کا فروں پر ترس کھا رہے تھے؟ میرا خیال ہے کہ واقعات کا تانا بانا ترتیب دیتے وقت۔ دروغ گو را حافظہ نباشد، کے اصُول کو فراموش نہیں کیا گیا۔ جبھی تو اتنی فاحش غلطی سرزد ہوتی چلی گئی۔ اور آنے والے متّبعینِ سنّت انہی سازشوں اور کذّابوں کی ہیرا پھیری کو وحی الٰہی تسلیم کرتے رہے! پھر دیکھیئے کہ مشاہدے کی گواہی یہ ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے عہد میں مصر اور شام پر بیزنطینی امپائر کے آخری تاجدار ہرکولیس (۶۱۰ء تا ۶۴۱ء) فرماں روا تھے۔ جس کے آخری دَورِ حکومت میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم (۶۳۲ء میں) اس جہاں سے رُخصت ہو گئے۔ اَور دُوسرے الفاظ میں نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی پوری زندگی میں مصر پر عورت کو سربراہ بننے کا موقع ہی نہیں مِلا۔ اَیسے میں راویانِ احادیث کو بتانا چاہیئے کہ کب اور کس وقت اور کس نام سے اہلِ مصر نے عورت کو منصبِ سربراہی تفویض کیا؟ اَور پیغام رساں کا نام کیا تھا؟ جو بن پُوچھے خلوت کدۂ نبوّت میں داخل ہوا؟ تا کہ حدیث کی واقعات سے کچھ نہ کچھ تطبیق کی صورت نکل سکے۔

اُمید ہے کہ زیرِ بحث روایت پر ان فنّی، علمی اور جان لیوا تنقیدوں کے بعد اس کی رہی سہی رمق بھی جاتی رہی ہوگی۔ اور جن حضرات نے جذبات کے تابع ہو کر زوجۂ رسولِ اکرمؐ کے خلاف ایک گہری سازش کو وحیِ الٰہی سے تعبیر کر کے منکرین پر کفر کے فتوے دیئے۔ ان کا پہلا فرض یہ ہے کہ اس رسوائے عالم۔ نام نہاد عربی فقرے کو حدیثِ نبویؐ ثابت کر دکھلائیں وحیِ الٰہی کا مرحلہ تو بعد کا مرحلہ ہے۔

تھیاکریسی فلسفہ حیاتِ عورت کا سماجی رُتبہ تسلیم نہیں کرتا (رحمت اللہ طارق)

گذشتہ اوراق میں زیرِ بحث اور اس کی معاون روایات کا فنّی تجزیہ کر کے نقیبانِ جہالت کا ہمہ پہلو مبلغ علم واضح کیا گیا ہے کہ انہیں اتنا بھی شعور نہ تھا کہ ایک ایسی روایت جو صدیقہ بنتِ صدیق رضی اللہ عنہا کی اہانت کی غرض سے دانستہ وجود میں لائی گئی۔ اُسے ہی لے کر یہ لوگ عورت کی صدارت و امارت کو معرضِ بحث میں لاتے رہے۔ گو بظاہر عورت کو تھرڈ پوزیشن میں لانے کے لئے روایت لہٰذا ایک حسین بہانہ بنی رہی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ تھیاکریسی فلسفۂ حیات خود بھی عورت کے سماجی رتبہ کو تسلیم نہیں کرتا اور جس قوم کی تھیوری میں کسی ایک ضعیف بشر کو کمتر درجے پر رکھنا شامل ہو وہ اپنی تھیوری سے اِدھر اُدھر نہیں جا سکتی۔ قرآن ہزار بار فرما دے کہ عورت و مرد میں قصاص و خون بہا کے معاملہ میں کوئی امتیاز اور فرق نہیں ہے۔ مگر یہ اپنی تھیوری افتاد کے حوالے سے قرآن کے واضح حکم کو تسلیم نہیں کر سکتے۔ آپ ہماری تحلیل و تجزیہ کے علاوہ بھی اگر چاہیں تو "مشاہدے" کے تناظر میں اس حقیقت کا سراغ لگا سکتے ہیں کہ زوالِ اُمّت کے اسباب جوہری ہوں خواہ عارضی۔ ان میں علماء اور "مرد" حکمرانوں کا زیادہ عمل دخل رہا ہے۔ بنابریں آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ حکمران چونکہ طبقۂ نسواں سے تعلق رکھتا تھا۔ لہٰذا اُمّت کی فلاح و بہبود کا معاملہ کھٹائی میں پڑتا رہا۔ کیوں کہ دورِ جمہوری سے پہلے عملاً تھیاکریسی طرز کی حکومتیں رہی ہیں۔ یعنی پنڈت اور مُلّا اپنے فیصلوں کو خدا کے فیصلوں کا نام دے کر حکامِ وقت

کی مطلق العنانی اور اپنے اختیارات میں اضافے کرتے رہے اور مجموعی طور پر سبھوں نے مل کر عورت کے حقِ جہانبانی و حکمرانی کا چانس ہی ختم کر رکھا تھا۔ ایسے میں آپ یہ کہنے کے مجاز نہیں رہے کہ اُمت کی تباہی و بربادی میں عورت بھی برابر کی سہیم و شریک ہے یا یہ کہ صرف وہی ذمہ دار ہے؟ ویسے یہ فلسفہ ہے عجیب کہ انگلستان کی ملکہ اور وزیر اعظم دو عورتیں ہو کر حکم چلائیں۔ ناروے اور ہالینڈ میں صنفِ نازک ہی فرماں روا ہو۔ انڈیا میں عورت ہی کے دَور میں فتوحات اور ایٹمی دھماکے ممکن ہوں سری لنکا میں ایک عورت ہی کے طفیل امن قائم ہوا۔ اور فلپائن کے لوگ جان کی بازی لگا کر ایک عورت ہی کو اطاعت کیشی کا محور بنائیں۔ مگر ان ممالک میں نہ تو تباہی و بربادی نازل ہو اور نہ ہی کوئی مذہبی فلسفہ زوال پذیر!

حقیقت یہ ہے کہ تھیاکریسی فلسفۂ حیات نے جن اصنافِ بشر کو تھرڈ پوزیشن میں رکھا تھا مسلمان آج بھی اسی فلسفہ کے دلدادہ اور اسی پر گامزن ہیں۔ لہٰذا وہ سیکولر نظریۂ حیات کا جس کا صحیح مفہوم طبقۂ علماء و مشائخ کے علاوہ عامۃ الناس کو بھی حکمرانی کا حق ادا کر کے طاقت کا سرچشمہ عوام کو بناتا ہے (اس کو) تسلیم ہی نہیں کرتے۔ اور کتنے افسوس کی بات ہے کہ پاکستان کی جماعتِ اسلامی سیکولر کے معنی "لادینی" کر کے خلقِ خدا کو صریح دھوکہ دے رہی ہے۔ جب کہ یہ لفظ تھیاکریسی کے جواب میں وضع ہوا۔ اور حکومت کو پاپائیت اور مشیخیت کے بے رحم چنگل سے نکال کر عامۃ الناس کی دہلیز تک لے آنے کا ذریعہ ٹھہرا۔ یہاں نہ تو "لادینیت" کا دخل ہے۔ اور نہ ہی دینداری کا عمل۔ اب پھر دیکھئے کہ یہ تھیاکریسٹ بایں ہمہ دعوئ خدائی، ایسے بھی مسلم فرماں رواؤں کی اطاعت کرتے رہے جو یا تو زنخے تھے یا پھر اپنے اُوپر دردِ زہ کی کیفیت طاری کر کے عورتوں کی طرح کراہنے اور چیخنے کی مشق کرتے تھے کیونکہ شریعت غرا نے صرف عورت ہی کو نشانۂ تحقیر بنایا ہے، مرد جیسے بھی ہوں واجب تکریم و لائقِ احترام ہیں[1]

---

[1] عورت اور مسئلہ امارت: ص ۳۰ تا ۴۴

امام ابوعبداللہ محمدّ بن اسمٰعیل البخاری رحمۃ اللہ علیہ

جناب رحمت اللہ طارق نے احادیث اور ائمہ حدیث کے خلاف جس طرح اپنے بغض و عناد کا کھل کر اظہار کیا ہے۔ اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ ان کے دل میں اسلامی تعلیم کی کوئی قدر و منزلت نہیں۔ بلکہ ان کے سر پر صرف عورت کی سربراہی کا بھوت سوار ہے۔ چونکہ انہوں نے صحیح بخاری کو مشکوک بنانے کی کوشش کی ہے۔ اس لئے مناسب ہوگا کہ پہلے صحیح بخاری اور اس کے عظیم مصنّف کے بارے میں ائمہ حدیث نے جو فرمایا ہے۔ اس کی ایک جھلک دیکھ لی جائے۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ دوسروں کو چابکدستی کا طعنہ دینے والے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے صحابیؓ۔ تابعینؒ اور ائمہ حدیث پر کیچڑ اچھالنے والے نے خود کیسی چابکدستی، دجل اور فریب کے ذریعے حقائق کو مسخ کرنے کی کوشش کی ہے۔ جس حدیث کی کتاب کو اپنے طعن کا نشانہ بنایا ہے۔ اُمّتِ محمّدیّہ کے ائمہ و علماء کرام کے نزدیک اس کا کیا درجہ و مقام ہے۔

امام بخاریؒ کی پیدائش ۱۳ شوال ۱۹۴ھ میں جمعہ کے دن نماز جمعہ کے بعد بخارا میں ہوئی۔ امام بخاریؒ ابھی چھوٹے تھے کہ ان کے والد اسمٰعیلؒ کا انتقال ہو گیا۔ اپنی موت سے پہلے انہوں نے کہا تھا کہ انہیں اس بات کا علم نہیں کہ ان کے مال میں کبھی حرام شامل رہا ہے یا اس کا شبہ ہی پیدا ہو۔ والدِ محترم کی وفات کے بعد ان کی والدہ ماجدہ نے پرورش کی۔

بچپن میں امام بخاریؒ کی بینائی چلی گئی۔ ان کی والدہ ماجدہ کو خواب میں بشارت دی گئی کہ کثرت سے مانگی جانے والی تمہاری دعاؤں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تمہارے بیٹے پر اس کی بینائی لوٹا دی ہے۔ صبح جب بیدار ہوئیں تو دیکھا کہ واقعۃً بیٹے کی بینائی واپس آچکی ہے۔

والدہ ماجدہؒ امام بخاریؒ اور ان کے بڑے بھائی احمد کو ساتھ لے کر حج کرنے مکہ آئیں۔ حج

کے بعد امام بخاریؒ حصولِ علم کے لئے مکہ ہی میں مقیم ہو گئے [1]

امام ابو عبداللہ شمس الدین الذہبی نے نقل کیا تھا کہ اپنے شہر میں محمد بن سلام المسندیؒ اور محمد بن یوسف البیکندی سے احادیث سننے کے بعد بھائی اور والدہ ماجدہ کے ساتھ سفر پر نکلے۔ بلخ میں مکی بن ابراہیم بغداد میں عفان، مکہ میں المقرئی، بصرہ میں ابو عاصم اور الانصاری، کوفہ میں عبیداللہ بن موسیٰ شام میں ابوالمغیرہ اور الفریابی، عسقلان میں آدم، حمص میں ابوالیمان اور دمشق میں ابومسہر سے علم حاصل کیا۔ پھر تصنیفِ تحدیث میں مصروف ہو گئے۔ حالانکہ اُن کے چہرے پر بال نہ اُگے تھے۔

وکان راسا فی الذکاء رأسا فی العلم ورأسا فی الورع والعبادۃ [2]	"ذکاوت وعلم اور عبادت و پرہیزگاری میں وہ سب سے آگے اور بلند و بالا تھے"۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اسماء الرجال میں ان کا ذکر یوں کیا ہے۔

جبل الحفظ وامام الدنیا فی ثقۃ الحدیث [3]	"حافظے کے اعتبار سے پہاڑ اور حدیث میں ثقہ ہونے کے اعتبار سے دنیا کے امام تھے"۔

کرمانی کے الفاظ ہیں کہ امام مسلمؒ جب بھی ان کے پاس حاضر ہوتے ان کو سلام کرتے اور کہتے، اسے حدیث میں خرابی کا علاج کرنے والے۔ اے اُستاذ الاساتذہ، اے سید المحدثین! مجھے اجازت دیں کہ میں آپ کے پاؤں کا بوسہ لوں [4]

امام ابو عیسیٰ الترمذیؒ نے امام بخاریؒ کی خدمت میں عرض کیا۔

---

[1] ھدی الساری مقدمۃ فتح الباری: ص ۱۹۳۔

[2] تذکرۃ الحفاظ: جلد ۱-۲۔ ص ۵۵۵۔

[3] تقریب التھذیب: ص ۲۹۰ [4] ترجمۃ البخاری بشرح الکرمانی جلد ا ص ا، مرقاۃ المصابیح جلد ا ص ۱۴۔

قد جعلك الله زين هذه الامة "اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس اُمت کی زینت بنایا ہے"

ان کا یہ بھی کہنا ہے علل اور رجال میں ان سے بڑھ کر میں نے کوئی نہ دیکھا۔

امام اسحاق بن راہویہؒ نے نوجوانوں کو حکم دیا۔

اکتبوا عن هذا الشباب "اُس نوجوان سے (احادیث) لکھا کرو۔"

امام عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمیؒ کا کہنا ہے۔

رأيت العلماء بالحرمين والعراقين فما رايت فيهم اجمع منه [1] "میں نے حرمین اور عراقین میں علماء کرام کو دیکھا۔ لیکن ان میں امام بخاریؒ جیسا جامع العلم نہ دیکھا۔"

سلیم بن مجاہد سے مروی ہے کہ مجھ سے امام محمد بن اسمٰعیل نے کہا۔

لا اجئ بحديث عن الصحابة والتابعين الاعرفت مولد اكثرهم ووفاتهم ومساكنهم ولست اروى حديثا من حديث الصحابة والتابعين من الموقوفات الاوله اصل احفظ ذلك من كتاب الله وسنة رسوله [2] میں جن صحابہؓ اور تابعینؒ سے حدیث بیان کرتا ہوں ان کے اکثر کی پیدائش، وفات اور جائے رہائش سے واقف ہوتا ہوں، اور جب صحابہؓ اور تابعین کی موقوف حدیثوں سے کوئی روایت لاتا ہوں تو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں جو اس کی اصل ہوتی ہے اُس کو یاد رکھتا ہوں۔

---

[1] تہذیب التہذیب۔ جلد ۹۔ ص ۵۳

[2] ہدی الساری مقدمۃ فتح الباری۔ ص ۲۰۱۔ الادب المفرد۔ ص ۹۔۱۰

ابنِ ندیم کا کہنا ہے کہ امام بخاریؒ ثقات علمائے حدیث میں سے تھے [1]

امام بخاریؒ کا امتحان

امام بخاریؒ جس دَور میں پروان چڑھے ۔ اس میں بڑے بڑے محدّث اور فقیہ موجُود تھے۔ کئی مرتبہ علمی مجالس میں ان کی علمیّت اور حافظے کو آزمایا گیا۔

الحافظ احمد بن عدی سے مروی ہے کہ میں نے بغداد کے کئی مشائخ سے سُنا کہ امام بخاریؒ بغداد تشریف لائے۔ اصحاب الحدیث کو جب معلوم ہوا تو انہوں نے امام بخاری کے حافظے کو آزمانے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ انہوں نے سو حدیثیں لے کر ان کے متنوں اور سندوں کو آپس میں خلط ملط کر دیا۔ کسی حدیث کے متن کو دوسری حدیث کے متن کے ساتھ اور کسی حدیث کی سند کو اس کے متن سے جدا کر کے کسی دوسری حدیث کے متن سے لگا دیا۔ جب سب حدیثوں کے متن اپنی اصلی سندوں سے کٹ گئے۔ اور تمام احادیث ایک نئی صورت اختیار کر گئیں تو ان سو حدیثوں کو دس دس شخصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ اور اُن سے کہا گیا کہ جب امام بخاریؒ مجلس میں آئیں تو اُن پر اسی طرح پیش کرنا۔ جب سارا پروگرام طے ہو گیا تو امام بخاریؒ سے مجلس میں تشریف لانے کی درخواست کی گئی۔ جب امام بخاریؒ وعدے کے مطابق اس مجلس میں رونق افروز ہوئے جس میں شرکت کے لئے بغداد اور اہلِ خراسان اور دوسرے علاقوں کے لوگ آئے تھے تو ایک شخص سے کہا گیا کہ اس کو دی گئی حدیثیں پیش کرے۔ جب اس شخص نے احادیث پیش کرنی شروع کیں تو امام نے ہر حدیث سُن کر فرمایا۔ میں اسے نہیں جانتا۔ یہاں تک کہ دس اشخاص نے سو احادیث سُنا دیں۔ لیکن امامؒ وہی ایک بات کہتے رہے۔ لا اعرفہ۔ میں اسے نہیں جانتا۔

---

[1] الفہرست (اُردو) ص ۵۳۹۔

امام بخاریؒ کے یہ الفاظ سُن کر اہلِ علم نے ایک دوسرے کی طرف دیکھنا شروع کر دیا۔ لیکن جو امام بخاریؒ کے مقام سے واقف نہ تھے۔ اُنہوں نے امام کے جواب کو اُن کی علمی کمزوری، حافظے کی قلت اور کم علمی سے تعبیر کیا۔

جب خلط ملط کردہ احادیث سے دس اشخاص فارغ ہو گئے تو امام صاحب نے ان میں سے پہلے شخص کو بُلایا اور اس سے کہا کہ تم نے دس حدیثیں پیش کیں، لیکن میں نے ہر حدیث سُننے کے بعد کہا۔ کہ میں نہیں جانتا۔ دراصل تم نے جو احادیث سنائیں وہ درست نہ تھیں بلکہ ان احادیث کے متون اور ان کی اسناد ایسے ایسے ہیں۔ پھر دُوسرے کو بُلا کر اس کی بیان کردہ احادیث کو صحیح اسناد کے ساتھ اس کو سُنا دیں۔ یہاں تک کہ دس اشخاص کی خلط ملط کردہ ایک سو احادیث کی اصلاح کر دی۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے نقل کیا ہے کہ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ امام بخاریؒ نے ان کی غلط احادیث کو ذہن میں محفوظ کر لیا۔ پھر ان کو دہرا کر صحیح صورت میں ان کو بیان کر دیا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسا حافظہ عطا فرمایا تھا کہ ان کے سامنے جو کچھ کہا گیا۔ انہوں نے اسے بھی حفظ کر لیا۔[1]

اسی طرح کی ایک علمی مجلس بصرہ میں بھی قائم ہوئی۔ جس کے راوی یوسف بن موسیٰ المروزی کا بیان ہے کہ میں بصرہ کی جامع مسجد میں موجود تھا۔ اور ایک منادی کرنے والے کی میں نے منادی سُنی۔ وہ کہہ رہا تھا کہ اہلِ علم! محمد بن اسمٰعیل البخاریؒ تشریف لائے ہیں۔ چنانچہ لوگ ان کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ اور میں بھی ان کے ساتھ تھا۔ میں نے امام بخاریؒ کو دیکھا کہ وہ نوجوان تھے۔ ان کی داڑھی میں سفید بال نہ تھے۔ اُنہوں نے ستونوں کے پیچھے نماز پڑھی۔ جب وہ فارغ ہوئے تو لوگوں نے عرض کیا کہ اُن کے لئے املاء کی ایک مجلس لگائیں۔ امام بخاریؒ نے ان کی درخواست قبول کر لی۔

---

[1] ھدی الساری مقدمۃ فتح الباری: ص ۲۰۰۔

چنانچہ ایک بار پھر منادی ہوئی کہ اے اہلِ علم! محمد بن اسمٰعیل البخاریؒ تشریف لائے ہیں۔ ہم نے ان سے املاء کی مجلس کے قیام کی درخواست کی تھی جو انہوں نے قبول کر لی ہے۔ کل فلاں جگہ مجلس قائم ہوگی۔

جب پروگرام کے مطابق طے شدہ مقام پر مجلس قائم ہوئی تو محدث، حفاظ، فقہا اور دیکھنے والوں کی بڑی تعداد جمع ہوگئی۔ یہاں تک کہ ایک ہزار لوگ مجلس میں حاضر ہوگئے۔

امام بخاریؒ جب املاء کے لئے تشریف فرما ہوئے تو انہوں نے کہا۔ اے اہلِ بصرہ! میں نوجوان ہوں اور تم نے مجھ سے حدیث بیان کرنے کو کہا ہے۔ میں تمہیں تمہارے اہلِ شہر کی وہ احادیث بیان کروں گا جن سے تمہیں فائدہ پہنچے گا۔ یعنی جو تمہارے پاس نہیں۔ لوگوں کو ان کی یہ بات سن کر بڑا تعجب ہوا۔ چنانچہ امام بخاریؒ نے ایک حدیث کی سند بیان کرنی شروع کی۔

حدثنا عبداللہ بن عثمان بن جبلة بن ابی الجعد بن ابی رواد العتکی بیلدکم قال حدثنی ابی عن شعبة عن منصور وغیرہ عن سالم بن ابی الجعد عن انس بن مالک۔

پھر انہوں نے پوری حدیث سنا دی۔

اس کے بعد فرمایا۔ تمہارے پاس یہ حدیث منصور کے حوالے سے نہیں ہے جو تمہارے پاس ہے، اس میں منصور موجود نہیں۔

یوسف بن موسیٰ کا قول ہے کہ امام بخاریؒ نے اس مجلس میں اسی طرح کئی حدیثوں کی املاء کروائی۔ ہر حدیث کے ساتھ کہتے تھے کہ تمہارے پاس اس سند کے ساتھ ہے۔ پھر آپ دوسری سند کے ساتھ املاء کراتے تھے جو کہ ان کے پاس نہیں تھی[1]

---

[1] الادب المفرد: ص ۹ ۔ ھدی الساری مقدمة فتح الباری: ص ۲۰۰ ۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کمال حافظے اور ذہانت سے نواز رکھا تھا۔ لاکھوں حدیثیں ان کو زبانی یاد تھیں۔ ان کا اپنا قول ہے کہ مجھے ایک لاکھ صحیح اور دو لاکھ غیر صحیح حدیثیں یاد ہیں [۱] حدیثوں کے ساتھ لاکھوں ناموں کو یاد رکھنا۔ یہ نعمت اللہ تعالیٰ کی طرف سے صرف ان کے حصے میں آئی تھی۔

ابوالازہر سے منقول ہے کہ سمرقند میں چار سو محدّث تھے۔ اُنہوں نے جمع ہو کر پروگرام بنایا، کہ کسی طرح محمد بن اسمٰعیلؒ کو مغالطے میں ڈالیں۔ چنانچہ اُنہوں نے شامی سندوں کو عراقی سندوں میں، عراقی کو شامی میں اور حرم مکّہ کی سندوں کو یمنی سندوں میں داخل کر کے بڑی کوشش کی کہ کسی طرح امام بخاریؒ پر غالب آجائیں لیکن وہ اپنے مذموم مقصد کو پانے میں کامیاب نہ ہوئے [۲]

اسی لئے امام خزیمہؒ نے بالکل ٹھیک فرمایا ہے:۔

ما رأیت تحت ادیم السماء اعلم بحدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا احفظ لہ من البخاری [۳]	میں نے آسمان کے نیچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کو زیادہ جاننے اور حفظ کرنے والا بخاریؒ سے بڑھ کر نہیں دیکھا۔

یہی وجہ ہے کہ ان کو فقیہ ھذہ الامۃ اور امیر المؤمنین فی الحدیث کہا جاتا ہے۔

حافظ رجاء بن رجاء (مرجی) نے یہاں تک کہہ دیا۔

---

[۱] ھدی الساری: ص ۲۰۱۔ تذکرۃ الحفاظ: جلد ۱-۲۔ ص ۵۵۶

[۲] ھدی الساری: ص ۲۰۰۔ ارشاد الساری: جلد ۱۔ ص ۳۳

[۳] تہذیب التہذیب: جلد ۹۔ ص ۵۲۔

فضل محمد بن اسمٰعیل علی	"محمد بن اسمٰعیلؒ کی علماء پر ایسی ہی فضیلت
العلماء کفضل الرجال علی	ہے جیسی کہ مردوں کو عورتوں پر فضیلت
النساء وھو ایۃ من آیات	حاصل ہے اور وہ اللہ کی نشانیوں میں سے
اللہ یمشی علی الارض لہ	ایک نشانی ہے جو زمین پر چلتی پھرتی ہے۔"

یہاں یہ بھی واضح ہوا کہ سلف صالحین کے دَور میں آج کی روشن خیالی کا کوئی تصوّر نہ تھا۔ اگر ہوتا تو مَردوں کی عورتوں پر فضیلت کی بات نہ ہوتی۔

عِلم کی عِزّت

امام بخاریؒ جب اپنے وطن بخارا لَوٹے تو ان کا بڑا زبردست استقبال کیا گیا۔ شہر سے باہر تین میل تک خیمے نصب کئے گئے۔ چھوٹے بڑے سب شہر سے باہر نکل آئے۔ قابلِ ذکر کوئی شخص بھی پیچھے نہ رہا۔ اور ان کی آمد پر درہم و دینار ان پر نچھاور کئے گئے۔ وہاں کچھ عرصہ درس و تدریس کا سلسلہ جاری رہا۔ ایک دن بخارا کے امیر خالد بن احمد الذہلی نے امام بخاریؒ کے پاس پیغام بھیجا کہ کتاب الجامع یعنی صحیح بخاریؒ اور اپنی تاریخ کی کتاب لے کر میرے پاس آئیں تاکہ آپ سے آپ کی کتابیں سُنوں۔ امام بخاریؒ نے پیغامبر سے کہا کہ اپنے امیر سے جا کر کہہ دو کہ میں علم کو ذلیل نہیں کروں گا اور نہ ہی سلاطین کے دروازوں تک اٹھا کر لے جاؤں گا۔ اگر اس کو علم کے حصول کا شوق ہے تو اس کو چاہیئے کہ میری مسجد میں یا میرے گھر خود آ کر فائدہ اٹھائے۔ چونکہ وہ حاکم ہے۔ اگر اسے یہ بات پسند نہ آئے تو میرا درس روک دے تاکہ قیامت کے روز میرے پاس عُذر ہو جائے کہ میں نے

لہ ھدی الساری: ص ۱۵۰ ۔ ارشاد الساری: ج ص ۳۶ ۔

علم کو چھپایا نہیں تھا۔ اِسی وجہ سے امیرِ بخارا اور امام بخاریؒ کے درمیان دُوری ہوگئی [۱]

یہ بھی مروی ہے کہ خالد بن احمد نے کہا کہ میرے گھر آکر میرے بچّوں کو تاریخ اور الجامع پڑھائیں امام بخاریؒ نے فرمایا۔ ایسا نہیں ہوسکتا۔ میرا درس عام و خواص سب کے لئے یکساں ہے۔

امیرِ بخارا نے حریث بن ورقاء اور دوسرے علماء کو امام بخاریؒ کے خلاف اُبھارا۔ چنانچہ انہوں نے امام بخاریؒ کے مذہب میں نقائص نکالنے شروع کر دیئے۔ یہاں تک کہ امام بخاریؒ کو شہر چھوڑنا پڑا۔ [۲]

اتفاق کی بات ہے کہ آج بھی ایک حکمران عورت کو خوش کرنے کے لئے روشن خیال وہی کچھ کر رہے ہیں کہ جو کچھ امام بخاریؒ کے خلاف حکومت کا مال کھانے والوں نے کیا تھا۔ آج امام بخاریؒ کی نقل کردہ حدیث کو نشانہ اس لئے بنا جا رہا ہے کہ اس سے عورت کی سربراہی کی نفی ہوتی ہے امام بخاریؒ نے اپنی کتابیں اٹھا کر شاہی دربار تک جانا گوارا نہ کیا۔ لیکن آج جناب رحمت اللہ طارق اپنی کتاب کی پُشت پر آنسہ بے نظیر بھٹو کی تصویر چھاپ کر دہائی دے رہے ہیں کہ محترمہ ہم آپ کے خادم اور وفادار ہیں بلکہ جناب رفیع اللہ شہاب نے تو کھلے الفاظ میں ان کی یوں سفارش بھی کر دی۔

"علامہ رحمت اللہ طارق بڑے روشن خیال عالم دین دکھائی دیتے ہیں۔ حکومت کو ان کی خدمات سے فائدہ اٹھانا چاہیئے" [۳]

---

[۱] ھدی الساری مقدمۃ فتح الباری : ص ۲۰۵۔

[۲] تھذیب التھذیب : جلد ۹۔ ص ۵۲۔

[۳] روزنامہ امروز ۱۴ دسمبر ۱۹۸۸ء۔

کس قدر ظلم کی بات ہے کہ دنیوی فائدہ اٹھانے کے لئے روشن خیالی کا مظاہرہ کرنے والے اس عظیم اور بے مثال امام کی حدیث کو مشکوک بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ جنہوں نے شاہی درباروں سے اپنے آپ کو بچائے رکھا۔ اگر دنیوی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تو صبر و تحمّل کے دامن کو کبھی ہاتھ سے نہ جانے دیا۔

امام بخاریؒ کی وفات

امیر بخارا اور درباری عُلماء کی زیادتیوں کی وجہ سے امام بخاریؒ، بخارا سے نکل کر سمرقند کی ایک بستی خرتنگ میں تشریف لے گئے۔ وہاں ان کے عزیز و اقارب تھے۔ لہٰذا ان ہی کے پاس ٹھہر گئے۔ پھر ایک رات تہجّد کی نماز سے فارغ ہو کر دُعا مانگی۔ اے اللہ! اپنی وسعت کے باوجود زمین مجھ پر تنگ ہوگئی ہے۔ اَب مجھے اپنے پاس بلُا لے۔ ایک مہینہ بھی نہ گزرا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی دُعاء کو قبول فرمایا۔

محمّد بن ابی حاتم الوراق سے مروی ہے کہ امام بخاریؒ خرتنگ میں غالب بن جبریل کے ہاں ٹھہرے تھے۔ اسی کو کہتے ہوئے میں نے سُنا کہ امام بخاریؒ نے چند دن وہاں قیام فرمایا۔ پھر بیمار ہوگئے۔ اہلِ سمرقند نے جب پیغام بھیجا کہ آپ سمرقند تشریف لے آئیں۔ تو انہوں نے وہاں جانے کی تیاری کرلی۔ جب سواری کی طرف بیس قدم کے قریب چلے تو فرمایا کہ مجھے چھوڑ دو۔ راوی کا بیان ہے کہ میں اُن کے بازو کو تھامے ہوئے تھا۔ میں نے حکم کی تعمیل کی۔ انہوں نے دُعاء مانگنی شروع کردی۔ زمین پر لیٹ گئے۔ پسینہ جاری ہوگیا۔ اور اُنہوں نے فرمایا۔ مجھے تین کپڑوں میں کفن دینا۔ ان میں قمیص اور عمامہ نہ ہو۔ راوی کا قول ہے کہ جب ان کی رُوح اپنے ربِّ حقیقی کی بارگاہ میں پہنچ گئی، تو ہم نے ان کی ہدایت کے مطابق عمل کیا۔ جب ہم نے ان پر نماز پڑھ کر ان

کو قبر میں رکھا۔ تو ان کی قبر کی مٹی سے عُمدہ کستوری جیسی خوشبو نکل کر ہر سُو پھیل گئی۔ کئی دنوں تک خوشبو سے فضا معطّر رہی۔ لوگ آتے اور اُن کی قبر کی مٹی لے جاتے۔ اس سلسلے کو روکنے کے لئے اُن کی قبر پر لکڑی کا جنگلا لگانا پڑا۔ [۱]

عبدالواحد بن آدمؒ الطواویسی سے مروی ہے کہ میں نے نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو خواب میں دیکھا اور آپؐ کے ساتھ آپ کے صحابہؓ کی ایک جماعت تھی۔ آپ ایک جگہ کھڑے تھے۔ میں نے آپؐ کو سلام کیا۔ آپؐ نے جواب دیا۔ میں نے عرض کیا۔ آپؐ یہاں کیوں کھڑے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا۔

انتظر محمّد بن اسمٰعیل "میں محمّد بن اسمٰعیل کا انتظار کر رہا ہوں"

عبدالواحدؒ کا کہنا ہے کہ جب چند دنوں کے بعد مجھے امام بخاریؒ کی وفات کی خبر ملی تو میں نے غور کیا۔ جس کے نتیجے میں مجھے معلوم ہوا۔ کہ ان کی وفات اسی گھڑی میں ہوئی تھی۔ میں نے جس میں خواب دیکھا تھا۔

علم کا وہ سُورج جس سے عرب وعجم کا کونہ کونہ چمک اُٹھا۔ باسٹھ سال میں سے تیرہ دن کم عمر پاکر ۲۵۶ھ میں عیدالفطر کی رات غروب ہو گیا [۲]

تغمده الله برحمته وانا لله وانا اليه راجعون ۔

صَحِیحُ بُخَارِیؒ

علامہ ابن خلدونؒ نے علوم الحدیث پر بحث کرتے ہوئے واضح کیا ہے کہ امام محمّد بن اسمٰعیل

---

[۱] هدى السارى مقدمة فتح البارى ۔ ص ۲۰۵-۲۰۶۔

[۲] هدى السارى: ص ۲۰۶ ۔

بخاریؒ اپنے زمانے میں امام المحدثین کی حیثیت سے چمکے۔ اور انہوں نے اپنی صحیح بخاری میں فقہی ابواب کے تحت حجازی، عراقی اور شامی تمام طُرق کے ساتھ حدیثیں درج کیں۔ انہوں نے وہی حدیثیں نقل کیں۔ جن پر عُلماء کا اجماع تھا۔ اور جن میں اختلاف تھا۔ ان کو چھوڑ دیا[1]

اُمّہاتِ خمسہ میں صحیح بخاری کا جو مقام ہے۔ اس پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے کہ بخاری کا درجہ بہت اُونچا ہے۔ اِسی لئے علماء اس کی شرح بہت مشکل سے سمجھتے ہیں۔ اور اس کی مراد تک پہنچنا دشوار جانتے ہیں۔ کیونکہ اس کی گہرائیوں تک پہنچنے کے لئے حدیث کے متعدد طُرق اور ان کے راویوں کے بارے میں عبُور حاصل کرنا پڑتا ہے کہ وہ حجازی ہیں یا شامی یا عراقی۔ ان کے حالات کو پہچاننا اور ان کے بارے میں حفّاظ کے اختلاف کو محفوظ رکھنا بھی ضروری ہوتا ہے۔ اس لئے اس کے تراجم سمجھنے کے لئے انتہائی گہری نگاہ کی ضرورت ہے۔ کیونکہ امام بخاری ایک عنوان قائم کرکے ایک سند یا طریق سے کوئی حدیث لاتے ہیں۔ پھر دوسرا عنوان قائم کرکے بعینہٖ وہی حدیث لاتے ہیں جو پہلے لے آئے تھے۔ کیونکہ اس حدیث میں وہ معنی بھی پایا جاتا ہے جو عنوان میں دیا گیا ہے۔ اسی طرح کئی کئی عنوانوں میں بار بار ایک حدیث اپنے مختلف معانی کی وجہ سے مکرر آجاتی ہے۔ بہت سے علمائے کرام جیسے ابن بطالؒ۔ ابن مہلب اور ابن تینؒ وغیرہ نے بخاری کی شرحیں لکھی ہیں۔ لیکن شرح کا حق ادا کرنے سے قاصر رہے ہیں۔ میں نے اپنے اکثر اساتذہ سے سُنا ہے۔ فرمایا کرتے تھے کہ بخاری کی شرح اُمّت پر قرض ہے۔ جو ہنوز ادا نہیں ہو سکا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی عالم مذکورہ بالا اعتبار سے شرح کے فرائض ادا نہ کر سکا[2]

---

[1] تاریخ ابن خلدون : جلد ۱ - ص ۴۴۲

[2] تاریخ ابن خلدون : جلد ۱ - ص ۴۴۳

علامہ ابن خلدونؒ نے جس قرض کا ذکر کیا۔ حافظ ابن حجرؒ عسقلانی نے فتح الباری کی صورت میں اسے ادا کر دیا۔ کیونکہ مصطفیٰ ابن عبداللہ قسطنطینی نے صحیح بخاری کی شرح کا تعارف کرواتے ہوئے لکھا ہے۔

من اعظم شروح البخاری	البخاری کی عظیم شرحوں میں سے
شرح الحافظ العلامة	الحافظ العلامہ شیخ الاسلام احمد بن
شیخ الاسلام احمد بن علی	علی ابن حجر العسقلانی المتوفیٰ
بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲ھ کی شرح ہے۔
المتوفی سنة ۸۵۲ھ [1]	

امام نوویؒ نے صحیح مسلم کی شرح کے مقدمہ میں وضاحت کی ہے۔

اتفق العلماء رحمهم الله	علماء رحمہم اللہ تعالیٰ اس پر متفق
تعالیٰ علی ان اصح الکتب	ہیں کہ قرآن عزیز کے بعد سب سے صحیح
بعد القرآن العزیز الصحیحان	کتابیں صحیح بخاری اور صحیح مسلم ہیں اُمت
البخاری ومسلم تلقتهما	نے دونوں کو قبولیت سے اپنایا
الامة بالقبول وکتاب	ہے۔ دونوں میں سے زیادہ صحیح
البخاری صحیحها واکثرهما	اور اکثر مفید ہونے اور ظاہر
فوائد ومعارف ظاهرة	اور پوشیدہ معارف کے اعتبار سے
وغامضة [2]	صحیح بخاری ہے"

---

[1] کشف الظنون، جلد ۱ ص ۵۴۷

[2] صحیح مسلم: جلد ۱۔ المقدمة: ص ۱۳۔

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن العینیؒ نے نقل کیا ہے کہ مشرق و مغرب کے علماء کا اس پر اتفاق ہے۔ کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی کتاب کے بعد کوئی زیادہ صحیح کتاب نہیں۔ علمائے مغرب میں سے بعض نے صحیح مسلم کو صحیح بخاری پر ترجیح دی ہے۔ لیکن جمہور کے نزدیک صحیح بخاری ہی راجح ہے [1]

صحیح بخاری کے قرآن کے بعد اصح ہونے پر علمائے اُمت نے اس لئے اتفاق کیا ہے کہ امام بخاریؒ نے جس طرح اور جس انداز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو جمع کیا اور راویوں کی پرکھ کا جو معیار قائم کیا اُس کی دنیا میں نظیر نہیں ملتی۔

امام بخاریؒ سے مروی ہے کہ ہم امام اسحاق بن راہویہ کے پاس تھے کہ اُنہوں نے فرمایا۔ کاش کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّتِ صحیحہ کو ایک مختصر کتاب میں جمع کر دو۔ امام اسحٰقؒ کی یہ بات میرے دل میں جم گئی اور میں نے الجامع الصحیح کی تالیف کا پروگرام بنا لیا [2]

محمد بن سلیمان بن فارس سے مروی ہے کہ میں نے بخاریؒ کو کہتے ہوئے سنا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑا ہوں اور میرے ہاتھ میں پنکھا ہے، جس سے میں مکھیاں ہٹا رہا ہوں۔ میں نے اس خواب کی تعبیر کسی تعبیر بتانے والے سے پوچھی تو اُس نے کہا، کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جھوٹ کو دور کرو گے۔ چنانچہ اس خواب نے بھی مجھے الجامع الصحیح کی تالیف و تصنیف پر آمادہ کیا۔

امام بخاریؒ نے خواب میں یہ بھی دیکھا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے چل رہے ہیں۔ نبی

---

[1] عمدۃ القاری : جلد ۱۔ ص ۵

[2] ھدی الساری ۔ ص ۴ ۔ تہذیب التہذیب : جلد ۹ ۔ ص ۴۹ ۔

صلی اللہ علیہ وسلم چلتے ہوئے جب قدم اٹھاتے ہیں تو امام بخاریؒ آپ کے قدموں کے نشانوں پر اپنے پاؤں رکھتے ہیں [1]

امام بخاریؒ نے جس طرح الجامع الصحیح کو لکھنے کا اہتمام کیا۔ اس کے بارے میں ان ہی سے منقول ہے۔

ماکتبت فی کتاب الصحیح حدیثا الا اغتسلت قبل ذلك وصلیت رکعتین [2]

"کتاب الصحیح میں جب بھی میں نے کوئی حدیث لکھی تو اس سے پہلے غسل کر کے دو رکعتیں پڑھیں۔"

علامہ عینی نے نقل کیا ہے کہ مسجد حرام میں کتاب کی تصنیف کی۔ اس میں جب بھی کوئی حدیث لکھی

اِلاَّ بعد استخرت اللہ تعالیٰ وصلیت رکعتین وتیقنت صحتہ [3]

اللہ تعالیٰ سے پہلے استخارہ کیا۔ اور دو رکعتیں پڑھیں اور اس کی صحت کے بارے میں پورا یقین کر لیا۔

ھدی الساری اور الادب المفرد میں "الاّ" کی بجائے "حتّی" کا لفظ ہے۔

علامہ کرمانی نے صحیح بخاری کے شرف پر روشنی یوں ڈالی کہ مکہ المشرفہ میں لکھی جانے والی ہر حدیث کے لئے آب زمزم سے غسل فرماتے اور مقام ابراہیم علیہ السلام کے پیچھے نماز پڑھتے۔ [4]

امام بخاریؒ نے الجامع الصحیح کو سولہ سال میں مکمل کیا۔ اس میں جو احادیث موجود ہیں ان کو چھ لاکھ

---

[1] ھدی الساری: ص ۴

[2] ھدی الساری، ص ۴۔ تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۴۹۔ الکرمانی جلد ۱ ص ۱۔ کشف الظنون جلد ۱ ص ۵۴۴

[3] عمدۃ القاری جلد ۱ ص ۵۔ الادب المفرد ص ۱۰۔ ھدی الساری۔ ص ۲۰۲۔

[4] البخاری بشرح الکرمانی۔ جلد ۱۔ ص ۱۱۔

میں سے اُنہوں نے منتخب کیا ہے۔ اور اُن کا اپنا قول ہے کہ میں نے اپنے اور اللہ کے درمیان اسے حجت بنایا ہے یہ صحیح بخاری کے تمام تراجم انہوں نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک اور آپ کے منبر کے درمیان بیٹھ کر لکھے اور ہر ترجمہ کے لئے بھی دو دو رکعتیں پڑھیں [1]

امام بخاریؒ نے اُمتِ محمدیہ پر واضح کر دیا ہے کہ انہوں نے اپنی الجامع الصحیح میں صرف صحیح احادیث کو نقل کیا ہے اور بہت سی صحیح احادیث اس لئے چھوڑ دیں کہ کہیں کتاب ضخیم نہ ہو جائے [2]

چھ لاکھ احادیث کی وضاحت

یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ امام بخاریؒ نے چھ لاکھ احادیث میں سے تقریباً چار ہزار بلا تکرار احادیث کا جو انتخاب کیا تھا۔ اس سے مراد چھ لاکھ حدیثوں کی سندیں ہیں یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال نہیں بلکہ جو کچھ آپؐ نے فرمایا یا صحابہؓ نے آپ کو کرتے دیکھا۔ اس کو آگے بیان کرنے والے راویوں کی تعداد ہے۔ اس کی مثال بصرہ کی مجلس تھی۔ جس میں امام بخاریؒ نے اہلِ بصرہ کو وہ احادیث سنائیں جن میں ایسے راوی تھے کہ جو اہلِ بصرہ کی بیان کردہ روایات کی سندوں میں نہ تھے۔ حالانکہ احادیث اہلِ بصرہ میں معروف تھیں۔ لیکن اسناد میں امام بخاریؒ نے ایسے رواۃ کی نشاندہی کی کہ جن کا ان کو علم نہ تھا۔

یہ وضاحت اس لئے ضروری سمجھی گئی ہے کیونکہ احادیث کے بارے میں شکوک کا شکار

---

[1] ھدی الساری: ص ۴۰۲۔ کشف الظنون: جلد ا ص ۵۴۳۔ ۵۴۴۔

[2] ھدی الساری: ص ۴۔ علوم الحدیث لابن الصلاح۔ ص ۱۵۔ ۱۶۔

ہونے والے یہ اعتراض کر دیتے ہیں کہ اگر چھ لاکھ احادیث میں سے امام بخاریؒ کے معیار کی صرف چار ہزار تھیں۔ تو ظاہر ہے کہ باقی احادیث قابلِ اعتبار نہ رہیں۔ جب چھ لاکھ میں صرف چار ہزار ایسی تھیں کہ جنہیں امام بخاریؒ نے روایت کے قابل سمجھا تو وہ چار ہزار بھی شک و شبہ سے بالاتر نہیں ہو سکتیں۔ اِسی لئے امام بخاریؒ نے واضح کر دیا کہ اُنہوں نے بہت سی ایسی احادیث کو محض اس لئے اپنی کتاب الجامع الصحیح میں نقل نہیں کیا تاکہ کتاب کا حجم نہ بڑھ جائے۔

یہی وجہ ہے کہ امام الحاکم نے المستدرک میں ان احادیث کو جمع کیا ہے جو امام بخاریؒ اور امام مسلم کی شرط پر پُوری اُترتی تھیں۔ لیکن انہوں نے اپنی صحیحین میں ان کو جگہ نہ دی۔ امام الحافظ ابو عبداللہ الحاکم النیساپوری ۳۲۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۴۰۵ھ میں وفات پائی۔

ویسے بھی امام بخاریؒ نے صحیح بخاری کی سند کو انتہائی صحت تک پہنچانے کے لئے ان رواۃ حدیث کا انتخاب کیا ہے جو اُن کے قائم کردہ معیار پر پُورا اُترتے تھے۔ ان کا معیار یہ تھا، کہ حدیث کا راوی اپنے شیخ کا معاصر ہو۔ اور اس سے اس کی ملاقات بھی ثابت ہو۔ جب کہ امام مسلم صرف معاصرت کو کافی سمجھتے تھے۔ اِسی وجہ سے صحیح بخاریؒ کو صحیح مسلم پر ترجیح دی جاتی ہے۔ اس کی مزید تفصیل سند کی بحث میں انشاء اللہ تعالیٰ آئے گی۔

احادیث کی اہمیّت

یہاں اس بات کو بھی ذہن میں رکھنے کی ضرورت ہے کہ قرآن حکیم کو احادیث کے بغیر سمجھا نہیں جاسکتا مثال کے طور پر کئی مرتبہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ہے۔

اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ[1] "نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو"

---

[1] البقرہ: آیت ۴۳، ۸۳، ۱۱۰۔ النساء: ۷۷۔ الحج ۷۸۔ النور: ۵۶۔ المجادلہ: ۱۳۔ المزمل ۲۰۔

اللہ تعالیٰ نے نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم تو دے دیا۔ لیکن نماز کیسے پڑھی جائے گی اور زکوٰۃ کا نصاب کیا ہوگا اور کن کن مالوں پر ہوگی ؟ اس کی تفصیل قرآن میں نہیں بلکہ احادیث میں موجود ہے۔

قرآن مبین میں ارشاد ہوتا ہے :۔

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ [1]	"ہم نے اس کو لیلۃ القدر میں نازل فرمایا"
اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ [2]	"ہم نے اس کو ایک بابرکت رات میں نازل فرمایا"
شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ [3]	" رمضان وہ مہینہ ہے کہ جس میں قرآن نازل کیا گیا "

حالانکہ اسلامی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ قرآن عظیم کا نزول ۲۳ سال میں ہوا۔ جب تک حضرت ابن عباسؓ سے مروی حدیث کو سامنے نہ رکھا جائے تو یہ مسئلہ قرآن پاک سے حل نہیں ہو سکتا۔

چنانچہ مفسرین نے ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ قرآن حکیم کو ایک بابرکت لیلۃ القدر میں لوح محفوظ سے دنیائے آسمان پر بیت العزت میں ایک رات میں ہی اتارا گیا۔ پھر وہاں سے حالات و واقعات کے مطابق ۲۳ سالوں میں نازل ہوتا رہا [4]

---

[1] القدر : آیت ۱۔

[2] الدخان : آیت ۳۔

[3] البقرہ : آیت ۱۸۵۔

[4] تفسیر ابن جریر : ج۲ ص ۲۵۸۔ تفسیر ابن کثیر : جلد۴ ص ۵۲۹۔ تفسیر الدر المنثور : جلد ۶ ص ۳۷۰۔

اسی طرح بے شمار مسائل ایسے ہیں کہ جن کو احادیث کے بغیر سمجھا نہیں جا سکتا ۔ چونکہ اس کتاب میں حجیتِ حدیث موضوع نہیں ۔اس لئے اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے ۔ وَیسے اصُولِ حدیث کی کتابوں میں اس مَسئلہ کو پُوری طرح واضح کر دیا گیا ہے ۔

امام بخاریؒ کے ہمعصر ائمہ کرامؒ کی گواہی

امام ابوجعفر العقیلیؒ سے مروی ہے کہ جب امام بخاریؒ نے کتاب الصحیح تصنیف کی تو اسے امام علی بن المدینیؒ ، امام احمد بن حنبلؒ ، امام یحیٰی بن معینؒ اور دوسرے ائمہ کرام پر پیش کیا ۔سب جلیل القدر ائمہ کرامؒ نے جانچ پڑتال کے بعد چار احادیث کے سوا کتاب الصحیح کے صحیح ہونے پر گواہی دے دی ۔ امام العقیلیؒ کا بیان ہے کہ ان چار احادیث میں بھی امام بخاریؒ کا قول ہی ٹھیک ہے ۔ کہ وہ صحیح ہیں [1]

امام فِربریؒ کا قول ہے کہ صحیح البخاری کے مؤلف سے نوّے ہزار لوگوں نے ان کی یہ کتاب سُنی [2]

علاّمہ وحید الزمانؒ نے صحیح بخاری کے اُردو ترجمہ کے دیباچہ میں ٦٥ ۔ اقوال امام بخاریؒ کے شیُوخ اور ہمعصر ائمہ کرام کے ان کی توصیف و تعریف میں نقل کئے ہیں [3]

علاّمہ وحید الزماںؒ کو یہ شرف حاصل ہے کہ ہندوستان میں سب سے پہلے انہوں نے احادیث کے اُردو تراجم کا سلسلہ قائم کیا ۔ جامع الترمذی کے علاوہ صحاح ستّہ کے سوا موطا امام مالکؒ

---

[1] ھدی الساری : ص ٢٠٣ ۔ ٥ ۔ تہذیب التہذیب جلد ٩ ص ٥٤ ۔ الادب المفرد ص ١٠ ۔

[2] کشف الظنون : جلد ا ص ٥٤٤ ۔ ٥٤٥ [3] تیسیر الباری جلد ا ۔ دیباچہ ص ٤٩ تا ٥٦

کا بھی اُنہوں نے اُردو میں ترجمہ کر دیا۔ جزاہ اللہ احسن الجزاء۔

امام ابو عبداللہ شمس الدین الذہبی المتوفی ۷۴۸ھ نے لکھا ہے کہ امام ترمذیؒ۔ الفقیہ محمد بن نصر المروزی۔ صالح بن محمد مطین۔ امام ابن خزیمہ۔ ابوقریش محمد بن جمعہ، ابن صاعد، ابن ابی داؤد۔ ابوعبداللہ الفربری، ابوحامد ابن الشرقی۔ منصور بن محمد البزدوی۔ ابوعبداللہ المحاملی اور خلق کثیر نے امام بخاریؒ سے احادیث بیان کی ہیں۔ یعنی یہ عالی مرتبہ بزرگ سب امام بخاریؒ کے شاگرد تھے [1]

جناب رحمت اللہ طارق صاحب کے اعتراضات

جناب رحمت اللہ طارق صاحب کا کہنا ہے۔ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے ربع صدی بعد ایک ایسا فقرہ تراش کر آپ کی طرف منسوب کرنے سے کسی طرح حدیث نبوی کہلا سکتا ہے؟ جسے حرمین شریفین کے مسلمان اور خود جنگِ جمل میں حصّہ لینے والے صحابہؓ اور تابعینؒ حضرات جو پچاس ہزار کے لگ بھگ تھے۔ جانتے ہی نہیں تھے؟ ہے کوئی جو اس کا جواب مرحمت فرما دے؟

ان کا کہنا ہے۔ آیئے آج کی صحبت میں اس رازِ سربستہ کو سرِ محفل لا کر اربابِ دانش و بنیش پر واضح کر دیں کہ اُمّتِ اسلام کے بہت سے افراد بایں زہد و تقوٰی احادیثِ نبویؐ کے بارے میں بہت ہی بداحتیاط اور اخذِ مطالب میں غیر سنجیدہ واقع ہوئے تھے۔ ان کا ظاہری کردار قابلِ رشک تھا۔ مگر ان کا باطن سازشوں اور فتنہ پردازیوں سے ملوّث رہا یا ملوّث کیا جاتا رہا۔

---

[1] تذکرۃ الحفاظ۔ جلد ۱۔ ۲۔ ص ۵۵۵۔

سوچیئے کہ یہ فقرہ کیوں کر اور کن مصلحتوں کے پیشِ نظر جنگِ جمل کے دوران یا اس کے فوراً بعد مشتہر کر کے زبان زد کرایا گیا ؟ اور گمنام اشخاص نے مخلوط علمی ماحول سے فائدہ اٹھا کر کس طرح اپنے دامِ تزویر کو پھیلا دیا ؟ [۱]

عورت کی سربراہی کی نفی کرنے والی روایت نقل کرنے کے بعد انہوں نے لکھا ہے کہ حضرت علیؓ کی فوج کے بیس ہزار اور جنابِ صدیقہؓ کے تیس ہزار حامی اس اہم موقعہ پر اس اہم حدیث سے آشنا کیوں نہ ہو سکے ؟ سیّدنا امام حسنؓ نے معرکہ جمل کے موقعہ پر بصرے کے کوچہ و بازار میں سیّدہ موصوفہ کے خلاف بڑے معرکۃ الآراء لیکچر دیئے مگر کہیں بھی اپنے نانا حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت کا حوالہ نہ دے سکے بلکہ موقع و محل کی مناسبت سے چاہیئے تھا کہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مبہم فرمان کی وضاحت فرما دیتے تاکہ مسلمان کارزارِ جمل میں حصّہ نہ لے سکتے۔ اور میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ اگر پہلے سے کہیں اس روایت کا وجود ہوتا تو بروقت ہی صدیقہؓ کی محاذ آرائی کو روکا جا سکتا تھا۔ ایسے میں تنہا نفیع بن الحارث کو ۳۶ھ میں یہ کیوں کر معلوم ہوا کہ عائشہؓ کی حمایت، گمراہی اور ہلاکت کی طرف لے جانے والی ہے ؟ اور کیوں ان کے ذہن میں یہ منفی جذبہ ابھرا کہ اُمّ المؤمنین کی حمایت کو ایک کافرہ کی اعانت سے تشبیہ دے کر تاریخ اسلام میں ایک ناگوار تاثر چھوڑا ؟ یا یہ کہ ابوبکرہ نفیع کے شاگردوں نے آپ کے ذاتی خیالات کو نبوی فیصلہ کا عکس ٹھہرا کر ہر قسم کی ذمّہ داری نفیع پر کیوں ڈالی ؟ [۲]

---

[۱] عورت اور مسئلہ امارت : ص ۳۰

[۲] ایضاً : ص ۲۱ - ۲۲

اعتراضات کا تجزیہ

جناب رحمت اللہ طارق صاحب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک کہ "جو قوم اپنے معاملات عورت کے سپرد کر دے گی۔ وہ کبھی فلاح نہیں پائے گی" کو حضرت عائشہؓ کے ساتھ خاص کرنے کا غلط مفروضہ قائم کر کے خیر القرون کے بارے میں جو زبان استعمال کی ہے کوئی اہل ایمان نہیں کر سکتا۔ یہ معاملہ ان کا ان کے رب یا اسلامی حکومت کے حکمران کے درمیان ہے۔ کیونکہ ایک شخص ناول کی صورت میں صحابہؓ اور صحابیاتؓ کا مذاق اڑاتا ہے تو اس کو واجب القتل قرار دے دیا جاتا ہے۔ لیکن جو لا الٰہ الا اللہ کے نام پر وجود میں آنے والے پاکستان میں علی الاعلان صحابی اور ان کے شاگردوں کو سازشی اور فتنہ پرداز کہہ کر صحیح بخاری کو مشکوک بنانے کی کوشش کرتا ہے، تو اس کے بارے میں حکومت کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ ان کی خدمات سے فائدہ اٹھایا جائے۔

یہاں اس پہ بحث کرنا مقصود نہیں بلکہ اعتراضات کا تجزیہ کر کے ان کا جواب دینا ہے تاکہ گمراہی کو اپنانے والوں پر حقیقت واضح ہو جائے۔

عورت کی سربراہی کی نفی کرنے والی بخاری کی روایت کے بارے میں اعتراض کے دو پہلو نمایاں ہوتے ہیں۔

(۱) یہ روایت جنگِ جمل کے موقع پر حضرت عائشہؓ صدیقہ کے خلاف تراشی گئی۔

(۲) اگر یہ روایت صحیح ہوتی تو جنگ میں حصہ لینے والے پچاس ہزار صحابہؓ اور تابعینؒ کو اس کا علم ہوتا جس کی بناء پر وہ کارزارِ جمل میں حصہ نہ لیتے اور حضرت حسنؒ بصرے کے کوچہ و بازار میں سیّدہ موصوفہ کے خلاف بڑے معرکۃ آلارا لیکچر نہ دیتے۔

اعتراضات کا جواب

جہاں تک پہلے اعتراض کا تعلق ہے تو یہ روایت صحیح بخاری کی ہے۔ اور یہ واضح کیا جا چکا ہے کہ کتاب اللہ کے بعد سب سے صحیح کتاب صحیح بخاری ہے۔ کیونکہ امام بخاریؒ نے ہر حدیث نقل کرنے سے پہلے دو رکعت پڑھ کر اس کے صحیح ہونے کے بارے میں یقین کرنے کے لئے استخارہ کیا اور ائمہ حدیث کا صحیح بخاری کے اصح ہونے پر اجماع ہے۔

جناب رحمت اللہ طارق صاحب نے نقل کیا ہے :۔

حدّثنا عثمان بن الهيثم حدّثنا عوف عن الحسن عن ابي بكرة قال لقد نفعني الله بكلمة سمعتها من رسول الله صلّى الله عليه وسلّم ايام الجمل بعد ما كدت ان الحق باصحاب الجمل فاقاتل معهم قال لما بلغ رسول الله صلّى الله عليه وسلّم ان اهل فارس قد ملكوا عليهم بنت كسرى قال لن يفلح قوم ولوا امرهم امراة [1]

صحیح بخاری میں کتاب الفتن کے تحت مروی روایت میں " سمعتها من اور بعد ما كدت ان الحق باصحاب الجمل فاقاتل معهم" کے الفاظ موجود نہیں۔

ترجمہ جناب رحمت اللہ طارق صاحب کے الفاظ میں یہ ہے کہ ابوبکرہ نفیع بن الحارث ۵۲ھ م نے کہا کہ جنگ جمل کے دوران نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک فرمان نے

---

[1] صحیح البخاری: کتاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی کسریٰ وقیصر: ص ۶۳۷۔ کتاب الفتن: ص ۱۰۵۲۔

مجھے تباہی سے عین اُس وقت بچا لیا۔ جب کہ حضرت علیؓ کے خلاف عائشہؓ کی حمایت کا تہیہ کر چکا تھا یعنی وہ فرمان یاد آگیا جو ایک عورت کے تختِ کسریٰ پر بیٹھنے کے موقع پر آپؐ نے فرمایا کہ وہ قوم کبھی کامران نہیں ہو سکتی جس نے کسی عورت کو والی بنا لیا۔

"نفعنی الله بکلمۃ" کا جو ترجمہ جناب رحمت اللہ طارق نے کیا ہے اُس سے عیاں ہوتا ہے کہ ان کا قائم کردہ غلط مفروضہ کس قدر ان پر حاوی ہے۔ حالانکہ اس کا صحیح ترجمہ یہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے ایام جمل میں ایک کلمہ کے ذریعے مجھے فائدہ دیا۔ جو کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا۔ جب کہ قریب تھا کہ میں اصحابِ جمل کے ساتھ مل کر لڑائی کرتا۔ کلمہ کی وضاحت کرتے ہوئے ابو بکرہؓ نے کہا۔

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ بات پہنچی کہ اہلِ فارس نے اپنے اُوپر بنتِ کسریٰ کو ملکہ بنا لیا ہے تو آپؐ نے فرمایا۔ جو قوم اپنا معاملہ عورت کے سپرد کر دے وہ کبھی فلاح نہیں پائے گی۔

حضرت ابو بکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

جناب رحمت اللہ طارق نے صحیح بخاری کی اس روایت کے ردّ میں بحث کرتے ہوئے حدیث کے اصل راوی حضرت ابو بکرہؓ کے بارے میں لکھا ہے کہ قانونِ شہادت کی رُو سے نفیع (ابو بکرہؓ) کی شہادت مردُود ہے۔ کیونکہ اس نے مغیرہ بن شعبہؓ ۶۶ھ پر ناحق و ناروا گھناؤنی تہمت لگائی۔ اور ثبوت پیش نہ کر سکے۔ جس پر فاروق اعظم نے (النور۔ ۴) کے مطابق آئندہ کے لئے اس کی گواہی کو مسترد کر دیا اور اسّی کوڑے بھی رسید کر دیئے [1]

---

[1] عورت اور مسئلہ امارت۔ ص ۲۵۔

اصل واقعہ

عرض کیا جاچکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی شئ کی محبت تمہیں اندھا و بہرہ کردیتی ہے۔ بعینہٖ جناب رحمت اللہ طارق صاحب کے ساتھ ہوا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی کے بارے میں جو انداز اپنایا ہے وہ سراسر غیر مناسب اور متعصبانہ ہے جان بوجھ کر حقائق کو مسخ کرنے کی کوشش ہے۔ حالانکہ اصل صورتِ حال یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کی طرف سے حضرت مغیرہؓ بن شعبہ بصرہ کے امیر تھے۔ ان کے گھر کے سامنے حضرت ابوبکرہؓ کا گھر تھا اور درمیان میں راستہ تھا۔ دونوں گھروں کے بالاخانوں کی کھڑکیاں بھی آمنے سامنے تھیں۔ ایک دن حضرت ابوبکرہؓ چند ساتھیوں کے ساتھ اپنے بالاخانے میں باتیں کر رہے تھے کہ ہوا کے جھونکے سے کھڑکی کھل گئی۔ حضرت ابوبکرہؓ کھڑکی بند کرنے کے لئے کھڑے ہوئے کہ انہوں نے دیکھا کہ حضرت مغیرہؓ بن شعبہ ایک عورت کے ساتھ مصروف ہیں۔ حضرت ابوبکرہؓ نے ساتھیوں سے کہا، کھڑے ہو جاؤ، اور دیکھو۔ وہ کھڑے ہوئے اور انہوں نے دیکھا۔ حضرت ابوبکرہؓ نے کہا، گواہ رہنا۔ ساتھیوں نے پوچھا۔ یہ کون عورت ہے؟ انہوں نے کہا۔ یہ اُمِّ جمیل ہے۔ اُمِّ جمیل بنی عامر بن صعصعہ کی ایک عورت تھی۔ جو حضرت مغیرہؓ بن شعبہ اور دیگر اُمراء و اشراف کے پاس آیا جایا کرتی تھی۔ ان دنوں بعض عورتیں ایسا ہی کیا کرتی تھیں۔

حضرت مغیرہؓ بن شعبہ جب نماز پڑھانے کے لئے آئے تو حضرت ابوبکرہؓ نے ان کو روک دیا۔ اور حضرت عُمر فاروقؓ کو معاملے سے آگاہ کردیا گیا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو بصرے کا حاکم بنا کر بھیج کر حضرت مغیرہؓ بن شعبہ اور حضرت ابوبکرہؓ اور ان کے ساتھیوں نافع بن کلدہ۔ زیاد اور شبل بن معبد کو مدینہ طیبہ طلب کرلیا۔ جب تحقیق ہوئی تو حضرت مغیرہؓ بن شعبہ نے کہا کہ جس

عورت کے ساتھ انہوں نے مجھے دیکھا ہے، اللہ کی قسم وہ میری بیوی ہے. جو امِ جمیل سے مشابہ ہے. حضرت ابوبکرہؓ، شبلؓ بن معبد اور نافعؓ نے گواہی دی کہ وہ عورت امِ جمیل تھی. زیاد نے کہا کہ اُس عورت کے پاؤں حنا آلود تھے. حضرت عمرؓ نے پوچھا، تم اس عورت کو پہچانتے ہو؟ انہوں نے کہا، نہیں. لیکن مجھے شُبہ ہے. حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا. تم الگ ہو جاؤ. باقی تینوں کو قرآنی حکم کے مطابق حدِ قذف لگا دی. حضرت مغیرہؓ نے حضرت عمرؓ کی خدمت میں عرض کیا. مجھے ان غلاموں سے نجات دلائیں. حضرت عمرؓ نے فرمایا. چُپ رہو. اللہ کی قسم! اگر چوتھی گواہی بھی پُوری ہو جاتی تو ہم پتّھروں سے تمہیں رجم کرتے [1]

اس ناخوشگوار واقعہ کی حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابوبکرہؓ اور ان کے ساتھیوں نے بلاارادہ و تجسّس اچانک اپنے امیر کو ایک عورت کے ساتھ مصروف دیکھا. چونکہ اُمِ جمیل کا امیر بصرہ کے گھر آنا جانا تھا. لہٰذا ابوبکرہؓ کا خیال تھا کہ جس عورت کو امیر کے ساتھ دیکھا گیا وہ اُمِ جمیل تھی. ان کے ساتھیوں نے بھی تائید کر دی. لیکن حضرت عمر فاروقؓ کے سامنے جا کر چوتھے گواہ زیاد نے پہچان کے بارے میں شک و شُبہ کا اظہار کر دیا. یہ زیاد حضرت ابوبکرہؓ کے ماں کی طرف سے بھائی تھے. حضرت عمرؓ نے شک کا فائدہ حضرت مغیرہؓ کو دیتے ہوئے حضرت ابوبکرہؓ اور ان کے دو ساتھیوں پر قرآنی تعلیم کے مطابق حد قائم کر دی. یہ کوئی جھوٹا واقعہ نہ تھا. ایک فعل ہوا. لیکن دیکھنے والوں کو غلط فہمی ہو گئی. حضرت مغیرہ بن شعبہ کی بیوی کی صورت اُمِ جمیل سے ملتی جلتی تھی اس لئے حضرت ابوبکرہؓ کو غلط فہمی کی بنا پر ملنے والی سزا کی وجہ سے مطعون نہیں کیا جا سکتا. کیوں کہ ان کا ارادہ کسی پر الزام یا بُہتان لگانے کا نہ تھا.

---

[1] تاریخ طبری جلد ۲ ص ۲۰۷-۲۰۸. تاریخ الکامل جلد ۲ ص ۳۷۸-۳۷۹. البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۸۲.

رہی بات ان کی گواہی کے قابلِ قبول ہونے یا نہ ہونے کی۔ تو اس کے بارے میں مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے اُن سے کہا۔

تب تقبل شهادتك فقال له	توبہ کرو تاکہ تمہاری گواہی قبول کی جا سکے، انہوں نے کہا
انما تستتيبني تقبل شهادتي	آپ مجھ سے توبہ اس لئے کروا رہے ہیں تاکہ میری گواہی
قال اجل قال لا جرم	مقبول ہو جائے۔ حضرت عمرؓ نے کہا ہاں۔ حضرت ابوبکرہؓ
اني لا اشهد بين اثنين	نے کہا جب تک میں دنیا میں باقی رہوں گا کبھی بھی دو
ابدا ما بقيت في الدنيا[1]	شخصوں کے درمیان گواہی نہیں دوں گا۔"

حضرت عمر فاروقؓ چاہتے تھے کہ جس طرح ان کے دو ساتھیوں نے توبہ کر لی اور انہوں نے ان کی گواہی کو قابلِ قبول بنا دیا۔ اسی طرح ابوبکرہؓ بھی توبہ کر لیں۔ لیکن انہوں نے خود ہی اپنی گواہی قابلِ قبول بنانے سے انکار کر دیا۔ لہٰذا اس بناء پر ان کی روایت کردہ حدیث کو ٹھکرایا نہیں جا سکتا۔

حضرت ابوبکرہؓ کا اِسلام اور اُن کا مقام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب طائف کا محاصرہ کئے ہوئے تھے۔ تو اس وقت آپؐ نے فرمایا۔ جو آزاد قلعے سے نکل کر ہمارے پاس آئے گا وہ امن میں ہوگا اور جو غلام ہمارے پاس آئے گا وہ آزاد ہوگا۔ اہلِ طائف کے چند غلام قلعے سے اُتر آئے اور اُن میں ابوبکرہؓ بھی تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو آزاد کر دیا۔ ابوبکرہؓ رسّے کی ایک چرخی کے ساتھ قلعے سے اُترے تھے، جسے عربی میں بکرہ کہا جاتا ہے۔ اس لئے ان کا نام ابوبکرہؓ پڑ گیا۔ وہ کہا کرتے

---

[1] کتاب الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ص ۶۲۹ ۔ اسد الغابہ جلد ۶ ص ۳۸ ۔

تھے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آزاد کردہ غلام ہوں۔ ثقیف کے ایک آدمی سے مروی ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپؐ ابوبکرہؓ ہمیں واپس کر دیں، کیونکہ وہ ہمارا غلام ہے۔ آپؐ نے ان کو واپس کرنے سے انکار کرتے ہوئے فرمایا۔

هو طليق الله وطليق رسوله[1] — وہ اللہ اور اس کے رسول کا آزاد کردہ ہے

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے نقل کیا ہے۔

وكان من فضلاء الصحابة[2] — کہ وہ فضلاء صحابہؓ میں تھے

وكان من خيار الصحابة — وہ بہترین صحابہؓ میں سے تھے

وكان افضل القوم[3] — وہ قوم میں افضل تھے۔

حافظ ابن کثیرؒ نے ان کے بارے میں لکھا ہے۔

فصحابى جليل كبير القدر[4] — "بزرگ اور اونچی شان والے صحابی تھے"

کتب احادیث میں حضرت ابوبکرہؓ کی روایات

یہی وجہ ہے کہ امام بخاریؒ نے حضرت ابوبکرہؓ سے چودہ احادیث اپنی الجامع الصحیح میں نقل کی ہیں[5] اور امام جمال الدین ابوالحجاج یوسف بن الزکی عبدالرحمٰن بن یوسف المزی المتوفی ۷۴۲ھ نے صحاح ستہ میں ان سے مروی چوہتر احادیث کی نشاندہی کی ہے[6]

---

[1] طبقات ابن سعد، جلد ۷ ص ۱۵-۱۶۔

[2] الاصابہ: جلد ۶ ص ۲۵۲۔

[3] تہذیب التہذیب، جلد ۱ ص ۴۶۹ [4] البدایۃ والنہایۃ: جلد ۸ ص ۵۷۔

حالانکہ امام بخاریؒ اور دوسرے ائمہ حدیث کو اچھی طرح علم تھا کہ حضرت عمر فاروقؓ نے ان پر حدِ قذف جاری کی تھی۔ لیکن اس کے باوجود ائمہ کرام میں سے کسی ایک نے بھی اس طرح کی تنقید نہیں کی، جیسی کہ روشن خیال جناب رحمت اللہ طارق اور جناب رفیع اللہ شہاب نے کی ہے۔ بلکہ ائمہ کرامؒ نے ان سے مروی روایات کو اپنی اپنی کتابوں میں نقل کر کے ان کے کبیر القدر صحابی ہونے کو ثابت کیا ہے۔ امام احمدؒ بن حنبلؒ نے باقاعدہ باب باندھ کر تقریباً ۱۴۸۔ احادیث ان سے نقل کی ہیں[1]

امام بخاریؒ نے حضرت ابوبکرہؓ سے جو روایات نقل کیں ہیں۔ ان میں سے ایک پیش کی جاتی ہے۔ تاکہ معلوم ہو سکے کہ راویوں کی سندوں کو وہ کس طرح واضح کرتے ہیں اور حضرت ابوبکرہؓ پر جو الزام لگایا گیا ہے کہ عورت کی سربراہی کی نفی کرنے والی حدیث انہوں نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کو نقصان پہنچانے کے لئے گھڑی تھی۔ اس کی حقیقت کیا ہے؟

صحیح البخاری کے الفاظ یہ ہیں:۔

حدثنا عبدالرحمٰن بن المبارك	عبدالرحمٰن بن المبارک نے ہمیں بتایا،
قال حدثنا حماد بن زيد	اُس نے کہا ہم کو حماد بن زید نے بتایا
قال حدثنا ايوب ويونس	اُس نے کہا ہم کو ایوب اور یونس نے
عن الحسن عن الاحنف	حسن سے۔ اس نے احنف بن قیس
بن قيس قال ذهبت لانصر	سے بیان کیا کہ احنف نے کہا کہ میں
هذا الرجل فلقيني ابوبكرةؓ	اس آدمی یعنی علیؓ کی مدد کے لئے نکلا۔

[1] مسند احمد، جلد ۵ ص ۳۵ تا ۵۲۔

فقال این ترید قلت انصر	مجھے ابوبکرہؓ مل گئے۔ انہوں نے پوچھا
هذا الرجل قال ارجع	کہاں کا ارادہ ہے میں نے کہا۔ اس
فانی سمعت رسول الله	آدمی یعنی علیؓ کی مدد کروں گا۔ انہوں نے
صلی الله علیه وسلم	کہا۔ واپس چلے جاؤ۔ بے شک میں نے
یقول اذا التقی المسلمان	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے
بسیفیهما فالقاتل والمقتول	ہوئے سنا ہے کہ جب دو مسلمان اپنی تلواریں لے کر
فی النار قلت یا رسول الله	ٹکراتے ہیں تو قاتل اور مقتول دونوں جہنم میں چلے
هذا القاتل فما بال المقتول	جاتے ہیں میں نے عرض کیا۔ اللہ کے رسول! قاتل کی
قال انه کان حریصا علی	بات تو سمجھ میں آتی ہے لیکن مقتول کیوں جہنم میں جائیگا
قتل صاحبه [1]	آپ نے فرمایا وہ اپنے ساتھی کے قتل پر حریص تھا۔

صحیح بخاری میں مختلف ابواب کے تحت تین مرتبہ یہ روایت منقول ہے۔ کتاب الایمان اور کتاب الدیات میں تو سند یہی ہے۔ لیکن تیسری جگہ یعنی کتاب الفتن میں مروی ہے۔

حدثنا عبد الله بن	ہم سے عبداللہ بن عبدالوہاب نے
عبدالوهاب قال حدثنا	بیان کیا۔ اس نے کہا ہم سے حماد نے
حماد عن رجل لم	حدیث بیان کی ایک آدمی سے جس نے روایت کی

---

[1] کتاب الایمان : باب المعاصی من امر الجاهلیة : ص ۹

کتاب الدیات : باب قول الله ومن احیاها : ص ۱۰۱۵

کتاب الفتن : باب قول النبی صلی الله علیه وسلم لا ترجعوا بعدی کفارا : ص ۱۰۴۸/۱۰۴۹

يسمه عن الحسن قال	حسن سے۔ حماد نے اس کا نام نہ لیا۔
خرجت بسلاحي ليالي	اس نے کہا۔ میں فتنہ کی راتوں میں
الفتنة فاستقبلني ابوبكرةؓ	اسلحہ کے ساتھ نکلا۔ مجھ سے ابوبکرہؓ کی ملاقات
فقال اين تريد قلت اريد	ہو گئی۔ انہوں نے پوچھا۔ کہاں کا ارادہ ہے؟
نصرة ابن عم رسول الله	میں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
صلى الله عليه وسلم قال	کے عم زاد کی مدد کا ارادہ رکھتا ہوں انہوں
قال رسول الله صلى الله عليه	نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
وسلم اذا تواجه المسلمان	فرمایا۔ جب دو مسلمان اپنی تلواروں کے ساتھ
بسيفيهما فكلاهما من	آمنے سامنے ہوتے ہیں تو دونوں جہنم میں داخل
اهل النّار قيل هذا القاتل	ہو جاتے ہیں۔ عرض کیا گیا کہ قاتل کا
فما بال المقتول قال انه	معاملہ تو سمجھ میں آتا ہے لیکن مقتول کیوں
اراد قتل صاحبه قال	جہنم میں جائے گا۔ آپ نے فرمایا۔ اس
حماد بن زيد فذكرت	نے اپنے ساتھی کو قتل کرنے کا ارادہ کیا۔
هذا الحديث لايوب	حماد بن زید نے کہا۔ میں نے اس حدیث کا ایوب
ويونس بن عبيد	اور یونس بن عبید کے سامنے ذکر کیا۔ میں
وانا اريد ان يحدثاني	چاہتا تھا کہ دونوں مجھ سے حدیث بیان
به فقالا انما روى هذا	کریں چنانچہ دونوں نے کہا بے شک
الحسن عن الاحنف	حسن نے احنف بن قیس سے اور اس نے
بن قيس عن ابي بكرةؓ .	ابوبکرہؓ سے اس حدیث کو بیان کیا ہے۔"

یہ انتہائی علمی انداز ہے کہ اگر ایک روایت ایسی آگئی کہ جس میں ایک راوی کا نام نہیں لیا گیا۔ تو امام بخاریؒ نے کس طرح وضاحت کردی؟ یعنی اس روایت میں احنف بن قیس کے نام کو چھوڑا گیا تھا، لیکن امام بخاریؒ نے پھر ایسی سند کا ذکر کر دیا۔ جس میں اس ابہام کو دُور کر دیا گیا۔

امام مسلمؒ نے بھی حضرت احنفؒ سے نقل کیا کہ انہوں نے کہا:۔

خرجت وانا اريد هذا	میں نکلا اور میں اس آدمی کا ارادہ رکھتا تھا۔
الرجل فلقيني ابوبكرة	پس میری ابوبکرہؓ سے ملاقات ہوگئی۔ انہوں
فقال اين تريد يا احنف؟	نے کہا۔ اے احنف! کہاں کا ارادہ ہے؟
قال قلت اريد نصر ابن	میں نے کہا۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے
عم رسول الله صلى الله	چچا کے بیٹے علیؓ کی مدد کا ارادہ رکھتا ہوں احنف
عليه وسلم يعني عليا	کا بیان ہے۔ ابوبکرہؓ نے مجھ سے کہا،
قال فقال يا احنف ارجع[1]	اے احنف! واپس لوٹ جاؤ۔"

پھر قاتل و مقتول کے جہنم میں چلے جانے والی ابوبکرہؓ سے مروی ساری حدیث نقل کردی۔

امام ابوداؤد نے بھی صحیح البخاری والی روایت "باب النهي عن القتال في الفتنة" کے تحت نقل کی ہے[2]

سنن النسائی میں بھی "باب تحريم القتل" کے تحت احنف سے قاتل و مقتول والا حصہ دو سندوں سے منقول ہے[3]

---

[1] صحیح مسلم: کتاب الفتن: جلد ۲، ص ۳۸۹۔

[2] سنن ابی داؤد: کتاب الفتن: ص ۵۸۶۔

[3] سنن النسائی: جلد ۲۔ ص ۱۶۹۔

اِن روایات سے واضح ہوجاتا ہے کہ جن کو حضرت ابُوبکرہؓ نے قتال سے روکا تھا وہ حسن بصریؒ نہیں بلکہ حضرت احنفؒ تھے۔

جناب رحمتُ اللہ طارق کی ناسمجھی

جناب رحمت اللہ طارق صاحب نے حضرت حسن بصریؒ کے خلاف زہر اُگلتے ہوئے لکھا ہے:
کُتبِ احادیث کی ایک مشہور روایت کی رُو سے تو یہاں تک بھی ثابت ہے کہ آپ کارزارِ جمل میں ہاتھ میں تلوار لیئے عائشہ صدّیقہ کے خلاف لڑنے جا رہے تھے کہ بقول ان کے انہیں وہی ابُوبکرہؓ ملے، جن سے زیرِ بحث روایت مروی ہے۔ اُس نے کہا کہ حسنؒ کہاں جا رہے ہو۔ میں نے کہا کہ ارید نصرۃ ابن عمّ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم یعنی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی کی طرف سے جنگ لڑنے جا رہا ہوں۔ اس پر ابُوبکرہؓ نے ایک حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے حسن بصریؒ کو کہا کہ دونوں پارٹیاں جب مسلمان ہوں اور دونوں تلوار سے آمنا سامنا کریں تو دونوں فریق دوزخی (کافر) ہیں۔ (بحوالہ بخاری، کتاب الفتن) [1]

اپنے مطلب کا ترجمہ کرنے میں جناب رحمتُ اللہ طارق صاحب کو بڑی مہارت حاصل ہے۔ حدیث میں دو شخصوں کے بارے میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا فرمان سنایا گیا ہے جو ایکدوسرے کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ لیکن رحمت اللہ طارق صاحب نے ان کو دو پارٹیاں بنا دیا۔ قاتل و مقتول کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے کہ دونوں جہنمی ہیں۔ لیکن کافر کا اضافہ اپنی طرف سے کر دیا۔

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:۔

---

[1] عورت اور مسئلہ امارت: ص ۳۵۔

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا	اور جو قصداً کسی مومن کو قتل کرتا ہے۔ پس
فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا	اس کی سزا جہنم ہے جس میں ہمیشہ رہے گا اور اللہ
وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ	اس پر غضبناک ہوگا اور اس پر لعنت کریگا اور اس
وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا[1]	کے لئے اس نے بہت بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے"۔

عجیب بات یہاں یہ سامنے آئی کہ حضرت ابوبکرہؓ کے بعد جب حضرت بصریؒ کو طعن کا نشانہ بنانے کا پروگرام بنا تو لکھ دیا کہ زیر بحث حدیث کے ذمہ دار جناب ابوبکرہؓ نفیع بن الحارث نہیں، عوف اعرابی یا خود حسن بصری صاحب ہیں۔ حاشیے میں یہ وضاحت بھی کردی کہ سابقہ اوراق میں جہاں ابوبکرہ نفیع بن الحارث کی بابت کچھ اشارے کئے گئے تھے۔ وہ دراصل وکیل صفائی، ابن حجر کی غلط توجیہات کو ملحوظ رکھ کر کئے گئے تھے[2]

روشن خیالی یہی ہے کہ تنقید کرتے ہوئے یہ نہ دیکھو کہ کوئی کتنا عظیم اور بلند پائے کا محدث اور امام ہے۔ اس کی لکھی ہوئی بخاری کی شرح کو تمام شروح پر فوقیت حاصل ہے۔ حیرانگی کی بات تو یہ ہے کہ ابن حجرؒ کے بارے میں وہ شخص زبان درازی اور قلم اٹھانے کی جسارت کر رہا ہے کہ جس کا خود اپنا حال یہ ہے کہ بخاری کی سند سمجھ میں نہیں آئی یا جان بوجھ کر دھوکہ دینے کے لئے تلوار حضرت حسن بصریؒ کے ہاتھ میں تھما دی۔ علمی میدان میں ٹھوکر کھانا کوئی ایسی بات نہیں۔ لیکن جب دجل و فریب کے بل بوتے پر انسان گمراہی کو مزین کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اس کا انجام یہی ہوتا ہے۔

امام بخاریؒ نے واضح کر دیا کہ جس شخص کو حضرت ابوبکرہؓ نے جنگِ جمل میں حصہ لینے سے

---

[1] سورۃ النساء: آیت ۹۳۔

[2] عورت اور مسئلہ امارت: ص ۴۳۔

روکا تھا۔ وہ حضرت حسن بصریؒ نہ تھے۔ بلکہ حضرت احنف بن قیس تھے۔ کتاب الایمان اور کتاب الدیات والی دونوں روایات میں عن الحسن عن الاحنف بن قیس واضح طور پر موجود ہے۔ لیکن تیسری روایت میں جب الاحنفؒ بن قیس کا نام ظاہر نہ ہوا۔ تو امام بخاریؒ نے چوتھی روایت نقل کر کے سند کے سقم کو دُور کر دیا۔ جو علامہ رحمت اللہ طارق صاحب کی نگاہ سے اس لئے اوجھل رہا۔ کہ عورت کی سربراہی کو ثابت کرنے کی محبت نے حضرت حسن بصریؒ کو طعن کا نشانہ بنانے پر لگا دیا۔ انشاءاللہ تعالیٰ حضرت حسن بصریؒ کی عظمت خود بخود اجاگر ہو جائے گی۔ جب حضرت ابُوبکرہؓ سے بحث ان کی طرف منتقل ہو گی۔

حضرت ابُوبکرہؓ پر حضرت عائشہؓ کی مخالفت کا غلط الزام

دو مسلمان شخصوں کو آپس میں ٹکرانے سے روکنے والی حدیث بھی حضرت ابُوبکرہؓ نے جنگِ جمل کے موقع پر حضرت احنفؒ بن قیس کو اس وقت سُنائی کہ جب وہ جنگی تیاری کے ساتھ حضرت علیؓ کی طرف سے حضرت عائشہ کے خلاف جنگ میں شریک ہونے کے لئے جا رہے تھے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے نقل کیا ہے۔

وکان الاحنف اراد ان یخرج بقومه الی علی بن ابی طالب لیقاتل معه یوم الجمل فنهاه ابوبکرة فرجع [1]	"احنف نے ارادہ کیا تھا کہ جنگ جمل میں اپنی قوم کو لے کر حضرت علیؓ بن ابی طالب کے ساتھ مل کر قتال کریں۔ حضرت ابُوبکرہؓ نے ان کو منع کیا چنانچہ وہ لوٹ گئے۔"

[1] فتح الباری: جلد ۱: ص ۸۶۔

امام احمد بن محمد القسطلانی کے الفاظ ہیں۔ قد رجع الاحنف عن رای ابی بکرۃ [1]

" الاحنف ابوبکرہؓ کے مشورہ پر واپس چلے گئے۔

فتح الباری میں یہ بھی منقول ہے کہ احنف بن قیس نے اسلام لانے سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا۔ اسلام کی دولت سے مالا مال ہونے کے بعد وہ بنو تمیم کے سردار تھے۔ اور ان کی حلیمی کی مثال دی جاتی تھی۔

امام بخاریؒ نے تین روایات وہ نقل کی ہیں کہ جن میں واضح الفاظ میں حضرت ابوبکرہؓ نے حضرت احنفؒ بن قیس کو حضرت علیؓ کی طرف سے لڑائی میں حصّہ لینے سے روکا اور ان کی رائے کو قبول کرتے ہوئے حضرت احنف رُک گئے لیکن اس کے برعکس عورت کی سربراہی کی نفی کرنے والی روایت امام بخاریؒ نے دو مرتبہ نقل کی ہے۔ اگر کوئی روشن خیال اس روایت کی مخالفت اور انکار اس لئے کرتا ہے کہ آج ایک عورت کی سربراہی پر زد پڑتی ہے تو حضرت علیؓ کی ذات میں غلوّ کرنے والا حضرت ابوبکرہؓ کی روایت کردہ حدیث کا انکار اس بناء پر کرسکتا ہے کہ انہوں نے ایک قوم کے سردار کو حضرت علیؓ کی حمایت سے روکا۔ لیکن حقیقت میں دونوں ہی رُجحان درست نہیں۔ کیونکہ حضرت ابوبکرہؓ نے جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا وہ بیان کردیا۔

ایک دلچسپ پہلو یہ بھی ہے کہ جنگِ جمل کے موقع پر حضرت ابوبکرہؓ نے میدان میں جاکر یا کسی مسجد یا محلّے میں کھڑے ہو کر اعلان نہیں کیا تھا کہ اے لوگو حضرت عائشہؓ کا ساتھ مت دو۔ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ وہ قوم کبھی فلاح نہیں پائے گی، جس نے اپنا معاملہ عورت کے سپرد کر دیا۔ بلکہ حدیث کے الفاظ ہیں۔

---

[1] ارشاد الساری: جلد ۱، ص ۱۱۷۔

"کہ اللہ تعالیٰ نے جنگ جمل کے دنوں میں مجھے اس کلمہ کے ساتھ نفع دیا جو کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا تھا۔ جب کہ قریب تھا کہ میں اصحاب جمل کے ساتھ مل کر ان کی طرف سے قتال کرتا۔

یہ قول تو ان کا اپنے بارے میں تھا جس طرح اُنہوں نے حضرت احنف کو روکا تھا۔ اس طرح کی کوئی روایت صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ کے کسی ساتھی کے بارے میں منقول نہیں۔ لہٰذا یہ کہنا اور سمجھنا بالکل غلط ہے کہ حضرت ابوبکرہؓ نے حضرت عائشہؓ کی قیادت کو نقصان پہنچانے کے لئے جنگ جمل کے موقع پر روایت گھڑلی اور یہ بھی درست نہیں کہ یہ روایت حضرت عائشہؓ کے ساتھ خاص تھی۔ کیونکہ حضرت عائشہؓ خلافت کے حصول کے لئے کوشاں نہ تھیں بلکہ حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ کے قاتلوں سے فوراً قصاص لینے پر آمادہ کرنے کی کوشش میں تھیں۔

روایت کے الفاظ پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ مبارک اُمّتِ محمدیہ کے لئے عام ہے۔ لیکن ابوبکرہؓ نے اپنی خداداد بصیرت سے فائدہ اٹھایا اور جنگِ جمل میں حصّہ نہ لیا۔ چنانچہ حافظ ابن حجرؒ نے نقل کیا ہے۔

فکان ابابکرۃؓ اشار الی	"گویا کہ ابوبکرہؓ نے اس حدیث کی
ھذا الحدیث فامتنع	طرف اشارہ کیا۔ پس اصحابِ جمل کے ساتھ
من القتال معھم ثم	مل کر قتال کرنے سے رُک گئے۔ پھر ان کو
استصوب رأیہ فی ذالك	لڑائی میں حصّہ نہ لینے والی بات ٹھیک
الترك لما رأی غلبۃ	معلوم ہوئی جب انہوں نے علیؓ کو غالب
علیؓ [1]	آتے دیکھ لیا۔"

---

[1] فتح الباری: جلد ۱۳۔ کتاب الفتن: ص ۵۵-۵۶

امام ترمذیؒ اور امام نسائیؒ نے ابُوبکرہؓ سے نفعنی اللّٰہ کی بجائے عصمنی اللّٰہ (یعنی اللّٰہ تعالیٰ نے مجھے بچا لیا) کے الفاظ نقل کئے ہیں [۱]

فتح الباری میں امام ابوبکر بن ابی شیبہ کے حوالے سے منقول ہے کہ حضرت ابوبکرہؓ سے کہا گیا کہ جنگ جمل کے دن اہل بصرہ کے ساتھ آپ کو قتال کرنے سے کس چیز نے روکا تو اُنہوں نے جواب دیا۔ میں نے رسُول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم کو ارشاد فرماتے سُنا۔

یخرج قوم هلکی لایفلحون قائدهم امرأة فی الجنة [۲]	"ایک ہلاک ہونے والی قوم نکلے گی وہ کامیاب نہیں ہوگی۔ ان کی قائد ایک عورت ہوگی جو جنّت میں جائے گی"

لیکن جناب رحمتُ اللّٰہ طارق صاحب نے سیدھے سادہ ترجمہ کو اپنے مطلب کا یُوں بنایا۔

کہ" ہلاک زدہ ایک ایسی قوم نمودار ہوگی جو جنّت سے محروم رہ جائے گی۔ ان کی قیادت ایک عورت کر رہی ہوگی"

یہ ترجمہ کسی بھی طرح صحیح نہیں ہو سکتا کیوں کہ ابو وائل سے مروی ہے۔

قام عمارؓ علی منبر الکوفة فذکر عائشة وذکر مسیرها وقال انها زوجة نبیکم صلی اللّٰہ علیه وسلم	"حضرت عمارؓ کوفے کے منبر پہ کھڑے ہوئے انہوں نے حضرت عائشہؓ کا ذکر کیا اور کہا کہ تمہارے نبی صلی اللّٰہ علیہ وسلّم کی دنیا اور آخرت

---

[۱] جامع الترمذی جلد ۲۔ کتاب الفتن: ص ۱۶۔ سنن النسائی جلد ۲۔ کتاب آداب القاضی ص ۳۰۱ (النہی استعمال النساء فی الحکم)

[۲] فتح الباری جلد ۱۳۔ کتاب الفتن: ص ۵۵۔

فی الدنیا والآخرۃ [1]	میں وہ بیوی ہیں"

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے حضرت عمارؓ کے قول کی ان الفاظ میں وضاحت کی ہے۔

ان عائشۃ مع ذلك لم تخرج عن الاسلام ولا ان تکون زوجۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الجنۃ [2]	"بے شک عائشہؓ (جنگِ جمل والے معاملے کے باوجود نہ اسلام سے خارج ہوئیں اور نہ ہی جنت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ ہونے سے محروم ہوئیں"

امام بخاریؒ نے ابووائل کے شاگرد الحکم سے نیچے دوسری سند کے ساتھ فضائل عائشہؓ کے تحت ایک اور روایت نقل کی ہے۔

لما بعث علیؓ عمارا والحسن الی الکوفۃ لیستنفرھم خطب عمار فقال انی اعلم انھا زوجتہ فی الدنیا والآخرۃ ولکن اللہ ابتلاکم لتتبعوہ وایاھا [3]	"جب علیؓ نے عمارؓ اور حسنؓ کو کوفہ بھیجا، تاکہ وہ اہل کوفہ کو مدد کے لئے تیار کریں۔ تو عمارؓ نے ان سے خطاب کیا اور کہا بے شک میں جانتا ہوں کہ وہ یعنی عائشہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیا و آخرت میں زوجہ ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے تم کو آزمایا ہے کہ تم انکی اتباع کرتے ہو یا علیؓ کی"

---

[1] صحیح البخاری: کتاب الفتن: ص ۱۰۵۲۔ تاریخ طبری: ص ۱۸۹۔

[2] فتح الباری: ص ۱۳: ص ۵۸۔

[3] طبقات ابن سعد: جلد ۸۔ ص ۶۴

حضرت عمارؓ جو کہ حضرت علیؓ کے اہلِ کوفہ کی طرف قاصد تھے۔ اور ان کو جنگِ جمل میں حضرت علیؓ کا ساتھ دینے پر اُبھار رہے تھے۔ انہوں نے بھی حضرت عائشہؓ کے جنّت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ ہونے کا اعلان کیا۔

حافظ ابن کثیرؒ سے منقول ہے کہ حضرت عمارؓ اور حسنؓ منبر پر کھڑے ہوئے وہ دونوں لوگوں کو امیر المؤمنین حضرت علیؓ کا ساتھ دینے کی دعوت دے رہے تھے اور اُنہوں نے کہا۔

فانه انما يريد الاصلاح بين الناس۔ "کہ بے شک حضرت علیؓ لوگوں کے درمیان اصلاح کا ارادہ رکھتے ہیں"

حضرت عمارؓ نے ایک شخص کو سُنا کہ وہ حضرت عائشہؓ کو گالی دے رہا ہے۔

انہوں نے کہا۔

اسكت مقبوحا منبوحا "اے بھونکنے والے اور بُرے انسان چُپ رہ"

پھر اُنہوں نے صحیح بخاری والے الفاظ کہے [۱]

علّامہ علاؤ الدین علی المتقی نے واضح طور پر نقل کیا ہے۔

انها زوجة رسول الله صلى الله عليه وسلم فى الجنة [۲] "یعنی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جنّت میں بیوی ہیں"

علّامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن العینی نے بخاری کی شرح میں حدیث کے "تتبعونه" کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے۔

---

[۱] البدایۃ والنہایۃ: جلد ۷ ص ۲۳۴ - کنز العمال: جلد ۱۳ ص ۶۹۴ - طبقات ابن سعد: جلد ۸ ص ۶۵۔

[۲] کنز العمال: جلد ۱۳ ص ۶۹۴ - ۶۹۵ - حلیۃ الاولیاء جلد ۱ ص ۴۴۔

ای تتبعون علیا او تتبعون ایاها ای عائشة قیل الضمیر المنصوب فی تتبعونه یرجع الی الله تعالیٰ والمراد باتباعه اتباع حکمه الشرعی فی طاعة الامام وعدم الخروج علیه۔

کہ" تم علیؓ کی یا عائشہؓ کی اتباع کرتے ہو۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ "تتبعونہ" کی ضمیر منصوب اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتی ہے۔ اس کی اتباع سے مراد اس کے حکم شرعی کے سلسلے میں امام کی اطاعت کرنا اور اس کے خلاف خروج کی ممانعت ہے۔"

علّامہ عینیؒ کا کہنا ہے:-

خاطب الله تعالیٰ ازواج النبیّ صلّی الله علیه وسلّم (وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ) ولهذا قالت ام سلمۃ لا یحرکنی ظهر بعیر حتی القی الله تعالیٰ

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ازواج مطہرات سے فرمایا۔ تم اپنے گھروں میں رہو۔ اسی لئے حضرت ام سلمہؓ نے کہا کہ کسی اونٹ کی پیٹھ مجھے حرکت میں نہیں لائے گی یہانتک کہ میں اللہ تعالیٰ سے مل جاؤں"

علّامہ عینیؒ کا بیان ہے۔

کانت عائشة متأولة هی وطلحةؓ والزبیرؓ وکان مرادهم ایقاع الاصلاح بین الناس واخذ القصاص من قتله

کہ عائشہؓ، طلحہؓ اور زبیرؓ بھلائی کے خواہش مند تھے۔ اور ان کی مراد لوگوں میں اصلاح کا قیام اور حضرت عثمان غنیؓ کے قاتلوں سے قصاص

عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لینا تھا۔"

حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ کا موقف

جو کچھ عرض کیا جا چکا ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ دونوں ہی فتنہ و فساد کے طلب گار نہ تھے بلکہ حضرت عثمان غنیؓ کی مظلومانہ شہادت کی وجہ سے ان کے قاتلوں کے بارے میں پیدا ہونے والے اہم ترین مسئلہ قصاص پر اختلاف تھا۔ دونوں ہی اصلاح کے متمنی تھے۔ حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ سے جب بھی پوچھا گیا تو انہوں نے یہی جواب دیا کہ وہ اصلاح کا ارادہ رکھتے ہیں۔

حضرت عائشہؓ کی قیادت کے عنوان کے تحت تاریخی حوالوں سے وضاحت کر دی گئی ہے کہ قصاص کا معاملہ طے ہو گیا تھا۔ صلح کی بات پکی ہو چکی تھی کہ رات کے اندھیرے میں قاتلینِ عثمانؓ نے اندھیر مچا دیا۔

دنیا کا کوئی مؤرخ یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ عائشہ صدیقہؓ نے کسی موقعہ پر خلافت کے حصول کی کوشش کی ہو یا اس کے لئے کوئی تحریک چلائی ہو بلکہ حضرت عثمانؓ کے قصاص کا معاملہ تھا۔ جس کے لئے انہوں نے اپنی استطاعت کے مطابق کوشش کی اور جس پر وہ زندگی بھر مضطرب رہیں۔

حضرت عائشہؓ کا پچھتاوا

حج کے بعد حضرت عائشہؓ کے ساتھ ازواج مطہراتؓ بھی تھیں۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ عائشہؓ

لہ عمدۃ القاری شرح البخاری: جلد ۱۶، ص ۲۵۱۔ ۲۵۲

اصحاب جمل کے ساتھ بصرہ جا رہی ہیں۔ تو وہ مدینہ طیبہ روانہ ہو گئیں۔ حضرت حفصہؓ کا ارادہ تھا۔ کہ وہ حضرت عائشہؓ کے ساتھ رہیں۔ لیکن ان کے بھائی حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ان کو روک لیا[1]

حافظ ابن عبدالبر القرطبی (المتوفی ۴۶۳ھ) نے ابن ابی عتیق سے نقل کیا ہے کہ عائشہؓ نے کہا۔ جب ابن عمرؓ گزریں تو مجھے آگاہ کر دینا۔ چنانچہ جب ابن عمرؓ آئے تو عائشہؓ کو بتا دیا گیا۔ انہوں نے ابن عمرؓ سے کہا۔

یا ابا عبدالرحمٰن ما منعك	"اے ابو عبدالرحمٰن! (بصرہ) جانے سے
ان تنهانی عن مسیری قال	مجھے آپ کو نہ روکنے والی کونسی چیز تھی؟
رأیت رجلا قد غلب	انہوں نے کہا، میں نے دیکھا کہ ایک
علیك وظننت انك لا	آدمی آپ پر غالب آ چکا ہے۔ میں نے
تخالفینه یعنی ابن	خیال کیا کہ آپ اس کی یعنی ابن زبیرؓ کی مخالفت
الزبیر قالت اما انك	نہیں کریں گی۔ عائشہؓ نے کہا اگر آپ مجھے
لو نهیتنی ما خرجت[2]	منع کرتے تو میں نہ جاتی۔"

حضرت عائشہؓ کے الفاظ سے واضح ہوتا ہے کہ ان کو جنگ جمل میں شریک ہونے پر کتنا دکھ تھا۔ ایک ایسی ناخوشگوار یاد تھی جو انہیں بے قرار کئے ہوئے تھی۔

مکّہ سے جب وہ لشکر کے ساتھ بصرہ جا رہی تھیں۔ تو راستے میں حوأب کے مقام پر کتوں کے بھونکنے کی انہوں نے آواز سنی تو ان کے پوچھنے پر انہیں بتایا گیا کہ یہ مقام حوأب ہے۔ انہوں

---

[1] تاریخ طبری: جلد ۵ ص ۱۶۸۔ الکامل: جلد ۳ ص ۱۰۶۔ البدایۃ والنہایۃ۔ جلد ۷ ص ۲۳۱۔

[2] الاستیعاب: ترجمہ، عبداللہ بن زبیرؓ: ص ۳۵۴۔

نے کہا۔ میں تو واپس جا رہی ہوں۔ اُن سے حضرت زبیرؓ نے کہا۔ نہیں بلکہ آپ آگے بڑھیں مسلمان آپ کو دیکھیں گے اور اللہ تعالیٰ ان کے درمیان صلح کرا دے گا۔

مسند احمد میں حضرت زبیرؓ کی بجائے "بعض من کان معها" کے الفاظ ہیں۔ یعنی ان کے ساتھ جو لوگ تھے۔ ان میں سے بعض نے یہ بات کہی۔

عائشہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ تم میں سے ایک کے ساتھ کیا ہوگا جب اُس پر حوأب کے کُتّے بھونکیں گے؟ [۱]

مورّخین نے الفاظ کی کمی بیشی کے ساتھ نقل کیا ہے کہ عائشہؓ کو جب پتہ چلا کہ اس جگہ کا نام حوأب ہے تو اُنہوں نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور زور سے چیخیں کہ اللہ کی قسم وہ میں ہی حوأب کے کُتّوں والی ہوں۔ یہ بھی منقول ہے کہ تین مرتبہ اُنہوں نے کہا۔ لوگو! مجھے واپس لے چلو۔ پھر اُنہوں نے چابک مار کر اپنے اُونٹ کو اٹھایا اور وہاں سے چل نکلیں [۲]

جناب رحمت اللہ طارق اور ان کے ساتھی حضرت ابو بکرہؓ اور ان کے شاگردوں کو اس لئے طعن کا نشانہ بناتے ہیں کہ عورت کی سربراہی کی نفی کرنے والی حدیث کے وہ راوی ہیں۔ حالانکہ حوأب کے کتّوں والی حدیث کی راویہ خود عائشہؓ صدیقہ ہیں۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مُبارک میں ہی خود اُنہوں نے ایسی روایت سُنی جو مقامِ حوأب کے کتّوں کو بھونکنے پر ان کو یاد آ گئی۔

ایک اور اسی طرح کی روایت حضرت ابن عباسؓ سے بھی مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم میں سے تربیت یافتہ اُونٹ والی کون ہوگی کہ جس کے اردگرد بہت سے لوگ قتل ہوں گے اور ہلاکت کے قریب ہو کر وہ نجات پائے گی [۳]

---

[۱] المستدرک: جلد۳ ص ۱۲۰۔ مسند احمد: جلد۶ ص ۵۲۔ فتح الباری: جلد۱۳ ص ۵۵۔ سیر اعلام النبلاء جلد ۲ ص ۱۷۷۔
[۲] تاریخ طبری جلد۵ ص ۱۷۱۔ الکامل جلد۳ ص ۱۰۷۔ ابن خلدون: جلد ۲ ص ۱۵۵۔
[۳] الاستیعاب: ترجمہ عائشہ ص ۷۴۵۔ سیر اعلام النبلاء: جلد۲ ص ۱۹۸۔

بزار کی روایت میں یہ بھی ہے کہ اس پر حوأب کے کُتے بھونکیں گے ۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے راویوں کے بارے میں لکھا ہے ۔

رجالہ ثقات ؎ "اس روایت کے سب راوی ثقہ ہیں"

حافظ ابن عبدالبرؒ نے اس حدیث کے بارے میں رقم کیا ہے کہ یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی نشانیوں میں سے ہے ۔ حضرت ابن عباسؓ کے شاگرد عکرمہ سے روایت کرنے والے عصام بن قدامہ ثقہ ہیں اور ساری سند ایسی مشہور ہے کہ ذکر کی محتاج نہیں ۔ حافظ ابن حجرؒ نے پہلے ہی اس کی وضاحت کر دی ہے ۔

اُمّ المؤمنین حضرت اُمّ سلمہؓ کا ناصحانہ خط

اصحابِ جمل اور حضرت عائشہؓ کے بارے میں جب خبر مدینہ پہنچی تو اُمّ المؤمنین حضرت ام سلمہؓ نے عائشہؓ کو ایک خط لکھا ۔ جس کے الفاظ یہ تھے ۔

اما بعد! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی اُمت کے درمیان آپ ایک دروازہ ہیں ۔ اور آپ کا پردہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حُرمت پر ڈالا گیا ہے ۔ آپ کے دامن کو قرآن کریم نے سمیٹ رکھا ہے ۔ اسے آپ پھیلائیں نہ ۔ آپ کو گھر میں ٹھہرایا ہے ۔ اس سے باہر نہ آئیں ۔ اللہ تعالےٰ اس اُمت کے پیچھے ہے ۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے مرتبے سے واقف تھے ۔ اگر یہ کام آپ کے سپُرد کرنے کا ارادہ رکھتے تو آپ کے ذمّے لگا دیتے ۔ آپ اچھّی طرح جانتی ہیں کہ اگر دین کا ستون ٹیڑھا ہو جائے تو عورتوں کے ذریعے سیدھا نہیں ہو سکتا ۔ اگر اس میں شگاف پڑ جائے تو

عورتوں کے ذریعے اس کو بھرا نہیں جا سکتا۔ عورتوں کی انتہائی خوبی یہ ہے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی اور اپنے دامنوں کو سمیٹے رکھیں۔ اگر آپ کی ملاقات رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے پہاڑوں اور صحراؤں میں ہو جائے تو آپ اُن کو کیا جواب دیں گی۔ آپ کا اُونٹ پر سوار ہو کر ایک گھاٹ سے دُوسرے گھاٹ اپنی خواہش کے مطابق آنا جانا بے شک اللہ تعالیٰ کے سامنے ہے۔ حالانکہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس آپ نے جانا ہے اور آپ نے اس حجاب کو پھاڑ دیا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے آپ پر ڈالا تھا۔ اور اُن سے کئے ہوئے عہد کو چھوڑ دیا ہے۔ اگر میں وہ کام کرتی جس کا آپ ارادہ کئے ہوئے ہیں۔ پھر مجھے کہا جاتا کہ جنّت میں داخل ہو جاؤ۔ تو اللہ تعالیٰ کے سامنے جاتے ہوئے مجھے شرم آتی۔ اس لئے کہ اس نے جو حجاب مجھ پر ڈالا تھا۔ اُس کو میں نے تار تار کر دیا۔ آپ اپنے حجاب کو جو آپ پر ڈالا گیا ہے اس کو قلعہ بنا لیں جب تک آپ کی مُلاقات اللہ تعالیٰ سے نہیں ہوتی اسی میں اپنی منزل تلاش کریں۔ آپ اس وقت زیادہ اطاعت گزار ہوں گی جب اسی کو لازم رکھیں گی۔ اور اُمّت کی اُس وقت زیادہ خیرخواہ ہوں گی جب اسی میں بیٹھی رہیں گی۔ اگر میں آپ کو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا وہ کلام یاد کراؤں جو آپ نے اس بارے میں فرمایا ہے تو آپ مجھے سانپ کی طرح نوچیں گی۔ والسّلام [1]

اس نصیحت آموز خط میں اُمّتِ محمدیّہ کی تمام خواتین کے لئے راہنمائی ہے کہ اُمّت کی بھلائی اور ترقّی کے لئے اُنہوں نے کیا کرنا ہے جب حضرت عائشہؓ جیسی عظیم خاتون کو جنگِ جمل میں حصّہ لینے اور اُمّت کی خیرخواہی کی خاطر میدان میں آنے سے روکا گیا ہے تو آج کی عورت کو اسلام کی طرف سے کس طرح یہ حق مل گیا ہے کہ مردوں کے ہوتے ہوئے وہ سیاسی قیادت کو اپنے ہاتھ میں لے کر اسلامی تعلیم کو پامال کرے۔ جو لوگ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں، ان کی فلاح قرآن و سنّت کے تحت زندگی گزارنے میں ہے۔ مسلمانوں کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کی پیروی کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ غیر اسلامی کوئی بھی نظام مسلمانوں کی فلاح و بہبُود کا سبب نہیں بن سکتا۔

حضرت عائشہؓ نے بھی اجتہاد کرتے ہوئے وہ کام کرنے کی کوشش کی جو اُن کی ذمہ داری نہ تھی۔ لہٰذا نتیجہ ایسا سامنے آیا کہ ساری عُمر ان کی بے سکونی کا سبب بن گیا۔

حضرت عائشہؓ نے حضرت اُمّ سلمہؓ کے خط میں جواب لکھا۔ میں نے آپ کی وعظ و نصیحت کو اچھی طرح جان کر قبول کر لیا ہے۔ لیکن میرے میدان میں آنے کی وجہ وہ نہیں جو آپ نے گمان کیا ہے بلکہ حقیقتِ حال یہ ہے کہ دو جھگڑنے والے گروہوں کا معاملہ میرے پاس آیا ہے اگر اس کو ٹھیک کرنے میں کامیاب ہوگئی تو کوئی حرج نہیں۔ اگر کامیاب نہ ہُوئی تو مزید آگے بڑھنے کے سوا چارہ نہیں۔

حضرت عائشہؓ کا خیال تھا کہ اُن کی وجہ سے قاتلینِ عثمانؓ کے قصاص والا معاملہ جلدی طے پا جائے گا کیوں کہ اُمّ المؤمنین اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حبیبہ ہونے کی وجہ سے ان کو عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ اسی لئے حضرت عمارؓ ان کے خلاف لشکر جمع کرتے ہوئے بھی ان کے بارے میں کوئی نازیبا لفظ سُننا پسند نہیں کرتے تھے۔ بلکہ کوفہ کے ممبر پر کھڑے ہو کر دنیا اور آخرت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی ہونے کا اعلان کرتے تھے۔

جنگ جمل کے بعد حضرت علیؓ نے ان دو شخصوں کو سزا دی جنہوں نے حضرت عائشہؓ کی شان میں گستاخی کی تھی۔

ایک نے یہ مصرعہ پڑھا تھا :۔

جُزِيتِ عَنَّا أُمَّنَا عقوقا

" اے ہماری ماں تمہیں ہماری طرف سے نافرمان ہونے کی سزا ملی ہے "

دوسرے نے کہا :۔

يَا أُمَّنَا تُوبِي فَقَدْ خَطَئْتِ "اے ہماری ماں! توبہ کریں آپ نے غلطی کی ہے"

حضرت علیؓ کو یہ الفاظ اتنے بُرے اور معیوب لگے کہ پہلے ان دونوں کو قتل کرنے کا حکم دیا لیکن

بعد میں کپڑے اُتروا کر سو سو کوڑے لگوائے [1]

اظہارِ ندامت

غور طلب تو بات یہ ہے کہ جنگِ جمل میں جو نقصان ہوا۔ دس ہزار قیمتی جانیں قربان ہوئیں مسلمان آپس میں ٹکرا گئے۔ اس کی وجہ کیا تھی؟ رحمت اللہ طارق اور ان جیسے کیا اس المناک واقعہ کو عورت کی کامیابی اور کامرانی سے تعبیر کر سکتے ہیں؟ جب کہ اُمّ المومنینؓ کا اپنا حال یہ تھا کہ اس خوفناک جنگ کے خاتمہ پر اُنہوں نے کہا تھا۔

واللہ لوددت انی مت قبل	"اللہ کی قسم بے شک میں پسند کرتی ہوں کہ
ھذا الیوم بعشرین سنۃ	اس دن سے بیس سال پہلے مرگئی ہوتی"

حضرت علیؓ کو جب ان کی یہ بات پہنچی تو اُنہوں نے بھی یہی کلمات کہے [2]

حافظ شمس الدین ذہبیؒ کے الفاظ ہیں:۔

ولا ریب ان عائشۃ ندمت	"اُس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت عائشہؓ اپنے
ندامۃ کلیۃ علی مسیرھا	بصرے کے سفر اور جنگ جمل میں حاضری پر
الی البصرۃ وحضورھا	کُلّی طور پر نادم تھیں۔ اور ان کو یہ گمان
یوم الجمل وما ظننت ان	نہ تھا کہ بات وہاں تک پہنچ جائے گی
الامر یبلغ ما بلغ [3]	جہاں پہنچ گئی"

---

[1] تاریخ طبری: جلد ۵ ص ۲۲۳ - تاریخ الکامل جلد ۳، ص ۱۳۲۔ البدایۃ والنہایۃ جلد ۷ ص ۲۴۶۔

[2] تاریخ طبری جلد ۵ ص ۲۲۱۔ الکامل جلد ۳ ص ۱۳۰۔ ابن خلدون: جلد ۲ ص ۱۶۴۔

[3] سیر اعلام النبلاء، ج ۲ ص ۱۷۷۔

پھر انہوں نے اس روایت کا ذکر کیا جو ابن سعد اور ابو نعیم نے بھی نقل کی ہے کہ حضرت عائشہؓ قرآن کریم کی جب یہ آیت پڑھتیں ۔

وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ [1] "تم اپنے گھروں میں رہنا"

تو اتنا روتیں کہ اُن کی اوڑھنی آنسوؤں سے تر ہو جاتی [2]

اُمّہات المؤمنین کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابِ مُبین میں جو حکم فرمایا ۔ اگر اسی کو سمجھنے کی کوشش کی جائے تو اسلامی ملک میں عورت کی قیادت کا مسئلہ خود بخود حل ہو جاتا ہے ۔ ارشاد ہوتا ہے

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّ قُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۞ وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَ اَطِعْنَ اللّٰهَ	"اے نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کی بیویو! اگر تم پرہیزگار بن جاؤ تو تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو، تم نرم لہجے میں بات نہ کیا کرو، ایسا نہ ہو کہ جس کے دل میں بیماری ہو وہ کوئی خیال کرلے ۔ ہاں قاعدے کے مطابق کلام کیا کرو، اور اپنے گھروں میں قرار سے رہو۔ اور قدیمی جہالت کے زمانے کی طرح اپنے بناؤ سنگھار کی نمائش نہ کرنا ۔ اور نماز قائم کیا کرو ۔ اور زکوٰۃ دیتی رہو اللہ اور اس کے رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم

---

[1] سورۃ الاحزاب : آیت ۳۳

[2] طبقات ابن سعد: جلد ۸ ص ۸۱ - حلیۃ الاولیاء : جلد ۲ ص ۴۹ ۔

وَ رَسُوْلَهٗ [1] کی اطاعت کرو۔"

یہ حکم ان عظیم الشان خواتین کو دیا گیا۔ جنہیں سیّد الانبیاء محمّد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی ازواج مطہرات ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ ان کو اپنے گھروں میں رہنے، آوازوں کو پست رکھنے اور جہالت کے بناؤ سنگھار کی نمائش سے منع کیا گیا۔

مفسّرین نے نقل کیا ہے کہ جہالت میں عورتیں بے پردہ پھرا کرتی تھیں۔ دوپٹے کو اس طرح لپیٹنا کہ گلے اور کانوں کے زیورات دُوسروں کو نظر آئیں اور ناز و نخرے سے چلنا اور اپنی زینتوں کو ظاہر کرنا یہ جہالت کا بناؤ تھا [2]

اللہ تعالیٰ نے بڑے ہی اختصار کے ساتھ زینتوں کی نمائش پر یُوں پابندی لگا دی۔

وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا [3] "جس کا چھپانا مشکل ہے اس کے سوا اپنی زینتوں کو ظاہر نہ کرو۔"

مفسّرین نے اس کی وضاحت کرتے ہُوئے لکھا ہے کہ ہاتھوں اور پاؤں کے علاوہ باقی کچھ ظاہر نہیں ہونا چاہیئے۔

عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:۔

اِنَّ المرأۃ عورۃ فاذا خرجت استشرفھا الشیطان "بے شک عورت سرتاپا پردے کی چیز ہے جب گھر سے نکلتی ہے تو شیطان اس کو جھانکنے لگتا ہے"

---

[1] سورۃ الاحزاب: آیت ۳۲-۳۳۔

[2] تفسیر ابن جریر پ۲۲ ص۴، تفسیر ابن کثیر، جلد۳ ص۴۸۲، تفسیر القرطبی الجزء ۱۴ ص ۱۷۹-۱۸۰۔ المراغی پ۲۲ ص ۶

[3] جامع الترمذی جلد ا: ابواب الرضاع: ص ۱۴۳۔

اسی لئے کسی ضرورت کے تحت گھر سے نکلنے والی عورتوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے حکم دیا گیا ہے۔

يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ	"اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اپنی بیویوں
وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ	اور اپنی بیٹیوں اور مومنوں کی عورتوں سے کہہ
يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ	دیں کہ اپنے اوپر اپنی چادریں ڈال لیں۔ یہ
ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَنْ يُعْرَفْنَ	زیادہ قریب ہے کہ ان کی پہچان ہو جائے اور
فَلَا يُؤْذَيْنَ [1]	وہ ستائی نہ جائیں۔"

یہ آیت مبارکہ پردے کی اصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عائشہؓ قصاص عثمانؓ کے مسئلے کو لے کر میدان میں تو آئیں، لیکن جناب رحمت اللہ طارق اور ان کے ساتھیوں میں سے کوئی یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ انہوں نے مردوں کے سامنے چہرہ کھول کر اور بناؤ سنگھار کر کے کسی جگہ خطاب کیا ہو؟ جب بیت اللہ میں حضرت عثمانؓ کے قصاص پر لوگوں کو ابھارا، تب بھی ان کے لئے پردے کا خاص انتظام کیا گیا۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کے ایک اجتہادی فعل کو سامنے رکھتے ہوئے عورت کی سربراہی کو ثابت کرنے والوں کی نگاہ ازواج مطہراتؓ اور صحابیاتؓ کے معمولات تک نہیں جاتی بلکہ صرف مطلب کی بات کو دجل و فریب اور چابکدستی سے مزین کرنے میں کوشاں رہتے ہیں۔

جس فعل پر حضرت عائشہؓ نے اپنی ندامت کا اظہار کر دیا۔ قرآن حکیم کی جس آیت مبارکہ میں انہیں بلا ضرورت گھر سے نکلنے کی ممانعت تھی۔ اس کو پڑھ کر وہ رویا کرتی تھیں۔ لیکن آج ایک عورت

---

[1] سورۃ الاحزاب: آیت ۵۹۔

کو خوش کرنے اور حکومت کا خیر خواہ بننے کے شوق میں ان کے اسی فعل کو نمونہ بنا کر پیش کیا جا رہا ہے۔

ابن سعد اور حافظ ابو عبداللہ الحاکم نیساپوریؒ نے الفاظ کی کمی بیشی کے ساتھ قیس بن ابی حازم سے نقل کیا ہے۔

قالت عائشۃؓ وکان تحدث نفسها ان تدفن فی بیتها مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکرؓ فقالت انی احدثت بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدثا ادفنونی مع ازواجہ فدفنت بالبقیع ھذا حدیث صحیح علی شرط الشیخین ولم یخرجاہ۔ [1]	"عائشہؓ نے کہا کہ ان کی دلی خواہش تھی کہ ان کو ان کے گھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ کے ساتھ دفن کیا جائے ان کا قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد میں نے ایک حدث کا ارتکاب کیا ہے۔ لہٰذا مجھے آپ کی ازواج مطہرات کے ساتھ دفن کر دینا۔ چنانچہ ان کو بقیع میں دفنایا گیا"

امام حاکم کے الفاظ ہیں کہ یہ حدیث بخاری مسلم کی شرط پر ہے۔ لیکن انہوں نے اپنی کتابوں میں اسے نقل نہیں کیا۔

الطبقات الکبرٰی میں یہ بھی منقول ہے کہ حضرت عائشہؓ نے اپنی وفات کے وقت یہ کہا تھا۔

امام شمس الدین الذہبیؒ نے "حدث" کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

کہ اس سے مراد ہے۔

---

[1] المستدرک جلد ۴ (ترجمہ عائشہؓ) ص ۶۔ الطبقات الکبرٰی جلد ۸ ص ۷۴۔

مسيرها يوم الجمل فانها	"جنگِ جمل میں ان کا آنا جس پر وہ
ندمت ندامة كلية و	کلی طور پر نادم ہوئیں۔ اور انہوں نے
تابت من ذلك على انها	اس سے توبہ کر لی۔ حالانکہ انہوں نے
ما فعلت ذلك الا متأولة	یہ کام صرف بھلائی کے ارادے سے کیا
قاصدة للخير كما اجتهد	تھا۔ ان کی یہ تاویل اسی طرح کی تھی، کہ
طلحة بن عبيد الله	جس طرح حضرت طلحہؓ بن عبید اور حضرت زبیرؓ
والزبير بن العوام و	بن عوام اور کبار صحابہؓ کی جماعت نے
جماعة من الكبار رضى الله	اجتہاد کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ ان سب سے
عن الجميع [1]	راضی ہو جائے"

اس وضاحت کے بعد کسی شخص کے لئے ذرا سی بھی گنجائش نہیں رہتی کہ وہ حضرت عائشہؓ صدیقہ کے اس عمل کو نمونہ بنا کر عورت کی قیادت کو ثابت کرنے کی کوشش کرے کہ جس پر وہ ساری عمر نادم رہیں اور اپنے اس عمل کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب میں دفن ہونے کی دلی خواہش کو بھی ترک کر دیا۔

مضحکہ خیز تاویل کی حقیقت

جناب رحمت اللہ طارق صاحب نے فتح الباری کی اس روایت کو "سیدہ صدیقہ نہ کسی منصب سربراہی کی خواہاں تھیں اور نہ خلافت و امامت اور ملکہ بننے کی دعویدار" مضحکہ خیز تاویل قرار دیا ہے کیونکہ

---

[1] سیر اعلام النبلاء جلد ۲ ص ۱۹۳۔

ان کا کہنا ہے کہ آپ کی کمان میں تیس ہزار لوگوں کا سرفروشانہ مظاہرہ کرنا واضح کرتا ہے کہ کسی منصب کی خواہش نہ ہونے کے باوصف لوگوں نے آپ کی سیاسی قیادت پر اعتماد کیا تھا اور کسی حد تک باقاعدہ والی کی حیثیت دے رکھی تھی اور وہ "مرد" والی کی طرح آپ کی اطاعت کرنے کو فرض سمجھتے تھے اور آپ بجا طور پر ولایت کے تقاضوں کے مطابق ان کی کمان کرنے کا اختیار رکھتی تھیں۔ اور اسی دوران آپ کے فوجداری احکام کی طرح دیوانی فیصلے بھی قابلِ عمل اور باعثِ تصفیہ تھے۔ ان میں شرعاً کوئی قباحت ہوتی تو قدآور صحابہ کرامؓ اور دیگر مسلمانوں کا جمِ غفیر قباحت پر مجتمع نہ ہو سکتا تھا۔ لہٰذا عورت کی امارت وصدارت اس زاویہ سے بھی قابلِ اعتراض نہیں رہتی۔ بلکہ اتنے اجلال واعزاز کے سمیٹنے کے بعد وہ خود بھی اگر منصبِ قیادت کی مدعی بن جائیں تب بھی کسی طرح کی قباحت لازم نہ آسکتی تھی۔ کیونکہ تیس ہزار آدمیوں کا اجتماع کسی قیادت کے بغیر ممکن نہیں تھا اور تاریخ نے یہ محفوظ کر لیا کہ اس وقت ایک عورت ہی نے مرکزِ اطاعت بن کر ضبط ونظم کی مثال قائم کی تھی۔ شکست وریخت سے تو مرد بھی دوچار ہوتے رہتے ہیں۔ اس کا معیار قطعی طور پر مختلف ہے [1]

جناب رحمت اللہ طارق کا استدلال کس قدر غیر دانشمندانہ ہے کہ عائشہ صدیقہ کی قیادت کو انہوں نے سیاسی قرار دے دیا۔ جس سے لازم آتا ہے کہ وہ حضرت علیؓ کی خلافت کو تسلیم نہ کرتے ہوئے میدان میں نکل آئیں۔ لہٰذا ان کا یہ عمل درست تھا۔ چونکہ تیس ہزار لوگ ان کے ساتھ تھے۔ تاریخی طور پر انہوں نے مرکزِ اطاعت بن کر ضبط ونظم کی مثال قائم کر دی اس لئے ان کی سربراہی میں شرعاً کوئی قباحت نہ تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ مبارک "کہ کسی چیز کی محبت تجھے اندھا اور بہرہ کر دیتی ہے" جناب رحمت اللہ طارق اور ان کے ساتھیوں کی کوششوں اور چابکدستی کو دیکھ کر بار بار یاد آتا ہے۔

---

[1] عورت اور مسئلہ امارت: ص ۲۲۔ ۲۳۔

یہ حضرات وہ بات کہتے ہیں جو آج تک کسی بھی مورخ کو نہیں سوجھی ۔ تمام مورخین ، محدثین اور مفسرین نے جنگ جمل کے واقعہ کو حضرت عثمان غنیؓ کے قصاص تک محدود کیا ہے ۔ کسی ایک نے بھی اس کو سیاسی نہیں کہا ۔ اگر حضرت عائشہؓ کی قیادت میں شرعاً کوئی قباحت نہ ہوتی تو حضرت علیؓ اور ان کے ساتھی کبھی بھی ان کے خلاف قتال نہ کرتے کیوں کہ وہ عام عورت نہیں اُمت کی ماں تھیں ۔

اگر تیس ہزار ان کے ساتھ تھے تو بیس ہزار وہ ان کے خلاف تھے جو ان پر غالب آگئے اور جنہوں نے ان کا ساتھ دیا تھا ۔ ان میں سے کسی ایک نے ان کو اُمت کا صدر یا امیر بنانے کے لئے ووٹ نہیں دیا تھا ۔ بلکہ حضرت عثمان غنیؓ کے قصاص کے مسئلے کو حل کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حبیبہ و اُم المؤمنین کی ہمراہی اختیار کی تھی ۔ جب مسئلہ پروگرام کے مطابق حل نہ ہو پایا ۔ اور اس کا خوفناک نتیجہ سامنے آیا ۔ تو انہوں نے اپنی ندامت کا اظہار کر دیا ۔ حضرت علیؓ نے عزت و احترام کے ساتھ ان کو مدینہ طیبہ جب واپس بھیجا تو اپنی بقیہ زندگی میں اپنے عمل پر پچھتاتی رہیں ۔

اگر شرعاً ان کی قیادت میں کوئی قباحت نہ ہوتی تو اُم المومنینؓ حضرت اُم سلمہؓ ان کو وہ خط نہ لکھتیں جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ اپنی بہن اُم المومنین حضرت حفصہؓ کو ان کا ساتھ دینے سے منع نہ کرتے ۔ اور اُمہات المؤمنین حج کے بعد مدینہ جانے کی بجائے ان کے ساتھ بصرہ کے میدان میں پہنچ جاتیں ۔ اور قرآن حکیم میں ان کو گھر میں رہنے کا حکم نہ ملتا ۔

یہاں تک مرکزِ اطاعت کا تعلق ہے تو یہ بات بھی درست نہیں ۔ کیوں کہ مرکز اُسے کہا جاتا ہے ۔ جس پر سب کا اتفاق ہوتا ہے جب کہ ساری اُمت جنگِ جمل میں شریک نہ تھی ۔ لہٰذا عارضی اطاعت کو جو کسی بیعت سے مشروط نہ تھی مرکزِ اطاعت سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا ۔ وہ اطاعت کسی امیر یا والی کی نہیں بلکہ اُمت کی ماں کی نیکی کے کام میں تعاون کی صورت میں تھی ۔ جو آج ایک عورت کی قیادت کے لئے دلیل نہیں ہو سکتی ۔ جب ماں نے خود ہی اپنے عمل پر افسوس و ندامت کا اظہار

کر دیا تو اس پر قیاس کسی بھی صورت میں صحیح نہیں ہو سکتا۔ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ جب علمائے اُمت اس پر متفق ہیں کہ عورت مسلمانوں کی سربراہ نہیں ہو سکتی حالانکہ جنگ جمل کا افسوسناک واقعہ ان سے اوجھل نہیں تو پھر آج کسی شخص کی چابکدستی سے حقیقت کو تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔

کیا حضرت عائشہؓ نے کسی سے اپنی بیعت لی تھی؟

خیال رہے کہ حضرت عثمانؓ کے قصاص کا مطالبہ کرنے والوں نے جب بصرہ جانے کا پروگرام بنایا۔ تو باقاعدہ بیعت کر کے کسی کو امیر نہیں بنایا تھا۔ امام ابوالعباسؒ شہاب الدین احمد بن محمد القسطلانی المتوفی ۹۲۳ھ نے جنگِ جمل کے بارے میں نقل کیا ہے۔

کان سببها ان عثمان لما	"کہ اس کا سبب یہ تھا کہ جب عثمان غنیؓ
قتل وبویع علی بالخلافة	شہید کر دیے گئے اور علیؓ کی خلافت کے لئے
خرج طلحةؓ والزبیرؓ الی مکة	بیعت ہو گئی تو طلحہؓ اور زبیرؓ مکہ چلے آئے۔
فوجدا عائشة وکانت	انہوں نے عائشہؓ کو اس حال میں پایا کہ وہ حج
حجت فاجمع رأیهم علی	کر چکی تھیں پس ان سب کا اس پر اتفاق ہو
التوجه الی البصرة یستنفرون	گیا کہ بصرے جا کر لوگوں کو حضرت عثمانؓ کے
الناس للطلب بدم عثمانؓ [1]	قصاص لینے پر آمادہ کریں۔"

حضرت عمرانؓ بن حصینؓ اور ابوالاسود نے حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ سے بصرہ آنے کی وجہ پوچھی، تو انہوں نے جواب دیا۔ ہم حضرت عثمانؓ کے قصاص کا مطالبہ لے کر آئے ہیں:۔

[1] ارشاد الساری جلد ۶ (کتاب المغازی)، ص ۴۰۶۔

ان سے کہا گیا کہ آپ حضرت علیؓ کی بیعت نہیں کر چکے ؟

حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ نے کہا۔ اس حال میں کہ تلوار ہماری گردنوں پر تھی۔ ہم حضرت علیؓ کی بیعت توڑنا نہیں چاہتے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ وہ ہمارے اور حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کے درمیان حائل نہ ہوں[1]

چنانچہ جب بصرہ میں پہلی جھڑپ ہوئی تو جنگ بندی اس شرط پر ہوئی کہ مدینہ طیبہ ایک قاصد بھیجا جائے جو یہ معلوم کرے کہ آیا حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ نے حضرت علیؓ سے خوشی سے بیعت کی تھی یا زبردستی ان سے بیعت لی گئی تھی۔ اگر ثابت ہو جائے کہ ان دونوں سے بیعت زبردستی لی گئی تھی تو بصرہ کے امیر عثمان بن حنیف دونوں کے لئے بصرہ خالی کر دیں گے۔ اور اگر بیعت خوشی سے ہوئی تھی تو دونوں بصرہ سے چلے جائیں گے۔ قاصد کی واپسی تک فریقین کے درمیان لڑائی نہیں ہو گی[2]

اس سلسلے میں جو معاہدہ لکھا گیا۔ اس میں بھی حضرت عائشہؓ کا نام نہ تھا۔ معلوم ہوا کہ حضرت عائشہؓ اور حضرت علیؓ کے درمیان کوئی سیاسی محاذ آرائی نہ تھی بلکہ اُمت کی ماں ہونے کے ناطے قصاص کے بارے میں قرآنی حکم کے نفاذ کی خواہشمند تھیں۔ جس میں حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ کی معاونت انہیں حاصل تھی۔ حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ نے واضح کر دیا تھا کہ اگر حضرت علیؓ قصاص کے بارے میں رکاوٹ نہ بنے تو وہ دونوں ان کی بیعت توڑنے کا ارادہ نہیں رکھتے تھے اور حضرت علیؓ کی خلافت میں کسی کو کوئی اختلاف نہ تھا۔

---

[1] تاریخ طبری: جلد ۳ ص ۴۷۱۔ تاریخ الکامل: جلد ۳ ص ۱۰۸۔ ابن خلدون: جلد ۲ ص ۱۵۵ ا۔

[2] تاریخ طبری: جلد ۳ ص ۴۷۰۔ تاریخ الکامل: جلد ۳ ص ۱۱۰۔ ۱۱۱۔ البدایۃ والنہایۃ جلد ۷ ص ۲۳۳۔ ابن خلدون: جلد ۲ ص ۱۵۶۔

حضرت عائشہؓ کا زید بن صوحانؓ کے نام خط اور اس کا جواب

حضرت عائشہؓ جب بصرہ پہنچیں تو انہوں نے زید بن صوحان کے نام ایک خط تحریر کیا۔ جس کی عبارت حسبِ ذیل تھی۔

امّا بعد یہ خط عائشہؓ بنتِ ابی بکرؓ ام المؤمنین اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی حبیبہ کی جانب سے اُس کے مخلص بیٹے زید بن صوحان کے نام ہے۔

جب ہمارا خط تمہیں ملے۔ اُسی وقت ہمارے پاس چلے آؤ اور ہماری اس کام میں مدد کرو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو لوگوں کو علیؓ کی طرف سے کوئی مدد نہیں ملے گی"

حافظ ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی المتوفی ۴۶۳ھ نے زید بن صوحان کے بارے میں نقل کیا ہے کہ وہ رات کو قیام کیا کرتے اور دن میں روزے سے رہتے تھے۔ اور جنگِ جمل میں ان کی شہادت ہوئی تھی [1]

زید بن صوحان نے جواب میں لکھا، زید بن صوحان کی طرف سے ابُوبکر الصدّیق کی بیٹی اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی حبیبہ عائشہؓ کی طرف۔

امّا بعد! میں آپ کا مخلص بیٹا ہوں۔ اگر آپ نے اس کام کو چھوڑ دیا اور اپنے گھر لوٹ گئیں تو ٹھیک ہے ورنہ سب سے پہلے میں آپ کا مقابلہ کروں گا [2]

زیدؓ بن صوحان کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ اُم المؤمنین پر رحم کرے۔ انہیں گھر میں بیٹھنے کا اور ہمیں

---

[1] تاریخ بغداد: جلد ۸ ص ۴۳۹۔۴۴۰۔

[2] تاریخ طبری: جلد ۳ ص ۱۸۳۔۴۸۱۔ تاریخ الکامل۔ جلد ۳ ص ۱۱۰۔

قتال کا حکم دیا گیا۔ لیکن اُنہوں نے وہ چھوڑ دیا جس کا ان کو حکم دیا گیا۔ اور جو حکم اُن کے لئے تھا۔ اُنہوں نے وہ ہمیں دیا اور جو ہمارے لیے حکم تھا اُس سے ہمیں روکا اور خود اُس پر عمل کیا [1]

اِس سے ملتی جلتی بات جاریہؓ بن قدامۃ السعدی نے بھی حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان الفاظ میں عرض کی تھی۔

اے اُمّ المؤمنینؓ! حضرت عثمانؓ کی شہادت، آپ کا اپنے گھر سے ہتھیاروں کے ساتھ اس ملعون اُونٹ پر نکلنے سے ہلکی بات ہے۔ کیوں کہ اللہ کی طرف سے پردے میں رہنے اور احترام کو باقی رکھنے کا آپ کو حکم دیا گیا ہے۔ لیکن اس پردے اور حُرمت کو آپ نے ختم کر دیا۔ پس جو شخص آپ سے قتال کو جائز سمجھتا ہے وہ آپ کو قتل کرنا بھی جائز سمجھے گا۔ اگر آپ خوشی سے آئی ہیں تو فوراً اپنے گھر واپس چلی جائیں اور اگر زبردستی آپ کو لایا گیا ہے تو لوگوں سے مدد لیں [2]

جنگِ جمل کے بعد حضرت علیؓ کے بارے میں حضرت عائشہؓ کا فرمان

ابن جریرؒ نے محمد و طلحہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ حضرت علیؓ نے حضرت عائشہؓ کے لئے جن چیزوں کی یعنی سواری، سامان اور زادِ راہ کی ضرورت تھی، وہ مہیا کیں۔ حضرت عائشہؓ کے ساتھ جو لوگ مکہ سے آئے تھے۔ اور جنگ میں محفوظ رہے تھے۔ ان کو بھی ساتھ کر دیا۔ لیکن جنہوں نے بصرہ میں رہنا پسند کیا۔ انہیں وہیں رہنے دیا گیا۔ بصرہ کی مشہور و معروف چالیس عورتوں کو عائشہؓ کے ساتھ بھیجنے کے لئے منتخب کر لیا۔ پھر محمد بن ابی بکرؓ سے فرمایا کہ اپنی بہن کے لئے کوچ کی تیاری کرو۔

---

[1] تاریخ طبری جلد ۳ ص ۱۸۴۔ تاریخ الکامل جلد ۳ ص ۱۱۰۔

[2] تاریخ طبری جلد ۳ ص ۱۷۶۔ تاریخ الکامل جلد ۳ ص ۱۰۹۔ ابن خلدون جلد ۲ الجزء الثانی: ص ۱۵۶۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کو بھی اطلاع مل گئی تھی۔ چنانچہ جب روانگی کا دن آیا تو حضرت علیؓ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہیں رخصت کرنے کے لئے کھڑے ہوئے۔ اور بھی بہت سے لوگ موجود تھے۔ حضرت عائشہؓ باہر تشریف لائیں۔ رخصتی کلمات کہنے کے بعد انہوں نے فرمایا۔

اے میرے بیٹو! ہم جلد بازی میں ایک دوسرے کے خلاف کھڑے ہوگئے۔ آئندہ ہمارے ان اختلافات کے باعث کوئی شخص ایک دوسرے پر زیادتی نہ کرے۔ خدا کی قسم میرا اور علیؓ کا شروع ہی سے اختلاف تھا۔ لیکن یہ اختلاف اس قسم کا تھا۔ جیسا کہ ساس اور داماد کے درمیان ہوتا ہے۔ فی الحقیقت علیؓ میرے نزدیک نیک صالح آدمی ہیں۔

اِن کے بعد حضرت علیؓ نے بھی لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا:۔

اے لوگو! خدا کی قسم۔ اُمّ المومنینؓ نے سچ فرمایا۔ اور نیک بات کہی ہے۔ میرا اور ان کا اختلاف واقعۃً اسی قسم کا تھا۔ حضرت عائشہؓ دنیا اور آخرت میں تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ ہیں[1]

تجزیہ

جناب رحمت اللہ طارق نے اپنی کتاب میں حضرت عائشہؓ کے بارے میں جو تاثر دینے کی کوشش کی ہے۔ اسلامی تاریخ میں اس کا کوئی وجود نہیں۔ بلکہ حقیقت صرف اتنی ہے کہ حضرت عثمانؓ کے قصاص کا معاملہ تھا جو وہ اُمّ المومنین ہونے کے ناطے طے کرنا چاہتی تھیں۔ لیکن خوفناک نتائج دیکھنے کے بعد نہ صرف اُنہوں نے اپنی ندامت کا اظہار کیا۔ بلکہ حضرت علیؓ اور اپنے بارے میں ہر قسم کی غلط فہمی کو دور کر دیا۔

---

[1] تاریخ طبری جلد ۳ ص ۲۲۵۔ تاریخ الکامل: جلد ۳ ص ۱۳۲۔

ابو یزید المدینی کا بیان ہے کہ جنگ سے فراغت کے بعد حضرت عمارؓ بن یاسرؓ نے حضرت عائشہؓ سے عرض کیا۔ آپ سے پردہ نشینی کا جو عہد لیا گیا تھا۔ آپ کا یہ سفر اس کے کتنا متضاد ہے۔

حضرت عائشہؓ نے پوچھا۔ کیا ابوالیقظان ہو؟ انہوں نے عرض کیا، جی ہاں۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا۔ خدا کی قسم میں یہ جانتی ہوں کہ تو خوب حق کہنے والا ہے۔

عمارؓ نے عرض کیا۔ ہر قسم کی تعریف اللہ ہی کے لئے ہے۔ جس نے آپ کی زبان سے میرے لئے اس فیصلے کا اظہار کرایا[1]

کیا سیاسی محاذ آرائی کرنے والوں کا یہی انداز ہوتا ہے؟

حضرت زبیرؓ کی جنگ سے علیحدگی

مورخین سے منقول ہے کہ جنگِ جمل کے آغاز سے پہلے جب دو فریق آمنے سامنے کھڑے تھے تو حضرت علیؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ کے پاس آئے۔ اور دونوں سے کہا۔ آپ دونوں نے بہت سا لشکر، سامان حرب اور گھوڑے جمع کر لئے ہیں۔ لیکن یہ تو بتائیں کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کرنے کے لئے کونسا عذر آپ نے تیار کر رکھا ہے۔ آپ دونوں اللہ سبحانہ، سے ڈر جائیں اور اس عورت کی طرح نہ ہو جائیں جو سُوت کاتنے کے بعد اُسے ریزہ ریزہ کر دیا کرتی تھی۔ کیا میں آپ کا دینی بھائی نہیں ہوں؟ کیا آپ پہ میرا اور مجھ پر آپ کا خون حرام نہیں؟ وہ کونسی وجہ ہے کہ جس کے باعث آپ کے نزدیک میرا خون حلال ہو گیا؟

حضرت طلحہؓ نے جواب دیا۔ آپ نے لوگوں کو حضرت عثمانؓ کی شہادت پر ابھارا تھا۔

---

[1] تاریخ طبری، جلد ۳ ص ۲۲۵-۲۲۶۔ الکامل، جلد ۳- ص ۱۳۲۔

حضرت علیؓ نے کہا۔جس روز اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے دین کا پورا پورا بدلہ دے گا۔اور لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ اللہ ہی حقِ مبین ہے۔ اے طلحہؓ! آپ حضرت عثمانؓ کے قصاص کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ فلعن اللہ قتلۃ عثمان: عثمانؓ کے قاتلوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔

یعنی انہوں نے حضرت عثمانِ غنیؓ کے قاتلوں پر لعنت بھیج کر یہ ثابت کر دیا کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت میں ان کا کوئی ہاتھ نہ تھا۔

حضرت علیؓ نے حضرت طلحہؓ سے یہ بھی کہا تھا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ کو میدان میں لے آئے تاکہ ان کی پشت پناہی میں جنگ لڑ سکیں لیکن اپنی بیوی کو گھر میں چھپا آئے [1]

پھر انہوں نے حضرت زبیرؓ سے مخاطب ہو کر کہا۔

اے زبیرؓ! کیا آپ کو یاد ہے کہ جس روز آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بنی غنم میں گزرے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری طرف دیکھ کر ہنسے اور آپ ان کی طرف دیکھ کر ہنسے۔ آپ نے کہا تھا کہ ابن ابی طالب اپنے فخر و غرور کو چھوڑتا نہیں۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس میں فخر و غرور نہیں بلکہ ایک دن تم اس سے قتال اس حال میں کرو گے کہ تم ظلم کرنے والے ہو گے۔

زبیرؓ نے کہا۔ اللہ کی قسم آپ نے سچ کہا۔ اگر مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان پہلے یاد آجاتا تو میں یہ سفر نہ کرتا۔ اللہ کی قسم اب میں آپ سے کبھی قتال نہیں کروں گا۔

اس گفتگو کے بعد حضرت زبیرؓ، حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور ان سے کہا غور و فکر کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ میں اس معاملے میں آپ سے متفق نہیں ہوں۔

حضرت عائشہؓ نے پوچھا، تو آپ کیا کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں؟

---

[1] تاریخ طبری، جلد ۳ ص ۲۰۴۔ تاریخ الکامل، جلد ۳ ص ۱۲۲۔ البدایۃ والنہایۃ، ج ۷، ص ۲۴۱۔

حضرت زبیرؓ نے عرض کیا :۔

اریدان ادعھم واذھب [1] "میں لوگوں کو اُن کے حال پر چھوڑنے اور چلے جانے کا ارادہ رکھتا ہوں"

چنانچہ وہ میدانِ جنگ سے واپس چلے گئے اور عمرو بن جرموز نے ان کو نماز کی حالت میں پیچھے سے وار کر کے شہید کر دیا۔ ابن جرموز نے حضرت علیؓ کی خدمت میں جب حاضر ہونے کی ان الفاظ میں اجازت چاہی :

استاذن لقاتل الزبیرؓ "زبیرؓ کے قاتل کے لئے اجازت چاہو"

تو حضرت علیؓ نے دربان سے فرمایا :۔

ائذن له وبشره بالنار [2] "اُس کو اجازت دو اور اس کو جہنم کی بشارت دو"

حضرت ابوبکرہؓ کی روایت کو اس لئے ٹھکرا دیا گیا کہ انہوں نے جنگ جمل کے موقع پر کہہ دیا کہ وہ قوم کبھی فلاح نہیں پائے گی کہ جس نے اپنا معاملہ عورت کے ہاتھ میں دے دیا۔ اور وہ خود جنگ سے الگ رہے۔ لیکن یہاں تو وہ بزرگ جنہوں نے حضرت عائشہؓ کو جنگِ جمل کے میدان میں پہنچا دیا تھا۔ وہ عین لڑائی کے وقت ان سے الگ اس لئے ہو گئے کہ ان کو حضرت علیؓ نے ایک حدیث یاد کرا دی۔ ان کے بیٹے عبداللہؓ نے بڑا زور لگایا کہ وہ قسم کا کفارہ دے دیں اور میدان چھوڑ کر نہ جائیں۔ لیکن انہوں نے حضرت علیؓ کے سامنے جو قسم کھائی تھی۔ اُس کو پُورا کیا۔ اگرچہ ان کو اپنی جان کی قربانی دینی پڑی، دوسروں لفظوں میں اُنہوں نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سُننے کے بعد اس کو قبول کر لیا۔ لیکن عورت کی سربراہی کی حمایت کرنے والوں نے حدیث کے ساتھ قرآنی تعلیم کو بھی ٹھکرانے کا عزم کر

---

[1] تاریخ طبری جلد ۳ ص ۲۰۰۔ تاریخ الکامل جلد ۳ ص ۱۲۲۔۱۲۳۔ ابن خلدون جلد ۲۔ الجزء الثانی : ص ۱۶۲

[2] تاریخ طبری : جلد ۲ ص ۲۰۵۔

رکھا ہے۔

حضرت عائشہؓ کے خلاف گہری سازش کی حقیقت

جناب رحمت اللہ طارق صاحب نے آغاز ہی میں ایک غلط مفروضہ قائم کر کے اپنی ساری قوت اس کو ثابت کرنے میں صرف کر دی ہے۔ اپنی غلط بات کو صحیح ثابت کرنے میں صحابیؓ، تابعین اور راویانِ حدیث کے لئے نازیبا الفاظ استعمال کرنے میں بڑی دلیری کا مظاہرہ کیا ہے۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشادِ مبارک ہے کہ جس قوم نے اپنا معاملہ عورت کے سپرد کیا وہ کبھی فلاح نہیں پائے گی۔ حضرت عائشہؓ کے ساتھ خاص نہیں تھا۔ عجیب بات تو یہ ہے کہ جہاں ایرانی حکمران عورتوں کا ذکر کیا۔ وہاں ان کا دفاع کیا اور جب بات عائشہؓ کی طرف پلٹی تو مصداق غلط ہو گیا۔ عربی عبارت کا ترجمہ کرتے ہوئے اپنے مشن کو جاری رکھا۔

چنانچہ رحمت اللہ طارق صاحب لکھتے ہیں کہ یہ روایت غلط مصداق اور غلط تاویل کے باعث صدیقہؓ کے خلاف گہری سازش ہے۔ اسے حقوقِ نسواں کی پامالی کے ضمن میں پیش کرنا افسوسناک علمی خیانت ہے۔

محدثین، مفسرین اور علمائے اُمت کو علمی خیانت کا طعنہ دینے والے شخص نے اپنی کتاب میں جس طرح توڑ جوڑ، صحیح کو غلط اور مسخ کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کی نظر اسلامی تاریخ میں ناپید ہے۔

ان کا کہنا ہے کہ نفیع بن الحارث کی معرفت وضع کردہ یہ روایت صدیقہؓ کے سیاسی موقف اور اطاعت طلب پوزیشن کو کمزور کر دکھلانے کے لئے گہری سازش کا کام کر گئی۔ اس سے اسلام کے جمہوری مزاج کی نفی بھی ہو جاتی ہے۔ کیونکہ سلف صالحین میں جتنے بھی صائب رائے اشخاص تھے۔ حدیث ہذا کو عائشہؓ کے مقام منصب اور موقف کو کمزور کرنے کی سازش قرار دیتے تھے۔ شیخ المحدثین علی بن خلف قرطبی شارح بخاری، ۴۵۰م نے مہلب ازدی ۴۳۵ھ م کے ذیل کے الفاظ کو بغیر تبصرہ کے نقل کر کے ایک گونہ اپنی رائے کا اظہار

کردیا ہے۔ لکھتے ہیں :۔

ان ظاهر حديث ابی بکرۃؓ	نفیع کی ظاہر حدیث کا مجموعی تاثر صدیقہؓ کی
یوھم توھین رأی عائشۃؓ	اہانت اور آپ کی رائے کی توہین کا غماز
فیما فعلت [1]	ہے"

جناب رحمت اللہ طارق نے انتہائی غلط بیانی سے کام لیا ہے۔ کیونکہ حضرت عائشہ کے ساتھ بقول ان کے تیس ہزار سرفروش تھے [2] جب کہ حضرت علیؓ کے ساتھیوں کی تعداد بیس ہزار تھی۔ اور یہ بھی احادیث میں ثابت نہیں کہ حضرت ابوبکرہؓ نے جس طرح احنف بن قیس کو حضرت علیؓ کا ساتھ دینے سے روکا۔ اسی طرح کسی دوسرے کو انہوں نے حضرت عائشہؓ کا ساتھ دینے سے منع کیا ہو۔ پھر ان کی سیاسی پوزیشن کیسے کمزور ہو گئی؟

جمہوریت

یہ بھی خیال رہے کہ جس جمہوریت کو جناب رحمت اللہ طارق اسلامی کہنے پر مصر ہیں۔ وہ قطعاً اسلامی نہیں۔ کیونکہ جس جمہوریت میں عالم اور جاہل کا ووٹ برابر ہے۔ شرابی، زانی اور زاہد و عابد کے ووٹ میں کوئی فرق نہیں۔ وہ اسلامی نہیں بلکہ شیطانی جمہوریت ہے۔ جو جمہوریت مرد کو مرد اور عورت کو عورت سے شادی کرنے کی اجازت دے۔ اخلاقی قدروں کی بجائے محض ووٹوں کی اکثریت کو اہمیت دے۔ جو اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ قوانین پر عمل کرانے کی بجائے انسانوں کو انسانوں کے

---

[1] فتح الباری طبع مصر جلد ۱۳ ص ۴۷ تا ۴۵۔

[2] عورت اور مسئلہ امارت، ص ۲۳۔

بنائے ہوئے قوانین کا پابند بنائے۔ وہ جمہوریت ان کی ہے کہ جس کے ہاں حیا نامی کوئی چیز نہیں۔ شراب، جوئے اور زنا کو معیوب نہیں سمجھتے۔ اسلام میں ایسی جمہوریت کی کوئی گنجائش نہیں۔

اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ارشاد فرماتے ہیں :۔

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ	کہہ دیں کیا وہ لوگ برابر ہیں جو جانتے ہیں
وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ [1]	اور جو جانتے نہیں ؟"
أَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ	" کیا مومن بدکاروں کی طرح ہیں ؟
فَاسِقًا لَا يَسْتَوُونَ [2]	وہ برابر نہیں "
قُلْ لَا يَسْتَوِي الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ	" کہدیں کہ خبیث اور نیکوکار برابر نہیں اگرچہ
وَلَوْ أَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيثِ [3]	خباثت کی کثرت آپ کو تعجب میں ڈال دے "
وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ [4]	"اچھائی اور برائی برابر نہیں "
وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ	" اللہ تعالیٰ نے جو نازل فرمایا اس کے مطابق
فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ [5]	جو فیصلہ نہیں کرتے وہ فاسق ہیں "
وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ	" اللہ تعالیٰ نے جو نازل فرمایا اس کے مطابق

---

[1] سورۃ الزمر : آیت ۹

[2] سورۃ السجدۃ : آیت ۱۸

[3] سورۃ المائدۃ : آیت ۱۰۰

[4] سورۃ حٰم السجدۃ : آیت ۳۴

[5] سورۃ المائدۃ : آیت ۴۷

فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ [1] جو فیصلہ نہیں کرتے وہ ظالم ہیں۔"

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ " اللہ تعالیٰ نے جو نازل فرمایا اس کے مطابق

فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ [2] جو فیصلہ نہیں کرتے وہ کافر ہیں۔"

جو جمہوریت ان قرآنی آیات کے تابع ہوگی۔ وہی اسلامی ہوگی لیکن جس جمہوریت کا آج چرچا کیا جارہا ہے۔ جس کی بدولت ایک عورت ملک کی وزیر اعظم بن گئی ہے۔ کیا قرآن کے وضع کردہ اصولوں کے مطابق ہے۔؟ ظاہر ہے کہ آج کل خباثت کی کثرت اور برائی کا زور ہے۔ قرآنی قوانین کی بجائے انگریزوں کے قانون کو آج بھی ہم سینے سے لگائے ہوئے ہیں۔ لہٰذا ہمارے ہاں رائج ہونے والی جمہوریت کو اسلامی قرار دینا درست نہیں۔

جھوٹ اور دھوکہ

پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ اپنے مطلب کا ترجمہ کرنے میں جناب رحمت اللہ طارق خاص مہارت رکھتے ہیں۔ یہاں بھی انہوں نے اپنا کمال دکھایا۔ چنانچہ فتح الباری میں مہلب کے الفاظ ہیں۔

کہ ظاہرہ طور پر ابوبکرہؓ کی حدیث سے وہم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے جو کچھ کیا۔ اس میں ان کی رائے کمزور تھی۔

اس ترجمہ کے مقابلے میں جو ترجمہ جناب رحمت اللہ طارق نے کیا ہے۔ یہ ان کی مجبوری ہے کیونکہ انہوں نے غلط مفروضے کو ثابت کرنا ہے۔ انہوں نے یہاں جو یہ بات رقم کی ہے کہ سلف

---

[1] سورۃ المائدۃ : آیت ۴۰۔

[2] ایضاً ، آیت ۴۴

صالحین میں جتنے بھی صائب رائے اشخاص تھے۔ حدیث ہذا کو عائشہؓ کے مقامِ منصب اور موقف کو کمزور کرنے کی سازش قرار دیتے تھے۔ یہ ایسا جھوٹ اور دھوکہ ہے کہ چودہ سو سال میں اس کی مثال نہیں مل سکتی۔

جب سلف صالحین کا جملہ استعمال ہوتا ہے تو اس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ جو ہمارے پہلے نیک صالح عالم فاضل متقی پرہیز گار تھے۔ جناب رحمت اللہ طارق نے ان میں بھی صائب اور غیر صائب کی تفریق کر دی۔ اور پھر بے مثال بہتان لگا دیا۔

درحقیقت انسان جیسا خود ہوتا ہے۔ ویسے ہی اسے دوسرے دکھائی دیتے ہیں۔ اس کا اپنا ضمیر اس کا آئینہ ہوتا ہے۔ جناب رحمت اللہ طارق نے اپنی کتاب میں گوئبلز کا حوالہ دیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ گوئبلز کی ٹیکنیک سے وہ خوب واقف ہیں اور اسی کو انہوں نے استعمال کیا ہے۔ امرِ واقعہ یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ کے خلاف کسی کو سازش کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ انہوں نے خود ہی اپنے موقف پر اظہارِ ندامت کر دیا اور حضرت علیؓ نے ان کو ادب و احترام کے ساتھ مدینہ طیبہ پہنچا دیا۔ لیکن اُمّ المومنین اور جنّت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی زوجہ مطہرہ کا جو حقیقی منصب تھا۔ اس پر آنچ نہ آنے دی۔ ان کی شان میں گستاخی کرنے والے اپنے ہی دو ساتھیوں کو فوراً سزا دے دی۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے احمد اور بزار کے حوالے سے حسن سند کے ساتھ حضرت ابورافعؓ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت علیؓ سے فرمایا۔

انه سيكون بينك وبين	عنقریب عائشہؓ اور تمہارے درمیان
عائشة امر قال اشقاهم	ایک معاملہ ہوگا۔ علیؓ نے عرض کیا۔ اللہ
يارسول الله قال ولكن	کے رسولؐ! میں ان میں سے زیادہ بدنصیب
اذا كان ذلك فارددها	ہوں گا؟ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ جب ایسا

الی مأمنھا [1] ہو، تو اس کو اس کے گھر لوٹا دینا۔"

حضرت علیؓ نے جنگِ جمل کے بعد وہی کیا۔ جس کا حکم ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی مبارک میں دیا تھا۔

جہاں تک عائشہؓ کی رائے کی کمزوری کا تعلق ہے تو حافظ ابن حجرؒ نے وضاحت کی ہے کہ اس سے مراد باقاعدہ لڑائی کرنے کا منصوبہ بنا کر حضرت عائشہؓ بصرہ نہیں پہنچی تھیں۔ بلکہ ان کا مقصود ومطلوب صرف حضرت عثمانؓ کا قصاص تھا۔ اور اس کو وہ اصلاح بین الناس سے تعبیر کرتی تھیں۔ لہٰذا لڑائی میں جو نتیجہ ان کے حق میں نہ نکلا، اس سے یہ وہم نہ ہو جائے کہ ان کی رائے کمزور تھی کیونکہ مسلمانوں کو آپس میں لڑانے اور مروانے کا قطعاً ان کا قصد نہ تھا۔ ویسے بھی تاریخ شاہد ہے کہ حضرت علیؓ اور اصحابِ جمل کے درمیان معاہدہ ہو گیا تھا لیکن حضرت عثمانؓ کے قاتلوں نے اپنے آپ کو بچانے اور مسلمانوں کے اتحاد و اتفاق کو پارہ پارہ کرنے کے لئے صلح ہونے سے پہلے لڑائی کروا دی۔

فتح الباری میں ابن بطال کے حوالے سے المھلب سے جو منقول ہے۔ وہ حضرت ابوبکرہؓ کی رائے کو سامنے رکھ کر اخذ کیا گیا ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ مبارک کی روشنی میں انہوں نے کہا تھا۔

فعرفت ان اصحاب الجمل لن یفلحوا [2] "میں نے جان لیا تھا کہ اصحابِ جمل کبھی بھی کامیاب نہیں ہوں گے۔"

حافظ ابن حجرؒ نے اس وہم کو دور کر دیا۔ جو المھلب کے بیان سے پیدا ہو سکتا تھا۔ چنانچہ

---

[1] فتح الباری: جلد ۱۳ ص ۵۵۔

[2] ایضاً: جلد ۱۳ ص ۵۶۔

ان کا کہنا ہے۔

لیس کذلک لان المعروف	"کہ ایسی کوئی بات نہیں۔ اس لئے کہ ابوبکرہؓ
من مذهب ابی بکرة انه	کا معروف مسلک بھی حضرت عائشہؓ
کان علی رأی عائشة فی	کی رائے کے مطابق مسلمانوں کے
طلب الاصلاح بین	درمیان اصلاح کی طلب تھا۔ قتال
الناس ولم یکن قصدهم	کرنا ان کا مقصود نہ تھا۔ لیکن
القتال لکن لما انتشبت	جب لڑائی شروع ہو گئی اور
الحرب لم یکن لمن	جو حضرت عائشہؓ کے ساتھ تھے۔
معها بد من المقاتلة و	ان کو مجبوراً لڑنا پڑا۔ تب
لم یرجع ابوبکرة عن	بھی ابوبکرہؓ نے حضرت عائشہؓ کی
رأی عائشة وانما تفرس	رائے سے رجوع نہ کیا۔ لیکن جب حضرت
بانهم یغلبون لما رأی	عائشہؓ کے ساتھیوں کو ان کے حکم کے
الذین مع عائشة تحت	تابع دیکھا۔ تو انہوں نے فارس کے معاملے کے
امرها لما سمع فی امر	بارے میں جو سنا تھا اس کی روشنی میں غور کرنیکے بعد
فارس [1]	سمجھا کہ (اصحاب جمل) مغلوب ہو جائیں گے۔"

حافظ ابن حجرؒ نے واضح کر دیا کہ عائشہؓ اور ان کے ساتھیوں کا لڑائی لڑنے کا کوئی ارادہ نہ تھا۔ لڑائی کے چمٹ جانے کے بعد مجبوراً ان کو لڑائی میں حصّہ لینا پڑا۔ حالانکہ حضرت عائشہؓ اور ان کے

---

[1] فتح الباری: جلد ۱۳ ص ۵۶۔

ساتھی لوگوں کے درمیان صرف اصلاح کے طلب گار تھے اور حضرت ابو بکرہ اُن کی رائے اور ارادے کے ساتھ متفق تھے، اور رہے یعنی اصلاح کی حد تک تو ان کے ساتھ تھے۔ لیکن لڑائی میں حصّہ لینے کے لئے تیار نہ تھے۔ اِس لئے اصلاح کے بارے میں حضرت عائشہؓ کی جو رائے تھی۔ اس میں کوئی کمزوری نہ تھی

حافظ ابن حجرؒ نے مزید وضاحت یُوں کی۔

ویدل لذلك ان احدا لم ینقل ان عائشة ومن معها نازعوا علیا فی الخلافة ولا دعوا الی احد منهم لیولوه الخلافة انما انكرت هی ومن معها علی علیؓ منعه من قتل قتلة عثمان وترك الاقتصاص منهم وكان علیؓ ینتظر من اولیاء عثمان ان یتحاكموا الیه فاذا ثبت علی احد بعینه انه ممن قتل عثمان اقتص منه فاختلفوا بحسب ذلك وخشی من نسب الیهم القتل ان یصطلحوا علی

"اس کی یہ دلیل ہے کہ کسی ایک نے بھی یہ نقل نہیں کیا کہ حضرت عائشہؓ اور ان کے ساتھیوں نے حضرت علیؓ سے خلافت کے بارے میں ان سے جھگڑا کیا اور نہ ہی لوگوں کو دعوت دی کہ ان میں سے کسی ایک کو خلافت کا والی بنا لیں۔ حضرت عائشہؓ اور ان کے ساتھیوں کو حضرت علیؓ کے خلاف یہ شکوہ تھا کہ انہوں نے ان کو حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کو قتل کرنے اور ان سے قصاص لینے سے روکا تھا۔

جبکہ حضرت علیؓ اس انتظار میں تھے کہ حضرت عثمانؓ کے ورثاء ان کے پاس قصاص کا معاملہ لے کر آئیں جب کسی ایک کے بارے میں ثابت ہوجائے کہ وہ ان میں سے تھا۔ جنہوں نے حضرت عثمان کو شہید کیا تھا تو وہ

قتلهم فانشبوا الحرب	اس سے قصاص لیں پس انہوں نے اسی طرح اختلاف
بينهم الى ان كان ما كان	کیا اور جن کی طرف حضرت عثمانؓ کے قتل کی نسبت کی
فلما انتصر علي عليهم	جاتی تھی۔ ان کو خطرہ ہوا کہ کہیں فریقین ان سے قصاص
حمد ابوبكرة رأية	لینے پر صلح نہ کرلیں لہٰذا انہوں نے فریقین کے درمیان
في ترك القتال	لڑائی چھیڑ دی جس کا نتیجہ جو ہونا تھا وہ ہوا۔
معهم وان رأية	جب حضرت علیؓ اصحاب جمل پر غالب آگئے تو ابوبکرہؓ نے
كان موافقا لرأي	قتال سے الگ رہنے والی اپنی رائے کو سراہا۔ اگرچہ
عائشة في الطلب	ان کی رائے حضرت عثمانؓ کے قصاص کے
بدم عثمان [1]	مطالبے میں حضرت عائشہ کی رائے کے موافق تھی۔

حضرت ابوبکرہؓ کی قتال سے الگ رہنے کی وجہ

حضرت ابوبکرہؓ کے بارے میں عرض کیا جا چکا ہے کہ جنگِ جمل کے موقع پر انہوں نے احنف بن قیس کو لڑائی میں حصہ لینے سے روکتے وقت ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ مبارک سنایا تھا کہ جب جو مسلمان تلواریں لے کر ایک دوسرے کو قتل کرنے کے لئے ٹکراتے ہیں تو دونوں جہنم کا ایندھن بن جاتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا ہی ارشادِ مبارک حضرت انسؓ اور حضرت ابوموسیٰ سے بھی مروی ہے [2]

---

[1] فتح الباری: جلد ۱۳ ص ۵۶

[2] ابن ماجہ کتاب الفتن: ص ۲۸۵۔ النسائی: کتاب المحاربۃ: ص ۹-۱۰۔

اِسی سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر جو فرمایا تھا۔ اس کے راویوں[1] میں سے ایک راوی حضرت ابوبکرہؓ بھی ہیں۔

چنانچہ ان سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے دن ہم سے خطاب فرمایا اور آپ نے دریافت فرمایا۔ یہ کونسا دن ہے؟ ہم نے عرض کیا۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ جانتے ہیں۔ پھر آپ خاموش رہے کہ یہاں تک ہم نے خیال کیا کہ آپ اس دن کا جو نام ہے۔ اس کے علاوہ کوئی اور نام اس کا رکھیں گے۔ آپ نے فرمایا۔ کیا یہ قربانی کا دن نہیں؟ ہم نے عرض کیا، جی ہاں۔ آپ نے دریافت فرمایا، یہ کونسا مہینہ ہے؟ ہم نے عرض کیا۔ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ جانتے ہیں۔ پھر آپ خاموش رہے۔ ہم نے خیال کیا کہ اس مہینے کے نام کے علاوہ کوئی اور نام اس کا رکھیں گے۔ آپ نے فرمایا۔ کیا یہ ذوالحجہ نہیں؟ ہم نے عرض کیا۔ جی ہاں۔

آپ نے دریافت فرمایا۔ یہ کونسا شہر ہے؟ ہم نے عرض کیا۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ کیا شہرِ حرام نہیں؟ ہم نے عرض کیا۔ جی ہاں۔ آپ نے فرمایا

فان دماءکم و اموالکم	"بے شک تمہارے خون اور تمہارے مال ایک دوسرے
علیکم حرام کحرمۃ	پر تمہارے اس دن کی حرمت کی طرح۔ تمہارے اس
یومکم ھذا فی شھرکم	مہینے میں اور تمہارے اس شہر میں اس دن تک حرام
ھذا فی بلدکم ھذا	ہیں جب تم اپنے رب سے ملوگے۔ کیا
الی یوم یلقون ربکم	میں نے اللہ کا پیغام پہنچا دیا۔ صحابہؓ نے
الاھل بلغت قالوا نعم	عرض کیا۔ جی ہاں۔ آپؐ نے فرمایا۔

---

[1] صحیح البخاری، کتاب الدیات: ص ۱۰۱۴-۱۰۱۵ - عبداللہ بن عمرؓ - جریرؓ - ابن عباسؓ۔

www.KitaboSunnat.com

قال اللّٰھمّ اشھد فلیبلغ	"اے اللہ! گواہ رہنا۔ جو یہاں موجود ہے
الشاھد الغائب فرب	وہ اُس تک پہنچا دے جو یہاں موجود نہیں کیونکہ
مبلغ اوعی من سامع	اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جس تک بات پہنچائی جاتی ہے
ولا ترجعوا بعدی	وہ سننے والے سے زیادہ یاد کرنے والا ہوتا ہے۔
کفارا یضرب بعضکم	اور میرے بعد تم پھر کافر نہ ہو جانا کہ بعض تمہارے
رقاب بعض [1]	بعض کی گردنیں مارتے پھریں"

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو صحابیؓ ایسی احادیث کے راوی ہوں کہ جن میں مسلمانوں کو آپس میں ٹکرانے سے منع کیا گیا ہو۔ وہ خود مسلمانوں کے درمیان ہونے والے قتال میں کس طرح حصّہ لے سکتے تھے۔

امام بخاریؒ نے ان کے بارے میں ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ابن الحضرمی کو جاریہ بن قدامہ نے جب جلا دیا۔ تو اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ابو بکرہؓ کو دیکھو گھر میں ہیں؟ ساتھیوں نے جواب دیا کہ ابو بکرہؓ یہ ہیں جو تمہیں دیکھ رہے ہیں۔

ان کے بیٹے عبدالرحمٰن کا قول ہے۔ میری ماں نے ابو بکرہؓ سے بیان کیا کہ انہوں نے کہا تھا۔

لو دخلوا علی ما بھشت	"اگر وہ مجھ پہ داخل ہوتے تو میں بانس کے
بقصبة [2]	ساتھ بھی اپنا دفاع نہیں کروں گا"

---

[1] صحیح البخاری: کتاب المناسک: ص ۲۳۴۔ ۲۳۵۔ کتاب الاضاحی: ص ۸۳۳۔ کتاب الفتن: ص ۱۰۴۸
صحیح مسلم: جلد ۲۔ کتاب القسامۃ: ص ۶۰۔ ۶۱۔ مسند احمد: جلد ۵۔ ص ۴۹۔

[2] صحیح البخاری: کتاب الفتن: ۱۰۴۸۔

حافظ ابن حجر عسقلانی، علامہ عینی اور علامہ کرمانی نے اس واقعہ کی شرح میں نقل کیا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے ابن حضرمی کو حضرت علیؓ کے خلاف لوگوں کے اُبھارنے کے لئے بصرہ بھیجا۔ حضرت علیؓ کو جب پتہ چلا، تو اُنہوں نے جاریہ بن قدامہ کو اس کے مقابلے میں روانہ کیا۔ اس نے بصرہ آکر ابن حضرمی اور اس کے ساتھیوں کو گھیر لیا۔ جو اپنی جانیں بچانے کے لئے ایک گھر میں داخل ہو گئے۔ جاریہ نے اس گھر کو آگ لگا دی۔ حافظ ابن حجرؒ اور علامہ عینی کے مطابق اس گھر میں چالیس یا ستّر لوگ تھے۔ اس کام کے بعد اس نے ابوبکرہؓ کے گھر کا قصد کیا۔ جب حضرت ابوبکرہؓ نے اس کو دیکھا اور ان کا خیال تھا کہ وہ ان کے گھر میں بھی داخل ہو جائے گا۔ اس وقت اُنہوں نے یہ کہا تھا کہ اگر یہ مجھ پر حملہ کرے گا تو میں اپنا دفاع ایک معمولی سے بانس سے بھی نہیں کروں گا۔[1]

عثمان بن الشحام سے بھی مروی ہے کہ میں اور فرقہ السبخی حضرت ابوبکرہؓ کے بیٹے مسلمؒ کی طرف گئے اور وہ اپنی زمین میں تھے۔ ہم نے اُن کے پاس پہنچ کر پوچھا۔ کیا فتنہ کے بارے میں آپ نے اپنے باپ سے کوئی حدیث سُنی۔ اُنہوں نے کہا ہاں۔ میں نے ابوبکرہؓ کو سُنا۔ اُنہوں نے کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ عنقریب فتنے ہوں گے۔ آگاہ ہو جاؤ۔ پھر فتنے ہوں گے۔ پس ان میں بیٹھنے والا چلنے والے سے اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہو گا۔

سُنو! جب فتنوں کا وقت آجائے یا جب فتنے واقع ہو جائیں تو جس کے پاس اُونٹ ہیں۔ وہ اپنے اُونٹوں میں چلا جائے۔ جس کے پاس بکریاں ہیں وہ اپنی بکریوں میں چلا جائے۔ اور جس کی کوئی زمین ہو وہ اپنی زمین میں چلا جائے۔

ایک شخص نے عرض کیا۔ اللہ کے رسولؐ! اگر کسی کے اُونٹ، بکریاں اور زمین نہ ہو۔ آپؐ نے فرمایا۔

---

[1] فتح الباری: جلد ۱۳ ص ۲۸ - ۲۹۔ عمدۃ القاری: جلد ۲۴ ص ۱۸۸۔ الکرمانی ۲۴ ص ۱۵۷۔

وہ اپنی تلوار لے اور اس کو پتھر پہ مار کر توڑ دے۔ اگر بچ سکتا ہے تو بچ جائے۔ پھر آپ نے فرمایا۔

اے اللہ! کیا میں نے تیرا پیغام پہنچا دیا۔ اے اللہ! کیا میں نے تیرا پیغام پہنچا دیا۔ اے اللہ کیا میں نے تیرا پیغام پہنچا دیا۔

ایک شخص نے عرض کیا۔ اللہ کے رسولؐ! اگر مجھے دو صفوں یا دو جماعتوں میں سے کسی ایک کی طرف زبردستی لے جایا جائے۔ پھر کوئی شخص مجھے اپنی تلوار سے قتل کر دے یا میں تیر کا نشانہ بن جاؤں، آپ نے فرمایا۔ وہ اپنے اور تیرے گناہ کے ساتھ لوٹے گا اور وہ جہنمیوں میں سے ہوگا[1]

ظاہر ہے کہ ایسی احادیث کا راوی اپنے آپ کو کسی فتنے میں کیسے ملوث کر سکتا تھا۔ جب فتنہ ان کے دروازے تک پہنچ گیا۔ تب بھی انہوں نے اپنے دفاع کا پروگرام نہ بنایا۔ بلکہ اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق قربان کرنے کو تیار ہو گئے۔

اسی لئے حافظ ابن حجرؒ نے واضح کر دیا کہ مسلمانوں کے درمیان قتال کے جواز میں وہ حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ کی رائے سے متفق نہ تھے۔ کیوں کہ وہ ایسے قتال کو اصلاً جائز نہ سمجھتے تھے اور قتال سے رکنے والی ان کی رائے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص محمدؓ بن مسلمہ اور عبداللہ بن عمرؓ وغیرہم کی موافقت میں تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جنگ صفین میں بھی انہوں نے حضرت علیؓ یا حضرت معاویہؓ دونوں میں سے کسی ایک کا ساتھ نہ دیا تھا[2] لیکن مسلمانوں کے درمیان اصلاح کے بارے میں حضرت عائشہؓ کی جو رائے تھی اس سے وہ اتفاق کرتے تھے۔

صحابی اور عظیم محدث پر بہتان

حضرت عائشہؓ کی رائے کے بارے میں مہلب نے جس وہم کا ذکر کیا تھا۔ حافظ ابن حجرؒ نے

---

[1] صحیح مسلم: جلد ۳۔ کتاب الفتن: ص ۳۸۹۔ مسند احمد: جلد ۵ ص ۴۸۔

[2] فتح الباری: جلد ۱۳ ص ۵۶۔

فتح الباری میں بڑے احسن انداز میں اس کو دُور کر دیا۔ لیکن جناب رحمتُ اللہ طارق نے سیاق و سباق سے بے نیاز ہو کر لکھ دیا تو قرطبی اور مہلب کا یہ بے لاگ تبصرہ کچھ لوگوں کو ناگوار ضرور گزرا ہو گا لیکن پوشیدہ حقائق کو جھٹلانے کی ہمت کسی میں بھی نہیں ہوئی اور نہ ہو سکتی ہے۔ کیونکہ حدیث ہذا صرف اپنی وضع و ساخت کے لحاظ سے سیاسی ہے اور ایک سیاسی حادثے کے ظہور پذیر ہونے پر مارکیٹ میں "یافت" ہوئی۔ راویوں کے سیاسی مسلک کی ضو میں بھی وضعی اور سیاسی ہے۔

قرطبی ابن بطال اور مہلب ازدی نے زیر بحث روایت کے بارے میں جو متوازن رائے قائم کی تھی۔ ابن حجر اس پر خفا ہیں اور بخاری کا دفاع کرتے ہوئے ذیل کی تاویل کرتے ہیں۔

ابن بطال اور مہلب کی رائے کوئی وقعت نہیں رکھتی۔ کیوں کہ نفیعؓ بن الحارث عائشہؓ ہی کی طرح صُلح پسند اور اصلاح بین الناس کے مسلک پر عامل تھے (فتح الباری)

سوال یہ ہے کہ نفیعؓ کو جب تسلیم ہے کہ عائشہؓ صلح پسند اور اصلاح بین الناس کی حامل تھیں۔ اور اس حد تک نفیعؓ بھی ہم آہنگ تھے۔ تو پھر کیا اُفتاد پڑ گئی کہ اپنے ہم خیال کے موقف کو زک پہنچانے کے لئے ایک ایسی خبر لے آئے جس کا آج سے پہلے نہ وجود تھا اور نہ آگہی۔ تاہم اگر نفیعؓ کے لئے کوئی نرم گوشہ رکھنا ہی ضروری ہے تو بھی قانونِ شہادت کی رُو سے نفیعؓ کی شہادت مردُود ہے۔ کیونکہ اس نے مغیرہؓ بن شعبہ سنہ ۱۶ھ میں پر ناحق ناروا گھناؤنی تہمت لگائی اور ثبوت پیش نہ کر سکے۔ جس پر فاروق اعظم نے (نور۔۴) کے مطابق آئندہ کے لئے اس کی گواہی کو مسترد کر دیا اور اسی کوڑے رسید کر دیئے [۱]۔

صحابہؓ کی عدالت

جناب رحمت اللہ طارق کے اندازِ تحریر سے بآسانی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حدیث اور محدثین کا

---

[۱] عورت اور مسئلہ امارت۔ ص ۲۴۔ ۲۵۔

ان کے دل میں کتنا احترام ہے۔ وہ موجودہ دَور میں عورت کی سربراہی کو ثابت کرنے کے لئے حضرت عائشہؓ کے واقعہ کو وہی رنگ دینے کی کوشش کر رہے ہیں جس کے لئے آج وہ اور ان کے ساتھی کوشاں ہیں حالانکہ احادیث اور تواریخ میں کہیں یہ بات منقول نہیں کہ حضرت عائشہؓ سیاسی قیادت کے حصول کی دعویدار تھیں۔ یا انہوں نے اس کے لئے کوئی تحریک چلائی تھی۔ بلکہ قصاص کا اتفاقی حادثہ ان کو میدان میں لے آیا۔ علمی دیانت کا یہ حال ہے کہ فتح الباری میں مہلب کی رائے کو ابن بطال نقل کرنے والے ہیں۔ رائے دینے والے نہیں۔ اسی طرح قرطبی کا بھی کوئی ذکر نہیں۔ اُوپر سے حافظ ابن حجرؒ جیسے عظیم محدث پر خفا ہونے اور بخاریؒ کا دفاع کرنے کا بہتان بھی لگا دیا۔ جب انسان کو جھوٹ کہنے میں کوئی کراہت محسوس نہیں ہوتی تو پھر وہ گوئبلز بننے میں کوئی عیب نہیں سمجھتا۔

لیس کذالك کا ترجمہ عربی وان (ایسا نہیں ہے) کرتے ہیں جب کہ رحمتُ اللہ طارق صاحب نے اپنی مرضی سے جو چاہا کر دیا۔ پھر حضرت ابو بکرہؓ نفیع بن الحارث پر جھوٹی خبر لانے کا الزام لگا دیا۔ یعنی نعوذ باللہ وہ جھوٹے تھے۔ حالانکہ اُمتِ محمّدیہ کے ائمہ و علماء کے نزدیک یہ مسلمہ اصُول ہے۔

کل حدیث اتصل اسناده	" ہر وہ حدیث جس کی سند نبی کریم
بین من رواه وبین	صلّی اللہ علیہ وسلّم اور اس کے راویوں کے
النبیّ صلّی الله علیه وسلّم	درمیان متصل ہو۔ اس پر اس وقت عمل
لم یلزم العمل به الا	ہوگا جب اس کے رجال کی عدالت
بعد ثبوت عدالة رجاله	ثابت ہو جائے۔ اور جو صحابیؓ رسول اللہ
ویجب النظر فی احوالهم	صلّی اللہ علیہ وسلّم سے مرفوع بیان کرتے
سوی الصحابی الذی رفعه	ہیں تو ان کے علاوہ تمام راویوں کے

الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لان عدالۃ الصحابۃ ثابتۃ معلومۃ بتعدیل اللہ لھم و اخبارہ عن طھارتھم واختیارھم فی نصّ القرآن۔

حالات کو دیکھنا واجب ہو جاتا ہے۔ کیونکہ صحابی کی عدالت معلوم اور ثابت اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے عادل ہونے اور اُنکی طہارت کی خبر دی ہے اور قرآنی آیات میں ان کی فضیلت بیان کی ہے"

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ[1]

"تم بہترین اُمّت ہو جو لوگوں کے لئے پیدا کی گئی"

كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَاۤءَ عَلَى النَّاسِ[2]

"اسی طرح ہم نے تمہیں بہترین اُمّت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ"

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِىْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَ

"اللہ تعالےٰ مومنوں سے راضی ہو گیا جب وہ آپ سے درخت کے نیچے بعیت کر رہے تھے اُس نے وہ جان لیا جو اُن کے دلوں میں تھا۔ پس اس نے ان پر سکینت نازل فرمائی اور ان کو قریبی

---

[1] سورۂ آل عمران۔ آیت ۱۱۰

[2] سورۂ البقرۃ ۔ آیت ۱۴۳

أَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا [1] — فتح عطا فرمائی۔"

وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُم بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ [2]

"مہاجرین اور انصار میں سے پہلے سبقت لے جانے والوں اور ان کے ساتھ جنہوں نے ان کی اچھی طرح پیروی کی۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوگیا اور وہ اس سے راضی ہوگئے۔"

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ [3]

"اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ اور مومنوں میں سے جنہوں نے آپ کی اتباع کی۔ آپ کے لئے کافی ہیں۔"

لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا وَيَنصُرُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ [4]

"(اور مال فے) اُن فقیر مہاجرین کے لئے ہے جو اپنے گھروں اور مالوں سے نکالے گئے۔ اس حال میں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضوان کے طالب ہیں اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کرتے ہیں۔ وہی لوگ سچے ہیں۔"

---

[1] سورۃ الفتح : آیت ۱۸

[2] سورۃ التوبۃ : آیت ۱۰۰

[3] سورۃ الانفال : آیت ۶۴

[4] سورۃ الحشر : آیت ۸

امام خطیب بغدادیؒ نے عبداللہ بن مسعودؓ۔ ابو ہریرہؓ اور عمرانؓ بن حصین (جنگِ جمل میں انہوں نے بھی حصہ نہیں لیا تھا حالانکہ بصرہ میں موجود تھے) سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

خیر اُمتی قرنی ۔ خیرکم	"میری اُمت میں بہترین میرا زمانہ ہے تم میں سے
قرنی ۔ خیر الناس قرنی[1]	بہترین میرا زمانہ ہے ۔ لوگوں میں سے
ثم الذین یلونھم	بہترین زمانہ میرا ہے ۔ پھر میرے صحابہؓ
(ثم الذین یلونھم)	اور پھر تابعینؒ کا "

صحابہؓ کی فضیلت کو اجاگر کرنے کے لئے مزید احادیث نقل کرنے کے بعد امام خطیب بغدادیؒ نے فیصلہ دیا ہے ۔

کہ تمام علماء اور فقہاء میں سے جس کے قول پر اعتماد کیا جاتا ہے ۔ ان سب کا یہی مذہب ہے یعنی تمام صحابہؓ عدول تھے اور ان میں سے کسی ایک کی بھی عدالت مشکوک نہیں ۔

امام ابو زرعہؒ سے مروی ہے ۔

اذا رایت الرجل ینتقص	" جب تو کسی آدمی کو دیکھے کہ وہ رسول اللہ
احدا من اصحاب رسول اللہ	صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ
صلی اللہ علیہ وسلم	میں سے کسی ایک کی عیب جوئی کر
فاعلم انہ زندیق وذلک	رہا ہے ۔ تو جان لے کہ وہ زندیق ہے
ان الرسول صلی اللہ علیہ وسلم	اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] الصحیح البخاری : ص ۳۶۲ ۔

حق والقرآن حق وانما	حق ہیں اور قرآن حق ہے ۔ بے شک
اری الینا ھذا القرآن والسنن	یہ قرآن اور سنّت رسول اللہ صلی اللہ
اصحاب رسول اللہ صلی اللہ	علیہ وسلّم کے صحابہؓ نے ہم تک پہنچایا ہے یہ لوگ
علیہ وسلّم وانما یریدون	ارادہ رکھتے ہیں کہ ہمارے گواہوں کو مجروح
ان یجرحوا شھودنا لیبطلوا	کریں تاکہ کتاب وسنّت کو باطل کردیں۔ لہٰذا
الکتاب والسنّۃ الجرح	ان کو مجروح کرنا اولیٰ ہے ۔ کیوں کہ وہ
بھم اولی وھم زنادقۃ[1]	زنادقہ ہیں ۔

زندیق اُس شخص کو کہتے ہیں جو بے دین اور بداعتقاد ہو۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جس کے باطن میں کفر ہو لیکن ظاہرہ طور پر اپنے آپ کو اہلِ ایمان میں سے ظاہر کرے[2]

ائمہ کرامؒ نے خود ایسے اصُول وضع کئے ہیں کہ جن سے حدیث کی پرکھ کی جاتی ہے جو حدیث ان کے معیار کے مطابق نہیں ہوتی وہ ان کے نزدیک قابلِ قبول نہیں۔ لیکن جس صحابیؓ سے اس حدیث کو منسوب کیا جاتا ہے ساُن کے بارے وہ زبان استعمال نہیں کی جاتی جو کہ رحمت اللہ طارق اور رفیع اللہ شہاب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے جلیل القدر صحابیؓ کے بارے میں استعمال کی ہے ۔ حیرت ہے کہ کسی نے آج تک ان کا نوٹس نہیں لیا۔

حضرت ابوبکرہؓ کے بارے میں یہ الفاظ استعمال کرنے کہ اس نے مغیرہ بن شعبہ سے ۶۶ھ پر ناحق و ناروا گھناؤنی تہمت لگائی ۔ یہ الفاظ کسی بھی تاریخ اور حدیث کی کتاب میں موجود نہیں۔

---

[1] الکفایۃ فی علم الروایۃ : ص ۴۶ ۔ ۴۷ ۔ ۴۸ ۔ ۴۹ ۔

[2] المنجد : لفظ الزندیق والزندقۃ ۔ لسان العرب جلد ۱۰ ص ۱۴۷ ۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی رضی اللہ عنہ کے بارے میں اصل واقعہ نقل کرنے والوں نے ایسی کوئی بات نہیں کہی تو آج ایک شخص اس کی جرأت کیوں کر رہا ہے؟ اس واقعہ کے بعد خلفائے راشدین کے نزدیک جب ان کی عزت میں کوئی فرق نہ آیا اور بعد میں ان کی اولاد کو اچھے عہدوں پر فائز کیا گیا۔ محدثین نے ان کی روایات کو قبول کیا۔ امیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاریؒ جیسے محدث اور امام مسلمؒ نے ان کی روایت کردہ احادیث کو صحیحین میں نقل کیا۔ تو ظاہر ہے کہ آج جو حضرت ابوبکرہؓ کی تنقیص کرنے والے ہیں۔ وہ درحقیقت تمام ائمہ حدیث کی توہین کر رہے ہیں۔

حضرت ابوبکرہؓ اور مغیرہ بن شعبہؓ کا اصل واقعہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے تائب ہونا اس لئے پسند نہ کیا تاکہ وہ پھر کبھی کوئی گواہی نہ دیں۔ جہانتک تہمت کا تعلق ہے تو اس کی بھی وضاحت ہو چکی ہے کہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے ایک فعل دیکھا اور ساتھیوں کو دکھایا لیکن پہچان میں غلط فہمی ہو گئی۔ اس کو گھناؤنی تہمت کہنا۔ سراسر ظلم اور صحابیؓ کی شان میں گستاخی ہے۔

قانونِ شہادت

جناب رحمت اللہ طارق کا کہنا ہے کہ قانونِ شہادت کی رُو سے نفیع کی شہادت مردود ہے۔ کیوں کہ اُس نے مغیرہ بن شعبہ ۶۶ھ پر ناحق و ناروا گھناؤنی تہمت لگائی اور ثبوت پیش نہ کر سکے۔ جس پر فاروق اعظمؓ نے (نور-۴) کے مطابق آئندہ کے لئے اس کی گواہی کو مسترد کر دیا۔ اور اسّی کوڑے بھی رسید کر دیئے۔

سیدنا امام اعظم ابوحنیفہؒ اور آپ کی دبستان کے تمام فقہاء امام سفیان ثوریؒ ۱۶۱ھ اور حسن بن صالح رحمہم اللہ ایسے شخص کی گواہی علی الاطلاق مسترد کر دیتے ہیں۔ جو حدِ قذف کا سزا یافتہ ہو۔

خواہ تائب ہو چکا ہو۔

اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ اس وضاحت کے بعد ابن حجرؒ کا ذہن صاف ہو چکا ہو گا۔ اور جس اضطراب درُوں میں مُبتلا ہو چکے تھے۔ اس سے نجات مل گئی ہو گی۔ ابن حجرؒ سے صرف اتنی شکایت ہے کہ وہ جتنا ابُو بکرہ نفیع بن الحارث کی پاکئ داماں کے لئے مضطرب تھے کہ اتنی تڑپ اور اضطراب کا اظہار صدیقہؓ بنت صدیقؓ کے لئے بھی کرتے۔ یہ یاد رہے کہ قرائن کے باوصف زیر بحث کی وضع و تراشش کے ذمّہ دار ابُو بکرہؓ نہیں ہو سکتے۔ جس صاحب نے آپ کو اکسپلائٹ کیا۔ آگے چل کر اس کی نشاندہی کر دی گئی ہے لہ

جناب رحمت اللہ طارق کے مطابق چونکہ حضرت ابو بکرہؓ پر حدِ قذف لگی تھی۔ اس لئے ان کی روایت قابلِ قبول نہیں ہو گی۔ اس پر اُنہوں نے ائمہ احناف کے مسلک کا بھی حوالہ دیا ہے پھر حافظ ابن حجرؒ عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ کے بارے میں اس طرح رقمطراز ہوتے ہیں۔ گویا کہ وہ ان کے سامنے بیٹھے ہوئے ہیں۔ پھر ان پر طرفداری کا الزام بھی لگا دیا جاتا ہے اور یہ بھی لکھ دیا کہ ابن حجرؒ کا ذہن صاف ہو چکا ہو گا۔

یہ سب کچھ عورت کی سربراہی کو ثابت کرنے کے جنون کا نتیجہ ہے۔ قرآن پاک کی جس سورۃ کا انہوں نے ذکر کیا ہے۔ اس میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنَاتِ	"جو لوگ پاکدامن عورتوں پر زنا کی تہمت
ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ	لگائیں پھر چار گواہ پیش نہ کر
فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمَانِيْنَ	سکیں تو انہیں اسّی کوڑے لگائیں اور
جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ	کبھی ان کی گواہی قبول نہ کریں
شَهَادَةً اَبَدًا وَاُولٰٓئِكَ	اور وہ لوگ فاسق ہیں۔ مگر

هُمُ الْفَاسِقُوْنَ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ [1]

جو لوگ اس کے بعد توبہ کر لیں، اور اصلاح کریں تو اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔"

پہلی آیت میں ہے کہ تہمت لگانے والوں کی شہادت قبول نہ کریں۔ دوسری آیت میں واضح کر دیا گیا۔ اگر وہ توبہ کر لیں تو اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔ یعنی اگر وہ تائب ہو جائیں تو ان کی گواہی قبول کر لی جائے۔

اسی لئے حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت ابوبکرہؓ اور ان کے ساتھیوں سے تائب ہونے کے لئے کہا۔ ان کے دو ساتھیوں نے عمر فاروقؓ کی بات مان لی۔ لیکن ابوبکرہؓ نے مستقبل میں گواہی سے بچنے کے لئے خود ہی تائب ہونا پسند نہ کیا۔ جیسا کہ مؤرخین نے نقل کیا ہے لیکن اس واقعہ کو دلیل بنا کر ابوبکرہؓ سے مروی روایات کو جو صحت کے اعتبار سے محدثین کے معیار پر پوری اترتی ہو۔ ان کو ٹھکرایا نہیں جا سکتا۔ اگرچہ وہ عورت کی سربراہی کی نفی کرنے والی ہوں۔ کیونکہ عام معمولات میں شہادت اور احادیث دو مختلف چیزیں ہیں۔

اگر کہا جائے کہ احادیث کی روایت کا معاملہ تو عام معمولات میں شہادت سے بہت اونچا ہے۔ اس لئے جس شخص کی شہادت عام معمولات میں قابلِ قبول نہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی روایت کیوں کر مقبول ہو سکتی ہے؟

یہ اصول ظاہر طور پر بڑا مناسب دکھائی دیتا ہے لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے۔ کیونکہ جو شخص عام معمولات میں جان بوجھ کر جھوٹ بولتا ہے۔ کسی پر تہمت لگاتا ہے۔ اس کا کردار اسلامی

---

[1] سورۃ النور: آیت ۴ - ۵ -

تعلیم کے مطابق نہیں ہوتا تو واقعۃً اسلام اس کی گواہی کو مسترد کر دیتا ہے۔ لیکن روایت میں یہ معاملہ نہیں، محدثین کے نزدیک حدیث کا راوی اگر اچھا نیک صالح مسلمان ہے جو اسلامی تعلیم کے مطابق زندگی گزارنے کا عادی ہے۔ حافظہ کا مضبوط، درایت اور روایت میں خیانت کا مرتکب ہونیوالا نہیں۔ تو ایسے راوی کی روایت کو قبول کر لیا جاتا ہے۔

صحابہؓ کی روایات کے بارے میں محدثین نے جو کچھ کہا ہے۔ وہ امام خطیب بغدادی کے الفاظ میں پہلے عرض کر دیا گیا ہے۔ رہی بات ابوبکرہؓ کی تہمت کی تو اس کو سمجھنے کے لئے ایک اور واقعہ نقل کیا جاتا ہے۔

حضرت عائشہؓ پر تہمت

عروہؓ سے مروی ہے کہ حضرت عائشہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ آپ جب سفر کا ارادہ فرماتے تو اپنی ازواج مطہرات کے بارے میں قرعہ ڈالتے۔ جس زوجہ مطہرہ کا قرعہ نکلتا، اس کو اپنے ساتھ سفر میں لے جاتے۔ ایک غزوہ (غزوۂ بنی مصطلق) کے موقع پر آپ نے قرعہ ڈالا۔ تو میرا نام نکل آیا۔ پس میں آپ کے ساتھ روانہ ہوئی اور یہ واقعہ حجاب کے نازل ہونے کے بعد کا ہے۔ چنانچہ میں اپنے ہودج میں سوار رہتی اور جب اترتی تو اسی سمیت اتاری جاتی۔ ہم اسی طرح سفر میں رہے۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اس غزوہ سے فارغ ہو کر واپس لوٹے۔ واپسی میں جب ہم مدینہ کے قریب پہنچے تو ایک رات آپ نے کوچ کا حکم دے دیا۔ جب کوچ کی تیاری ہو گئی تو قضائے حاجت کے لئے میں لشکر سے دور نکل گئی۔ فارغ ہو کر جب اپنی سواری کی طرف لوٹ رہی تھی تو ظفار کے نگینوں کا ہار ٹوٹ کر کہیں گر گیا۔ میں اپنے ہار کو تلاش کرتی رہی جس میں کچھ وقت لگ گیا۔ اتنے میں وہ لوگ میری سواری کے پاس آئے جو میرے

ہودج کو اُٹھا کر میرے اس اُونٹ پر رکھا کرتے تھے۔ جس پر میں سوار ہوا کرتی تھی۔ اُنہوں نے میرے ہودج کو اٹھایا اور اُس اُونٹ پر رکھ دیا۔ اُنہوں نے خیال کیا کہ میں اس میں موجود ہوں۔ ویسے بھی ان دنوں عورتیں ہلکی پھلکی ہوا کرتی تھیں۔ ان کے جسموں پر زیادہ گوشت نہ ہوا کرتا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ تھوڑا کھانا کھایا کرتی تھیں۔ اس لئے ہودج اٹھانے والوں کو اس کے ہلکے پن کا خیال نہ آیا۔ جب انہوں نے ہودج کو اُٹھایا۔ ویسے بھی اِن دِنوں میں چھوٹی عمر کی ایک لڑکی تھی۔ انہوں نے میرے اُونٹ کو اٹھایا۔ اور چل پڑے۔ جب سارا لشکر کوچ کر گیا۔ تب مجھے میرا ہار ملا۔ جب لشکر کے ٹھہرنے کی جگہ پر آئی تو دیکھا کہ وہاں نہ کوئی بلانے اور نہ ہی کوئی جواب دینے والا ہے۔ پس میں اسی جگہ پر چلی آئی۔ جہاں میں اُتری تھی۔ میں نے خیال کیا کہ لشکر کے لوگ جب مجھے گُم پائیں گے تو اسی جگہ لوٹ کر آئیں گے۔ میں اپنی جگہ پر بیٹھی ہُوئی تھی کہ نیند نے مجھ پر غلبہ کیا اور میں سو گئی۔

حضرات صفوان بن معطل السلمی الذکوانی لشکر کے پیچھے پیچھے چلے آنے پر مقرر تھے۔ وہ رات سفر کرتے ہُوئے صُبح کے وقت میری جگہ پر پہنچے۔ دُور سے ان کو ایک سوتا ہوا انسان نظر آیا۔ جب میرے پاس پہنچے تو اُنہوں نے مجھے پہچان لیا۔ کیوں کہ پردے کے حکم کے نزول سے پہلے مجھے دیکھا کرتے تھے۔ جب اُنہوں نے مجھے پہچان کر اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھا تو ان کی آواز سے میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے فوراً اپنے چہرے کو اپنی چادر سے ڈھانپ لیا۔

اللہ کی قسم! انہوں نے مجھ سے کوئی بات نہ کی اور نہ ہی میں نے ان کے منہ سے انا للہ وانا الیہ راجعون کے سوا اور کوئی بات سُنی۔ اُنہوں نے اپنی اُونٹنی کو بٹھایا۔ اس کے پاؤں پر اپنا پاؤں رکھا اور میں اس پر سوار ہو گئی۔ وہ مجھے لئے ہوئے چلتے رہے۔ یہاں تک کہ ہم لشکر میں اس وقت پہنچے جب وہ شدت کی گرمی کی وجہ سے دوپہر کے لئے رُکے تھے پس ہلاک ہوا جس نے ہلاک ہونا تھا اور تہمت کا مسئلہ اٹھانے والا عبداللہ بن اُبیّ تھا۔ ہم مدینہ

پہنچے اور مدینہ آکر میں ایک مہینہ بیمار رہی۔ لوگ تہمت لگانے والوں کی بات کا چرچا کر رہے تھے۔ اور مجھے کچھ بھی معلوم نہ تھا۔ سوائے اس کے کہ پہلے جب کبھی میں بیمار ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو محبت و مہربانی اُس حال میں دیکھا کرتی تھی۔ وہ مجھے اب نظر نہیں آ رہی تھی۔ اس سے تھوڑا سا مجھے شک ہوا۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لاتے۔ سلام علیکم کہتے۔ پھر دریافت فرماتے تم کیسی ہو؟ اس کے بعد لوٹ جاتے اور حقیقتِ حال کا مجھے پتہ نہ چلتا۔

بیماری کی وجہ سے ابھی میں کمزور تھی کہ ام مسطح رض کے ساتھ رفعِ حاجت کی جگہ گئی۔ وہی ہماری قضائے حاجت کی جگہ تھی۔ اپنے گھروں کے نزدیک ٹٹیاں بنانے سے پہلے کی بات ہے۔ اِس لئے ہم رات کے وقت قضائے حاجت کے لئے جایا کرتی تھیں۔ ہمارا معاملہ پہلے عربوں کی طرح تھا۔ چنانچہ ہم جنگلوں میں جا کر اپنی حاجت سے فارغ ہوا کرتی تھیں۔ اپنے گھروں کے پاس ٹٹیاں بنانے کی وجہ سے ہمیں تکلیف ہوا کرتی تھی۔

اُمِ مسطح جو ابورھم بن عبد مناف کی بیٹی تھیں۔ جن کی ماں صخر بن عامر کی بہن تھیں اور وہ حضرت ابُوبکر الصّدیق رض کی خالہ تھیں۔ اُن کے ساتھ میں رفعِ حاجت کے لئے گئی۔ جب فارغ ہو کر ہم گھر کی طرف آ رہی تھیں تو اس کا پاؤں اس کی چادر میں اُلجھ کر پھسلا۔ تو اُمِ مسطح نے کہا۔ مسطح رض ہلاک ہو جائے۔ میں نے کہا۔ آپ نے بہت بُری بات کہی۔ آپ اس کو بُرا کہہ رہی ہیں جو جنگ بدر میں شریک ہُوا۔ اُس نے کہا۔ اے بھولی بھالی لڑکی! تو نے نہیں سُنا جو اُس نے کہا ہے۔ میں نے پوچھا۔ اس نے کیا کہا ہے؟ تو اُمِ مسطح نے مجھے تہمت لگانے والوں کی بات بتا دی۔ میں تو پہلے ہی بیمار تھی۔ یہ بات سُننے کے بعد میری بیماری اور بڑھ گئی۔ جب میں گھر واپس آئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے۔ آپ نے سلام کر کے میرا حال پُوچھا۔ میں نے عرض کیا کہ آپ مجھے اپنے والدین کے گھر جانے کی اجازت دیتے ہیں؟ عائشہ رض کا بیان ہے کہ میں

چاہتی تھی کہ ان سے اس خبر کے بارے میں تصدیق کروں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اجازت دے دی اور میں اپنے والدین کے پاس چلی آئی۔

میں نے اپنی ماں سے کہا۔ اے اماں! لوگ میرے بارے میں کیا باتیں کر رہے ہیں ؟۔ انہوں نے کہا۔ اے بیٹی! اپنے آپ پر نرمی کرو۔ اللہ کی قسم! بہت کم ایسا ہوا ہے کہ کوئی خوبصورت عورت کسی مرد کی بیوی ہو اور وہ اس سے محبت کرتا ہو۔ اور اس کی سوکنیں بھی ہوں۔ پھر وہ اس پر دباؤ نہ ڈالیں۔

میں نے کہا۔ سبحان اللہ! لوگوں نے اس بات کا چرچا بھی کر دیا۔ عائشہؓ سے مروی ہے کہ وہ رات میں نے رو رو کر گزار دی۔ یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ نہ مجھے نیند آتی تھی۔ اور نہ ہی آنسو رکتے تھے۔ صبح بھی میں روتی رہی۔

ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علیؓ بن ابی طالب اور اسامہؓ بن زید کو بلایا۔ آپ ان سے اپنی بیوی کو چھوڑنے کے بارے میں مشورہ کرنا چاہتے تھے۔ کیونکہ وحی نازل ہونے میں دیر ہو گئی تھی۔

عائشہؓ کا قول ہے کہ اسامہؓ بن زید نے وہی مشورہ دیا۔ جو وہ آپ کی بیوی کے بارے میں ایسی باتوں سے پاک ہونے اور اپنے دل میں ان کا احترام رکھنے کی وجہ سے جانتے تھے۔ انہوں نے عرض کیا۔

اللہ کے رسول! بھلائی کے سوا وہ کچھ نہیں جانتے۔

علیؓ نے مشورہ دیا۔ اللہ کے رسولؐ! اللہ تعالیٰ نے آپ پر عورتوں کی تنگی نہیں رکھی عائشہؓ کے سوا اور بھی بہت سی عورتیں ہیں۔ اگر آپ لونڈی سے پوچھ لیں تو وہ آپ کو سچی بات بتا دے گی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بریرہؓ کو بلایا اور آپؐ نے فرمایا۔ اے بریرہؓ کیا تو نے کوئی بات دیکھی جس سے تجھے شک ہو۔؟

بریرہؓ نے عرض کیا۔ اُس ذات کی قسم ہے کہ جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں نے کوئی ایسی بات نہیں دیکھی جس کی وجہ سے میں اس پر عیب لگا دُوں۔ یہ تو ایسی کم سن لڑکی ہے کہ آٹا گوندھ کر سو جاتی ہے اور بکری آکر اُسے کھا جاتی ہے۔

یہ سُن کر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (خطبے کے لئے) کھڑے ہُوئے اور اُس دن آپؐ نے عبداللہ بن اُبی کے مقابلے میں مدد چاہی۔ آپؐ نے منبر مُبارک پر کھڑے ہو کر فرمایا۔

اے مسلمانو! اس شخص کے لگائے گئے الزام سے برأت کے بارے میں میری کون مدد کرتا ہے کہ جس کی طرف سے مجھے میرے اہل بیت کے بارے میں تکلیف پہنچی ہے۔

اللہ کی قسم! میں اپنے اہل کے بارے میں بھلائی کے سوا اور کچھ نہیں جانتا۔ اُنہوں نے ایسے شخص کا ذکر کیا ہے کہ اس کے بارے میں بھی بھلائی کے علاوہ اور کچھ نہیں جانتا۔ وہ جب کبھی میرے گھر آیا تو میرے ساتھ آیا (اکیلا کبھی نہ آیا)

ابن ہشام کے مطابق آپ نے فرمایا۔ اے لوگو! ان آدمیوں کا کیا حال ہے جو مجھے میرے اہل کے بارے میں تکلیف دیتے ہیں اور ان کے بارے میں وہ کہتے ہیں جو حق نہیں [1]

حضرت سعدؓ بن معاذ انصاری کھڑے ہوئے اور عرض کیا۔ اللہ کے رسُول! میں اس کے مقابلے میں آپ کی مدد کے لئے تیار ہُوں۔ اگر وہ قبیلہ اوس سے ہوا تو میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔ اور اگر وہ ہمارے خزرجی بھائیوں سے ہُوا تو آپ جو حکم دیں گے اُس کی تعمیل ہو گی۔

---

[1] سیرت ابن ہشام۔ ص ۳۰۰۔

قبیلہ خزرج کے سردار حضرت سعدؓ بن عبادہ کھڑے ہوئے۔ اس سے پہلے وہ صالح آدمی تھے۔ لیکن قومی غیرت نے ان کو دبوچ لیا۔ چنانچہ سعدؓ نے کہا۔ اللہ کی قسم! تو جھوٹ کہتا ہے۔ تو اس کو قتل نہیں کرے گا اور نہ ہی تو اس کے قتل پر قادر ہوگا۔

حضرت سعدؓ معاذ کے عم زاد حضرت اسیدؓ بن حضیر کھڑے ہوئے اور انہوں نے سعدؓ بن عبادہ سے کہا۔ اللہ کی قسم! تو نے جھوٹ کہا ہے۔ ہم اسے ضرور قتل کریں گے۔ بے شک تو منافق ہے۔ تو منافقین کی طرف سے جھگڑا کرتا ہے۔ اس گفتگو پر اوس اور خزرج دونوں قبیلوں کے لوگ کھڑے ہو گئے۔ اور انہوں نے آپس میں لڑنے کا ارادہ کر لیا۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر کھڑے تھے۔ آپ ان کو برابر سمجھاتے اور چپ کراتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ چپ ہو گئے۔ آپ بھی خاموش ہو گئے۔

عائشہؓ سے مروی ہے۔ وہ سارا دن بھی میں روتی رہی۔ میرے آنسو تھمتے نہیں تھے۔ اور نہ ہی مجھے نیند آتی تھی۔ صبح ہوئی تو میرے والدین میرے پاس تھے۔ میں دو راتیں اور ایک دن روتی رہی۔ نہ مجھے نیند آتی تھی اور نہ ہی میرے آنسو رکتے تھے۔ ان دونوں کا خیال تھا کہ اس طرح کا رونا میرا کلیجہ پھاڑ دے گا۔ اسی حال میں وہ دونوں میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ انصار کی ایک عورت نے میرے پاس آنے کی اجازت چاہی۔ میں نے اجازت دے دی۔ وہ بھی بیٹھ گئی اور اس نے بھی میرے ساتھ رونا شروع کر دیا۔

ہم اسی طرح بیٹھے ہوئے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ آپ سلام کر کے بیٹھ گئے۔ جب سے مجھ پر تہمت لگی تھی۔ آپؐ میرے پاس نہیں بیٹھے تھے۔ اور ایک مہینہ گزر چکا تھا کہ میرے بارے میں آپ پر کوئی وحی بھی نازل نہ ہوئی تھی۔

جب آپؐ تشریف فرما ہوئے تو حمد و ثنا کے بعد آپؐ نے فرمایا۔ اے عائشہؓ! تیرے

بارے میں مجھے ایسی ایسی بات پہنچی ہے۔ اگر تو اس سے بری ہے تو اللہ تعالیٰ عنقریب تجھے بری کرے گا۔ اگر تو گناہ کے قریب ہوئی ہے تو اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہ کی معافی مانگ اور اس سے توبہ کر، اس لئے کہ جب بندہ اپنے گناہ کا اعتراف کرتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے تو اللہ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔

عائشہؓ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بات ختم کر چکے تو میرے آنسو تھم گئے۔ یہاں تک کہ ان میں سے ایک قطرہ بھی میں نے محسوس نہ کیا۔ میں نے اپنے ابا جان سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا ہے۔ اس کا آپ جواب دیں۔ میرے ابا جان نے کہا۔ میں نہیں جانتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کیا عرض کروں؟ میں نے اپنی اماں جان سے کہا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کا جواب دیں۔ انہوں نے بھی کہا کہ میں نہیں جانتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کیا عرض کروں؟

عائشہؓ کا بیان ہے کہ میں چھوٹی عمر کی ایک لڑکی تھی۔ قرآن بھی زیادہ حفظ نہ تھا لیکن اس کے باوجود میں نے کہا۔ اللہ کی قسم! میں جانتی ہوں کہ آپ نے یہ بات سن لی ہے اور آپ کے دلوں میں یہ بات جم گئی ہے۔ اور آپ اس کو سچ سمجھتے ہیں۔ اگر میں کہوں کہ میں پاکدامن ہوں اور اللہ جانتا ہے کہ میں پاکدامن ہوں۔ تو آپ اس کی تصدیق نہیں کریں گے۔ اگر میں اس کا اعتراف کروں اور اللہ جانتا ہے کہ میں پاکدامن ہوں تو آپ اس کی تصدیق کریں گے۔

اللہ کی قسم! میری اور آپ کی مثال حضرت یوسف علیہ السلام کے باپ کے قول جیسی ہے۔ انہوں نے کہا تھا۔ صبر کرنا ہی بہتر ہے اور جو آپ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ اس پر میرا مددگار ہے۔

عائشہؓ سے مروی ہے کہ میں نے پھر کروٹ لی اور اپنے بستر پر لیٹ گئی۔ میں اس وقت جانتی تھی کہ میں بری ہوں اور اللہ تعالیٰ میری برأت ثابت کرے گا۔ لیکن اللہ کی قسم! مجھے یہ

گمان نہ تھا کہ میرے معاملے میں ایسی وحی اللہ نازل فرمائے گا کہ جس کی تلاوت کی جائے گی۔ میرا معاملہ میرے نفس میں اس سے حقیر تھا کہ اللہ تعالیٰ میرے بارے میں ایسا کلام فرمائے گا جس کو ہمیشہ پڑھا جائے گا۔ میں اُمید کرتی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوتے میں کوئی خواب دیکھیں گے جس میں اللہ تعالیٰ مجھ پر لگائی گئی تہمت سے مجھے پاک کر دے گا۔

عائشہؓ کا کہنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابھی اپنی جگہ پہ بیٹھے ہوئے تھے اور اہل بیت میں سے کوئی بھی باہر نہیں گیا تھا کہ آپ پر وحی کا نزول شروع ہو گیا۔ معمول کے مطابق آپ پر سختی ہونے لگی اور پسینہ موتیوں کی طرح ٹپکنے لگا۔ حالانکہ وہ سردی کا دن تھا۔ مگر وحی کے نزول پر ایسی ہی سختی ہوتی تھی۔

جب وحی کی حالت موقوف ہوئی تو آپ ہنس رہے تھے۔ اور پہلی بات آپ نے جو فرمائی، وہ یہ تھی۔ اے عائشہؓ! اللہ تعالیٰ نے تجھے پاکدامن ثابت کر دیا ہے۔

میری ماں نے کہا۔ اُٹھ اور آپؐ کا شکریہ ادا کر۔ میں نے کہا نہیں۔ میں آپ کا نہیں بلکہ اللہ عزوجل کا شکریہ ادا کروں گی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ نور کی دس آیات نازل فرمائیں۔

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے میری برأت نازل فرمائی تو ابوبکر الصدیقؓ نے کہا۔ اللہ کی قسم! مسطحؓ نے جو کچھ عائشہؓ کے بارے میں کہا ہے۔ اس کی وجہ سے میں اس پر کبھی کچھ خرچ نہیں کروں گا۔ حالانکہ مسطحؓ بن اثاثہ پر قرابت اور فقر کی وجہ سے خرچ کیا کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ	تم میں سے جو بزرگی اور کشادگی
مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ	والے ہیں۔ انہیں اپنے
يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ	قرابت داروں اور مسکینوں

وَالْمُهَاجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	اور مہاجرین کو اللہ کی راہ میں دینے سے
وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا اَلَا	قسم نہیں کھانی چاہیئے بلکہ معاف اور درگذر کرنا
تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ	چاہیئے کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہیں معاف کر دے
لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ[1]	اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے اور رحم کرنے والا ہے"۔

حضرت عائشہؓ پر تہمت ۶ھ میں غزوہ بنی مصطلق سے واپسی پر لگائی گئی۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی سب سے زیادہ اس بہتان کو اچھالنے والا تھا۔ اس کی باتوں میں آنے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شاعر حضرت حسانؓ بن ثابت۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے قریبی رشتہ دار بدری صحابی مسطحؓ اور آپ کی زوجہ مطہرہ زینبؓ بنت جحش کی بہن حمنہؓ جیسی شخصیتیں تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہؓ کی برأت جب نازل فرمادی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن اُبی کو اُخروی عذاب پر چھوڑ کر باقی تینوں پر حدِ قذف قائم فرمائی[2]

امام بخاریؒ نے عروہؒ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ عبداللہ بن ابی اس بات کو پھیلاتا اور جب اس کے پاس ذکر کیا جاتا تو اس کا انکار نہ کرتا اور سُن کر اس کو زیر بحث لے آتا[3]

اس واقعہ کو غور سے دیکھا جائے تو کئی باتیں سامنے آتی ہیں۔ پہلی یہ کہ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی زوجہ مطہرہ عائشہؓ کو سخت تکلیف پہنچی۔ جیسا کہ سیرت ابن ہشام میں منقول

---

[1] صحیح البخاری۔ کتاب التفسیر: سورۃ النور: ص ۶۹۶-۶۹۷-۶۹۸ - حدیث الافک: ص ۴ ۵۹-۵۹۵-۵۹۶ - صحیح مسلم جلد ۲ - حدیث الافک: ص ۳۶۴-۳۶۵-۳۶۶- کتاب الشہادات ص ۳۶۳، ۳۶۴-۳۶۵

[2] ماخوذ من سیرت ابن ہشام: خبر الافک، ص ۳۰۰-۳۰۲۔

[3] صحیح البخاری - حدیث الافک: ص ۵۹۴

اور بات عائشہؓ کو چھوڑنے کے مشورہ تک پہنچ گئی۔

دوسری یہ کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے انصار آپس میں اُلجھنے کے قریب ہو گئے۔

تیسری یہ کہ وحی کے نزول تک معاملہ اُلجھا رہا اور جب نزول ہوا تو اس کو قیامت تک قرآن کا حصّہ بنا دیا گیا۔

چوتھی یہ کہ تہمت لگانے والوں پر حدِ قذف قائم کی گئی۔ اگرچہ صحابیؓ اور صحابیہؓ ہونے کے ناطے "خیر البریہ" میں شمار ہوتے تھے۔

پانچویں یہ کہ حضرت ابُوبکر الصدّیقؓ نے جب اپنے قریبی رشتہ دار کے خرچہ کو بند کرنے کی قسم کھائی تو اللہ تعالیٰ نے فوراً ان کی اصلاح فرمائی اور ان کو حکم دیا گیا کہ معاف اور درگزر کریں۔

اسی پانچویں بات کو اگر ہم پیشِ نظر رکھیں تو ہر قسم کا اُلجھاؤ دُور ہو جاتا ہے۔

چھٹی بات بڑی ہی اہم ہے وہ یہ کہ حضرت عائشہؓ نے جب صفوانؓ کو دیکھا تو انہوں نے فوراً ان سے پردہ کر لیا۔ لشکر تک سفر کے دوران میں ان کے درمیان کوئی گفتگو نہ ہوئی۔ لیکن حضرت عائشہؓ کی حادثاتی قیادت کو دلیل بنانے والوں کی نظر اس طرف نہیں جاتی۔ جس عورت کی قیادت کو ثابت کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ کیا وہ ان کی طرح پردہ کرتی ہے؟ اور اس کا کردار ان جیسا ہے؟

حضرت مغیرہؓ بن شعبہ اور حضرت عائشہؓ کے واقعات میں فرق

حضرت ابوبکرہؓ اور ان کے ساتھیوں نے ایک فعل اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ لیکن پہچان میں غلطی ہو گئی۔ حضرت مغیرہؓ بن شعبہ نے اس فعل کا انکار نہیں کیا بلکہ انہوں نے قسم کھا کر کہہ دیا۔ کہ وہ عورت ان کی بیوی تھی جو اُمِّ جمیل سے مشابہ ہے۔ لیکن عمر فاروقؓ نے غلط فہمی کے باوجود قرآنی حکم

کے مطابق چوتھی گواہی کے ناقص رہ جانے کی وجہ سے ابوبکرہؓ اور ان کے دو ساتھیوں پر حد لگا دی۔

اس کے برعکس حضرت عائشہؓ پر تہمت لگانے والوں نے اپنی آنکھوں سے کوئی فعل ہوتا ہوا نہیں دیکھا تھا۔ بلکہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کے حربے سے وہ متاثر ہو گئے تھے۔ یہاں غلط فہمی والی کوئی بات نہ تھی۔ جان بوجھ کر حضرت عائشہؓ کے خلاف ایک تحریک چلائی گئی۔ جن کی نشاندہی ان کی والدہ ماجدہ نے بیٹی کو سمجھاتے ہوئے کر دی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہؓ کی برأت جب نازل فرما دی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قاذفوں پر حد قائم کر دی۔

دونوں واقعات کے تقابل سے واضح ہو جاتا ہے کہ ابوبکرہؓ نے حضرت مغیرہؓ کے خلاف جو گواہی دی۔ وہ ایک فعل دیکھ کر دی تھی۔ جب کہ حضرت عائشہؓ کے واقعہ میں یہ بات مفقود تھی۔ لہٰذا غلط فہمی کی بنا پر ملنے والی سزا کی وجہ سے ان کو مطعون نہیں کیا جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ محدثین نے ان کی روایات کو قبول کیا ہے۔ کیوں کہ ان کی امانت و دیانت میں کسی نے کبھی بھی کلام نہیں کیا۔

حضرت عائشہؓ پر تہمت لگانے والوں کے ساتھ نرمی

دنیا کا کوئی مؤرخ یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا ان کی زوجہ مطہرہؓ نے تہمت لگانے والوں پر حدِ قذف لگ جانے کے بعد کوئی سختی یا ان کی تحقیر و تذلیل کی ہو۔ حضرت مسطحؓ کے بارے میں تو اللہ تعالیٰ نے خود قرآن حکیم میں ہدایت دے دی۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ غلطی کرنے والے کو سزا مل جائے تو بات وہیں ختم ہو جاتی ہے۔

حضرت ابوبکر الصدیقؓ نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد سننے کے بعد کہا۔

بلی واللہ انی لاحب   اللہ کی قسم کیوں نہیں۔ بے شک میں پسند کرتا

ان یغفر اللہ لی فرجع	ہوں کہ اللہ مجھے بخش دے پھر انہوں نے وہ
الی مسطح نفقتہ التی	خرچہ جو مسطحؓ کو دیا کرتے تھے اس کو دیدیا۔
کان ینفق علیہ وقال	اور کہا اللہ کی قسم! میں اس کو کبھی
واللہ لا انزعھا منہ ابدا[1]	بھی نہیں روکوں گا۔"

بیٹی پر تہمت لگتی ہے جس سے زبردست دکھ ہوتا ہے۔ لیکن اللہ کے حکم کے سامنے فوراً جھک جاتے ہیں۔

حضرت حسانؓ بن ثابت کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کفار کے خلاف اشعار میں دفاع کرنے کے ساتھ آپؐ کی عظمت کو اجاگر کیا کرتے تھے۔ اسی لئے ان کو شاعر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہا جاتا تھا۔

ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ حضرت حسانؓ کے پاس سے گزرے اور وہ اس وقت مسجد میں شعر سنا رہے تھے۔ عمر فاروقؓ نے ان کی طرف ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا۔ حضرت حسانؓ نے کہا۔

وکنت انشد وفیہ	میں تو اس وقت بھی شعر سنایا کرتا تھا جب وہ
من ھو خیر منک	اس میں موجود ہوا کرتے تھے جو آپ سے بہتر تھے

پھر انہوں نے ابوہریرہؓ کی طرف دیکھ کر کہا۔ میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے نہیں سنا تھا۔

اَجب عنی اللھم ایدہ	میری طرف سے جواب دو۔ اے اللہ!

---

[1] سیرت ابن ھشام جلد ۲: خبر الافک : ص ۳۰۴

بروح القدس	.روح القدس کے ساتھ اس کی مدد فرما۔"

ابوہریرہؓ نے قسم کھا کر کہا۔ ہاں! [1]

امام ابوداؤدؒ نے حضرت عائشہؓ سے نقل کیا ہے:۔

ان النبی صلی اللہ علیہ	"بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
وسلم کان یضع لحسان	حسانؓ کے لئے مسجد میں منبر رکھواتے
المنبر فی المسجد فیقوم	تھے وہ اس پر کھڑے ہو کر ان لوگوں کی
علیہ یھجو من قال	ہجو کیا کرتے تھے جو رسول اللہ صلی اللہ
فی رسول اللہ صلی اللہ	علیہ وسلم کے بارے میں زبان درازی
علیہ وسلم فقال رسول اللہ	کیا کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
صلی اللہ علیہ وسلم ان	نے فرمایا، جب تک حسان رسول اللہ
روح القدس مع حسان	صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کرتے
ما نافح عن رسول اللہ صلی اللہ	ہیں۔ اُس وقت تک روح القدس ان
علیہ وسلم [2]	کے ساتھ ہوتے ہیں۔"

عروہؓ سے مروی ہے کہ حضرت عائشہؓ اس کو پسند نہیں کرتی تھیں کہ ان کے پاس حضرت حسانؓ کو برا بھلا کہا جائے۔ وہ کہا کرتی تھیں یہ وہی ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کرنے والوں سے کہا تھا۔

---

[1] صحیح مسلم جلد ۲ باب فضائل حسانؓ بن ثابت ص ۳۰۰، مسند احمد جلد ۵ ص ۲۲۲۔ الاصابۃ، الجزء ۲ ص ۸۔

[2] سنن ابی داؤد باب ماجاء فی الشعر ص ۶۸۴۔ جامع الترمذی باب ما جاء ان من الشعر حکمۃ۔ جلد ۲ ص ۲۶

فان ابی و والدہ و عرضی — "بے شک میرے باپ دادا اور میری عزت محمد
لعرض محمد منکم وقاء[1] — صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت کو بچانے کا ذریعہ ہیں"

حضرت عائشہؓ نہ صرف حضرت حسانؓ کے بارے میں کوئی بُرا لفظ سننا ناپسند کرتی تھیں۔ بلکہ وہ جب کبھی ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تو ان کے لئے تکیہ لگوایا کرتی تھیں۔

مسروق سے مروی ہے کہ میں حضرت عائشہؓ کے پاس تھا کہ حضرت حسانؓ تشریف لائے۔

فامرت فالقی لہ — "انہوں نے عزت سے بٹھانے کا حکم دیا۔
وسادۃ[2] — پس ان کے لئے تکیہ لگایا گیا۔"

ابن اسحاقؒ نے محمدؒ بن ابراہیم سے نقل کیا ہے کہ جب صفوانؓ بن معطل نے حضرت حسانؓ پر حملہ کیا۔ تو آپ نے صفوانؓ اور حسانؓ دونوں کو بلایا۔ صفوانؓ نے کہا۔ اللہ کے رسولؐ! اُس نے مجھے تکلیف دی اور میری ہجو کی۔ مجھے غصّہ آیا اور میں نے اس پر وار کر دیا۔

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت حسانؓ سے فرمایا:۔

اے حسانؓ! احسان کر یعنی بھلائی کو اختیار کر۔ جب میری قوم کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی نعمت سے نوازدیا تو تُو ان کو بُرا کہتا ہے۔ اے حسّان! جو کچھ تمہارے ساتھ ہُوا ہے اس میں احسان کر۔

حضرت حسانؓ نے عرض کیا۔ اللہ کے رسول ایسا ہی ہوگا۔

یہ بھی مروی ہے کہ ان کو صفوانؓ بن معطل کے ہاتھوں جو زخم لگا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بدلے بنی حُدیلہ کا وہ قصر جو ابو طلحہؓ نے آل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں

---

[1] صحیح البخاری: حدیث الافک: ص ۵۹۴۔

[2] تفسیر ابن جریر پ۱۸ ص ۸۸۔ تفسیر ابن کثیر: جلد ۳۔ ص ۲۷۲۔

پیش کیا، وہ دے دیا۔ اور ساتھ سیرین نامی قبطی لونڈی بھی عطا فرمائی۔ جس کے بطن سے ان کے بیٹے عبدالرحمٰن پیدا ہوئے [1]

یہ حسن سلوک اس سے کیا گیا کہ جس نے سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہؓ پر تہمت لگائی تھی۔ لیکن حضرت مغیرہؓ بن شعبہ کے خلاف گواہی دینے والے پر ایسی ناراضگی کہ ان کے بارے میں نازیبا الفاظ بھی استعمال کر دیئے۔ اور ان سے مروی احادیث کا انکار بھی کر دیا۔ حالانکہ محدثین نے حضرت حسانؓ کی بیان کردہ حدیث کو دل وجان سے قبول بھی کر لیا۔ ان سے مروی ہے۔

لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زوارات القبور [2]	"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کی کثرت سے زیارت کرنے والیوں پر لعنت بھیجی"

یہ حدیث ابن عباسؓ اور ابوہریرہؓ سے بھی مروی ہے۔ امام ترمذیؒ نے اس کو حسن صحیح کہنے کے بعد یہ وضاحت بھی کی کہ بعض اہلِ علم کے نزدیک یہ قبروں کی زیارت میں رخصت سے پہلے کی بات ہے۔ جب آپ نے رخصت دے دی تو اس میں مرد اور عورتیں شامل ہیں۔ اور بعض کے نزدیک عورتوں میں صبر کی کمی اور ان کے جزع فزع کی وجہ سے منع کیا گیا ہے۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ حضرت ابوبکرہؓ کے بارے میں عورت کی سربراہی کی حمایت کرنے والوں نے جو رویّہ اختیار کیا ہے وہ انتہائی غیر مناسب ہے۔ ایک عورت کی حمایت کرتے ہوئے وہ اپنے دینی سرمایہ کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔ ان کو معلوم نہیں کہ جس پر حدّ قائم ہو جائے تو اس کو بُرا بھلا کہنا جائز نہیں۔

---

[1] سیرت ابن ہشام: ص ۳۰۵-۳۰۶۔

[2] مسند احمد جلد ۳ ص ۴۴۲۔ ابن ماجہ: ابواب ما جاء فی الجنائز ص ۱۱۳۔ الترمذی: ابواب جنائز جلد ۱ ص ۱۵۰۔

حضرت عمر فاروقؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں عبداللہ نامی ایک شخص تھا، جسے حمار سے ملقب کیا جاتا تھا اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنسایا کرتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے شراب پینے پر کوڑے لگائے۔ ایک دن پھر اُسے لایا گیا۔ آپ نے اس کو کوڑے لگائے جانے کا حکم دیا۔ قوم میں سے ایک شخص نے کہا۔ اے اللہ! اس پر لعنت کر دے۔ بار بار شراب پینے کے جرم میں لایا جاتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس پر لعنت مت کرو۔ اللہ کی قسم! میں جانتا ہوں کہ یہ اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتا ہے[1]

امام بخاریؒ نے اس حدیث کو باب مایکرہ من لعن شارب الخمر وانہ لیس بخارج من الملۃ یعنی شرابی پر جو لعنت بھیجتا ہے اس کی کراہت اور وہ ملت سے خارج نہیں، کے باب کے تحت نقل کیا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اسلام میں کسی کو اجازت نہیں کہ صحابہؓ کی عزت پر ہاتھ ڈالے اور ان کے بارے میں زبان درازی کرے۔

حضرت ابوبکرہؓ کی گواہی

عورت کی سربراہی کی حمایت کرنے والوں کی دلیل ہے کہ ابوبکرہؓ کی روایت کردہ حدیث قابلِ قبول نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ ان پر حدِ قذف لگائی گئی تھی۔ انہوں نے یہ خبر اس انداز میں دی ہے جیسا کہ محدثین، مفسرین اور ائمہ کرامؒ اس سے بے خبر تھے۔ انہوں نے یہ سہارا بھی لیا کہ امام ابوحنیفہ

---

[1] صحیح البخاری: ص ۱۰۰۲۔

کے دبستان سے تعلق رکھنے والے تو ایسے شخص کی گواہی ہمیشہ کے لئے رد کر دیتے ہیں اگرچہ ہ تائب بھی ہو جائے۔ چونکہ ابوبکرہؓ کی حدیث صحیح بخاری میں منقول ہے۔ لہٰذا اسی کے حوالے سے بات ہو۔ تو زیادہ مناسب ہوگا۔

امام بخاریؒ نے "باب شہادۃ القاذف والسارق والزانی" یعنی قاذف، چور ور زانی کی شہادت کا باب اور سورۃ النور کی آیت "کہ ان کی شہادت کبھی نہ قبول کرنا اور وہ فاسق یں۔ مگر جو توبہ کر لیں" کے ساتھ نقل کیا ہے۔

وجلدہ عمر ابابکرۃ و	"حضرت عمر فاروقؓ نے ابوبکرہؓ، شبلؒ
شبل بن معبد و نافعا	اور نافعؒ کو مغیرہ پر تہمت لگانے کی وجہ
بقذف المغیرۃ ثم استتابھم	سے کوڑے لگائے پھر ان کو توبہ کرنے کو
وقال من تاب قبلت	کہا اور ان کو بتایا جو توبہ کرے گا میں اس
شھادتہ [1]	کی گواہی قبول کروں گا"

اِس روایت سے ایک بات یہ واضح ہوئی کہ امام بخاریؒ سے ابوبکرہؓ کا واقعہ اوجھل نہ تھا۔ وسری بات یہ کہ قاذف جب توبہ کرے تو اس کی گواہی قابل قبول ہو جاتی ہے۔ اس مسلک کے ؤیدین ائمہ کرام کے نام امام بخاریؒ نے حسب ذیل گنوائے ہیں۔

عبداللہ بن عتبہ۔ عمر بن عبدالعزیز۔ سعید بن جبیر۔ طاؤس۔ مجاہد۔ الشعبی۔ عکرمہ۔ زہری محارب ن دثار۔ شریح اور معاویہ بن قرہ۔ ابوالزناد کا قول ہے کہ مدینہ طیبہ میں ہمارا معاملہ یہ ہے کہ جب قاذف پنے قول سے رجوع اور اپنے رب سے استغفار کرے تو اس کی شہادت مقبول ہو جاتی ہے۔

---

[1] الصحیح البخاری: ص ۳۶۱۔

شعبی اور قتادہ کا کہنا کہ جب وہ اپنے آپ کو جھٹلائے تو اس کو کوڑے لگائے جائیں گے اور اس کی گواہی قبول کر لی جائے گی۔

امام ثوری کا بیان ہے کہ جب غلام کو حدّ لگائی جائے پھر اُسے آزاد کر دیا جائے تو اس کی شہادت جائز ہو گی اور حدّ لگے شخص کو قاضی بنا دیا جائے تو اس کے فیصلے جائز ہوں گے۔

اِس تمہید کے بعد انہوں نے دبستان امام ابوحنیفہؒ کی طرف بحث کو لوٹایا ہے کہ ان کا یہ مسلک ہے کہ قاذف کی شہادت جائز نہیں، اگرچہ وہ توبہ کرلے۔ اور ان کے ہاں یہ بھی ہے کہ بغیر گواہوں کے نکاح نہیں ہو سکتا لیکن اگر کوئی شخص حدّ لگے دو گواہوں کی موجودگی میں نکاح کرلے تو وہ نکاح درست ہوگا۔ اور دو غلاموں کی گواہی سے اگر نکاح کرلے تو وہ جائز نہیں ہوگا۔ مگر انہوں نے رمضان المبارک کے چاند کی رؤیت میں حدّ لگے یعنی محدود غلام اور لونڈی کی شہادت کو جائز قرار دیا ہے۔

پھر امام بخاریؒ نے دلیل کے طور پر نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زانی کو ایک سال کے لئے جلاوطن کر دیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبؓ بن مالک اور ان کے دو ساتھیوں سے کلام کرنے سے منع فرما دیا۔ یہاں تک کہ پچاس دن گزر گئے تو ان کی توبہ کی پہچان کس طرح ہوگی؟[1]

امام بخاریؒ نے بڑے ہی فقیہانہ انداز میں قاذف، چور اور زانی کی توبہ میں ہر فرق و تمیز کو مٹا دیا ہے۔ کیونکہ توبہ کرنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے۔ جب توبہ قبول ہو گئی تو گواہی کے رَدّ کا جواز خود بخود ختم ہو گیا۔

امام شافعیؒ اور ابن قدامہؒ کا بھی یہی قول ہے کہ قاذف جب توبہ کرلے تو اس کی گواہی مقبول ہوگی[2]

---

[1] صحیح البخاری: ص ۳۶۱

[2] الام، جلد ۶ شہادۃ القاذف، ص ۲۰۹۔ المغنی لابن قدامۃ جلد ۹۔ اذ تاب القاذف قبلت شہادتہ: ص ۱۹۷۔

حافظ ابن حجرؒ نے "ابداً" کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس سے مراد قاذف کا قذف پر ڈٹے رہنا ہے جیسا کہ کافر کی شہادت کے بارے میں کہا جاتا ہے۔

لا تقبل شهادة الكافر ابداً فان المراد مادام كافراً۔	"کہ کافر کی گواہی کبھی بھی قبول نہیں کی جائے گی۔ تو اس سے مراد ہے کہ وہ جب تک کافر رہے تو اس کی گواہی مقبول نہ ہوگی"

محدود فی القذف کی گواہی کے ردّ کے بارے میں جو روایات منقول ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ کی تحقیق کے مطابق ان میں سے کوئی بھی صحت کے معیار پر پوری نہیں اترتی [۱]

جمہور کے نزدیک وہی صحیح ہے جس کی نشاندہی امام بخاریؒ نے کی ہے۔ انہوں نے قاذف، سارق اور زانی کی شہادت کے باب میں ہی اس عورت کا واقعہ بھی نقل کیا ہے کہ جس کا ہاتھ فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے قطع کیا گیا تھا۔

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ اس نے اچھی توبہ کی اور اس کی شادی ہوئی۔ اس کے بعد وہ میرے پاس آیا کرتی تھی اور میں اس کی حاجات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا کرتی تھی۔

امام بخاریؒ نے ایک اور روایت زید بن خالدؓ کے حوالے سے نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زانی کے بارے میں حکم فرمایا۔ اگر وہ غیر شادی شدہ ہے تو اس کو سو کوڑے لگائے جائیں اور اس کو ایک سال کے لئے جلاوطن کر دیا جائے۔

امام بخاریؒ نے فقہی انداز میں یہ ثابت کیا ہے کہ جس پہ حد لگ جاتی ہے تو اس کو لوگوں کے

---

[۱] فتح الباری جلد ۵ کتاب الشہادات، ص ۲۵۵ - ۲۵۷۔

سامنے اپنی توبہ کا اعلان کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ حد کا لگ جانا ہی اس کے گناہ کا کفارہ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت نہیں کہ آپ نے کسی قاذف، زانی، چور اور شرابی پر حد قائم کرنے کے بعد علانیہ توبہ کرنے کا حکم دیا ہو۔ حضرت حسانؓ بن ثابت۔ حضرت مسطحؓ اور حضرت حمنہؓ پر حدِ قذف اسی قرآنی حکم کے مطابق لگی جس کے مطابق حضرت ابوبکرہؓ اور ان کے ساتھیوں پر لگائی گئی تھی۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تائب ہونے کا حکم نہ دیا تھا اور نہ ہی ان کے بارے میں کوئی ایسی روایت۔ احادیث۔ تواریخ اور اسماء الرجال کی کتابوں میں ملتی ہے۔ بلکہ اس کے برعکس اللہ تعالٰی نے ابوبکر الصدیقؓ کی اس قسم کا فوراً نوٹس لیا۔ جو انہوں نے حضرت مسطحؓ کا خرچ روکنے کے لئے کھائی تھی۔

سیرت ابن ہشام میں ۶ھ کے بعد حضرت حسانؓ کے بہت سے اشعار سے پتہ چلتا ہے کہ ان پر حد لگ جانے کے بعد بھی آپ نے ان سے اپنے اس حُسنِ سلوک کو جاری رکھا جو کہ آپ ان سے ۶ھ سے پہلے فرمایا کرتے تھے۔

حضرت صفوانؓ بن معطل کی طرف سے ان کو جو زخم لگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاس سے اس کا بدلہ دیا۔ اگر سیرت ابن ہشام کو دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس کا اختتام بھی حضرت حسانؓ بن ثابت کے اشعار سے ہوا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر حد لگ جانے کو ہی ان کے گناہ کا کفارہ سمجھا اور بعد میں کبھی بھی ان پر کسی صورت میں بھی مؤاخذہ نہ کیا۔ اور نہ ہی ان کو کبھی عار دلائی۔ حضرت عائشہؓ پر تہمت لگانے والے کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جب ایسا مشفقانہ سلوک رہا تو حضرت ابوبکرہؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحابیت سے کیونکر خارج کر کے ان کی روایات کو ٹھکرایا جا سکتا ہے؟ -

---

حدّ ہی گناہ کا کفّارہ ہوتی ہے

امام بخاریؒ نے کتاب الحدود میں باب باندھا ہے۔" الحدود کفارۃ " حدّ کا لگ جانا کفارہ ہے۔ پھر انہوں نے حضرت عبادہؓ بن الصامت سے نقل کیا ہے کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مجلس میں تھے۔ آپ نے ارشاد فرمایا:۔

بایعونی علی ان لا تشرکوا باللہ شیئًا ولا تسرقوا ولا تزنوا۔

" مجھ سے بیعت کرو کہ تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ گے۔ چوری اور زنا نہیں کرو گے "

پھر آپ نے قرآن حکیم کی یہ آیت مبارکہ پڑھی۔

" اے نبی! جب آپؐ کے پاس مومن عورتیں آکر آپ سے اس پر بیعت کریں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گی اور نہ چوری اور زنا کریں گی اور نہ اپنی اولادوں کو قتل کریں گی، اور نہ ایسا بہتان باندھیں گی جو خود اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے سامنے گھڑ لیں اور نہ کسی امر شرعی میں آپ کی نافرمانی کریں گی۔ تو آپ ان سے بیعت لے لیا کریں اور ان کے لئے اللہ سے بخشش طلب کریں۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے [1]

پھر آپ نے فرمایا۔" جو بیعت کو پورا کرے گا۔ پس اس کا اجر اللہ پر ہوگا۔ اور جو ان میں سے کسی کا مرتکب ہوگا۔ پھر اس کو اس کی سزا مل جائے تو وہ اس کا کفارہ ہوگا۔ جو کوئی اس میں سے کوئی کام کر بیٹھے اور اللہ تعالیٰ اس کی پردہ پوشی کر دے تو یہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، کہ

---

[1] سورۃ الممتحنہ: آیت ۱۲

اگر چاہے تو اُس کو معاف کر دے اور اگر چاہے تو اس کو عذاب دے[1]

امام بخاریؒ نے یہی روایت الفاظ کی کمی بیشی کے ساتھ کتاب الایمان میں بھی نقل کی ہے۔

وہاں حضرت عبادۃ بن صامت کے بارے میں یہ بھی منقول ہے کہ وہ بیعت العقبہ کے نقیبوں میں سے ایک نقیب تھے۔ اور جنگ بدر میں بھی وہ شریک تھے[2]

یہاں یہ خیال بھی رکھنے کی ضرورت ہے کہ جو بیعت آپ نے اپنے صحابہؓ سے چاہی۔ یہ ان کی پہلی بیعت کی تائید میں ہے۔ اور یہ واقعہ فتح مکّہ کے بعد کا ہے۔ کیوں کہ سورہ الممتحنہ فتح مکّہ کے موقعہ پر نازل ہوئی۔ جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ اور علامہ العینی کی حدیث کی تشریح میں وضاحت کر دی ہے[3]۔

صحیح مسلم کے یہ بھی الفاظ ہیں :۔

من اتی منکم حدا	تم میں سے کوئی ایسا کام کرے کہ جس سے
فاقیم علیہ فھو	اس پر حد واجب ہو جائے پھر اس پر حد قائم
کفارۃ۔	کر دی جائے تو وہی اس کا کفارہ ہوگا۔

امام مسلمؒ نے بیعتِ عقبہ کے جو الفاظ تھے وہ بھی نقل کر دیئے ہیں۔

حضرت خزیمہ بن ثابت سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

من اصاب ذنبا اقیم	جس سے کوئی گناہ ہوگیا پھر اس پر اس
علیہ حد ذلك الذنب	گناہ کی حد قائم کر دی گئی، تو وہ

---

[1] صحیح البخاری : کتاب الحدود، ص ۱۰۰۳۔ صحیح مسلم : باب الحدود کفارات لاھلھا جلد ۲ ص ۷۱۔ نیل الاوطار جلد ۷، ص ۵۳۔ ۵۴

[2] صحیح البخاری : کتاب الایمان : ص ۷۔

[3] فتح الباری جلد ۱۲ ص ۸۴۔ عمدۃ القاری : جلد ۲۳ ص ۲۷۳۔

فهو كفارته [1] — اس کا کفارہ ہوگا۔"

حافظ ابن حجرؒ عسقلانی نے اس حدیث کو حسن کہنے کے ساتھ جریر بن عبداللہ، عمرو بن شعیب اور ثابت بھی ضحاک سے سندِ صحیح کے ساتھ ایسی روایات کا ذکر کیا ہے [2]

دبستانِ امام ابوحنیفہؒ سے تعلق رکھنے والے علامہ العینیؒ نے حضرت عبادة بن الصامت کی روایت کردہ حدیث کی شرح میں لکھا ہے۔

فحديث عبادة معناه	"پس عبادہؓ کی حدیث کا خصوصی معنی یہ
الخصوص فيمن اقيم عليه	ہے کہ مسلمانوں میں سے جس پر خاص طور پر حد
الحد من المسلمين خاصة	قائم کردی جائے بلاشبہ وہ اس کے
ان ذلك كفارة له [3]	لئے کفارہ ہوگا"

بہتر ہوگا کہ اس سلسلے میں بے لاگ تبصرہ کرنے والے مہلب ازدیؒ کو بھی دیکھ لیا جائے کہ انہوں نے امام بخاریؒ کے فقیہانہ انداز سے کیا استنباط کیا ہے؟ حافظ ابن حجرؒ سے مروی ہے۔

استنبط المهلب من هذا ان	کہ مہلب نے اس سے استنباط کیا
اكذاب القاذف نفسه ليس	ہے کہ قاذف کا اپنے نفس کو جھٹلانا
شرط فى قبول توبته لان	اس کی توبہ قبول ہونے میں شرط نہیں کیونکہ
ابوبكرة لم يكذب نفسه	ابوبکرہؓ نے اپنے نفس کو نہیں جھٹلایا

---

[1] مسند احمد: جلد ۵ ص ۲۱۵

[2] فتح الباری: جلد ۱۲ ص ۸۴

[3] فتح الباری: جلد ۵ ص ۲۵۶

ومع ذلك فقد قبل المسلمون روايته وعملوا بها [1]

تھا لیکن اس کے باوجود مسلمانوں نے ان کی روایات کو قبول کیا اور ان پر عمل کیا۔"

جناب رحمت اللہ طارق نے عائشہؓ کے خلاف گہری سازش کے عنوان کے تحت مہلب ازدیؒ کے قول کو فتح الباریؒ کے حوالے سے اپنے رنگ میں پیش کیا ہے [1] جس پر مفصل بحث ہو چکی ہے۔ اور صحیح بات واضح کر دی گئی ہے لیکن یہاں فتح الباری کے حوالے سے حضرت ابوبکرہؓ کے بارے میں مہلبؒ کا جو استنباط نقل کیا گیا۔ اس سے کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی کہ محدثین میں سے کبھی بھی کسی نے حضرت ابوبکرہؓ پر اس طرح کا اعتراض کیا ہو کہ جس کی جرأت رحمت اللہ طارق اور رفیع اللہ شہاب جیسے لوگ آج کل کر رہے ہیں، ایک عورت کی خوشنودی کے حصول کی خاطر احادیث کو طعن کا نشانہ بنا رہے ہیں۔ حالانکہ نہ صرف صحیح بخاری کے شارحین کے نزدیک وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی تھے۔ بلکہ تمام ائمہ حدیث نے بھی ان کی روایات کو قبول کیا۔ اور امتِ محمدیہ نے ان کے مطابق عمل کیا۔ جیسا کہ مہلبؒ کی گواہی سے ثابت ہوتا ہے اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ حضرت ابوبکرہؓ پر حد لگنے کی وجہ سے جو اعتراض وارد کیا جاتا ہے۔ محدثین کے نزدیک وہ باطل ہے۔

حضرت ابوبکرہؓ کی احادیث پر اعتراض اور اُن کا جواب

جناب رفیع اللہ شہاب احادیث کا انکار کرنے میں اپنے اُستاد رحمت اللہ طارق سے بھی آگے نکل گئے۔ کسی بھائی نے کہا کہ حضرت ابوبکرہؓ سے عورت کی نفی کرنے والی روایت کے علاوہ اور بھی روایات منقول ہیں؟ تو انہوں نے فیصلہ صادر کیا کہ وہ اس حدیث سے بھی خطرناک ہیں۔ کیونکہ

---

[1] عورت اور مسئلہ امارت۔ ص ۲۴-۲۵۔

ان میں انہوں نے ایک ہی سانس میں ہزاروں صحابہؓ کو جن میں عشرہ مبشرہ بھی شامل تھے۔ جہنمی قرار دے دیا ہے۔ پھر انہوں نے بخاری کے حوالے سے ایک حدیث کا متن نقل کیا ہے۔

امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ فتنہ کے زمانے میں ایک روز میں ہتھیار باندھ کر نکلا، تو مجھے حضرت ابوبکرہؓ ملے۔ فرمایا۔ کہاں کا ارادہ ہے؟ میں نے عرض کیا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی کی مدد کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ کہا۔ حضورؐ نے فرمایا ہے جب دو مسلمان تلوار لے کر ایک دوسرے کے مقابل ہو جائیں تو دونوں جہنمی ہیں۔ عرض کی گئی کہ قاتل کی بات تو سمجھ میں آتی ہے۔ لیکن مقتول کس وجہ سے؟ فرمایا وہ بھی اپنے مدِمقابل کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

رفیع اللہ شہاب صاحب کا کہنا ہے کہ یہ حدیث بھی قرآنی تعلیمات کے خلاف ہے۔ مسلمانوں کے آپس میں لڑنے والے دو گروہوں کے بارے میں قرآن مجید میں یہ ارشاد ہوا ہے۔

" اگر مؤمنین کے دو گروہ آپس میں لڑائی کریں تو ان کے درمیان صلح کراؤ۔ اگر ان سے ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑائی کی جائے۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف پلٹ آئے (سورہ الحجرات)

رفیع اللہ شہاب صاحب کا فرمان ہے کہ اس آیت میں آپس میں لڑنے والے دونوں گروہوں کو واضح الفاظ میں مومن کہا گیا ہے۔ لیکن اس کے برعکس حضرت ابوبکرہؓ ان لڑنے والے گروہوں کو جہنمی قرار دیتے ہیں۔ اور خیال رہے کہ حدیث میں جن لڑنے والوں کا ذکر ہے۔ ان کا تعلق جنگِ جمل سے تھا۔ جس میں حضرت علیؓ کی جانب سے بیس ہزار اور حضرت عائشہؓ کی جانب سے تیس ہزار مسلمانوں نے شرکت کی تھی۔ ان کی اکثریت صحابہ کرامؓ پر مشتمل تھی۔ اور ان میں عشرہ مبشرہ بھی شامل تھے۔ ان کے بارے میں حضرت ابوبکرہؓ نے جو فیصلہ دیا اُسے لکھتے ہوئے قلم بھی کانپتا ہے۔ ؎

جناب رفیع اللہ شہاب کی علم حدیث کے بارے میں معلومات جناب رحمت اللہ طارق جیسی ہی ہیں۔ اور ان سے بھی وہی غلطی ہوئی جو ان کے استاد سے ہوئی۔

یعنی حدیث پر اعتراض تو اس طرح کرتے ہیں جیسے کہ دنیا میں ان سے بڑا کوئی محدث ہوا ہے اور نہ ہوگا اور فنِ حدیث میں درک کا یہ حال ہے کہ سند کو سمجھنے کی بھی صلاحیت نہیں۔ اردو ترجمہ میں ہی پیش کردہ روایت پر غور کر لیتے یا بخاری پڑھانے والے کسی استاذ سے مشورہ کر لیتے۔ تو ان کو معلوم ہو جاتا کہ تلوار ہاتھ میں لے کر نکلنے والے حسن بصریؒ نہیں بلکہ احنفؒ بن قیس تھے۔

حدیث کی سند پر ذرا غور فرمایا جائے۔

حدثنا عبد اللہ بن عبدالوہاب	(ترجمہ) ہم سے بیان کیا عبداللہ بن عبدالوہاب
قال حدثنا حماد عن رجل	نے۔ اس نے کہا ہم سے بیان کیا حماد نے
لم یسمہ عن الحسن قال	اس آدمی سے جس کا حسن سے روایت کرتے ہوئے اس
خرجت بسلاحی۔	نے نام نہ لیا۔ اس نے کہا کہ میں اپنے اسلحہ کے ساتھ نکلا

حدیث کے آخر میں امام بخاریؒ نے وضاحت بھی کر دی۔ چنانچہ انہوں نے نقل کیا ہے۔

قال حماد بن زید فذکرت	حماد بن زید نے کہا۔ میں نے اس
ھذا الحدیث لایوب و یونس	حدیث کا ذکر ایوب اور یونس بن عبید
بن عبید وانا ارید ان	سے کہا اور میں ارادہ رکھتا تھا کہ دونوں
یحدثانی بہ فقالا روی	مجھ سے بیان کریں۔ پس دونوں نے کہا کہ
ھذا الحسن عن الاحنف	حسن نے احنف بن قیس سے اور اس
بن قیس عن ابی بکرۃ ۔	نے ابو بکرہؓ سے یہ روایت کیا ہے۔"

اگر جناب رفیع اللہ شہاب صاحب بخاری میں کتاب الایمان اور کتاب الدیات پر نظر

ڈال لیتے۔ تو ان کو واضح الفاظ میں یہ بھی مل جاتا۔

عن الحسن عن الاحنف بن قیس — "حسن بصری نے احنف بن قیس سے روایت کیا۔"

جناب رفیع اللہ شہاب نے بڑے جذباتی انداز میں حضرت ابوبکرہؓ پر بہتان لگا دیا کہ انہوں نے جنگِ جمل میں شریک ہونے والوں کو جہنمی قرار دے دیا۔ پھر انہوں نے سورۃ الحجرات کی ایک آیت کا حوالہ بھی دے دیا۔

اگر رفیع اللہ شہاب صاحب نے صحیح بخاری کسی استاذ سے پڑھی ہوتی تو ان کو معلوم ہوتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن حکیم کی روشنی میں ہی اپنی امت کو ہر اس فتنہ و فساد سے بچنے کا حکم ارشاد فرمایا۔ جس کا شکار پہلی امتیں ہوگئیں۔ قرآن پاک میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا	"اے ایمان والو! اپنے درمیان اپنے
أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ	مالوں کو باطل طریقے سے مت کھاؤ
إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً	سوائے اس کے کہ باہمی رضامندی سے
عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوا	کوئی تجارتی معاملہ ہو اور نہ ہی آپس میں
أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ	ایک دوسرے کو قتل کرو۔ بیشک اللہ تعالیٰ
رَحِيمًا ○ وَمَنْ يَفْعَلْ	تمہارے ساتھ بڑا مہربان ہے ظلم و زیادتی
ذَٰلِكَ عُدْوَانًا وَظُلْمًا فَسَوْفَ	کرتے ہوئے جو ایسا کرے گا۔ ہم
نُصْلِيهِ نَارًا وَكَانَ ذَٰلِكَ	اسے آگ میں ڈال دیں گے اور اللہ تعالیٰ
عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ○ [1]	کے لئے یہ آسان ہے۔"

[1] سورۃ النساء: آیت ۲۹-۳۰

عباد الرحمٰن کی صفات بیان ہوتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ	" اور وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ کسی اور
اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ	معبود کو نہیں پکارتے اور اس نفس کو قتل نہیں
الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ	کرتے کہ حق کے علاوہ جس کا قتل کرنا اللہ
وَلَا يَزْنُوْنَ وَمَنْ يَّفْعَلْ	نے حرام کر دیا ہے اور نہ وہ زنا کرتے ہیں اور
ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ۝ يُّضٰعَفْ	جو ایسا کرے گا وہ گناہ گار ہو جائے گا قیامت
لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ	کے روز اس کے لئے عذاب کو بڑھایا جائیگا
وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ۝ [1]	اور وہ اس میں ذلیل ہو کر ہمیشہ رہے گا۔"

جو جان بوجھ کر مومن کے خون سے اپنے ہاتھوں کو رنگتا ہے۔ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا	"جو کسی مومن کو ارادے کے ساتھ قتل کرے گا
فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا	پس اس کی جزا جہنم ہے۔ اس میں ہمیشہ
فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ	رہے گا اور اللہ کا اس پر غضب ہوگا
وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا	اور اللہ اس پر لعنت فرمائیگا اور اس کے
عَظِيْمًا ۝ [2]	لئے عذاب عظیم تیار کر رکھا ہے۔"

سورۃ النساء اور سورۃ الفرقان کی ان آیاتِ مبارکہ میں مومنوں ہی کو متنبہ کیا گیا ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کا خون نہیں بہانا۔ کسی کو ناحق قتل نہ کرنا۔ جو ایسا کرے گا اس کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔

---

[1] سورۃ الفرقان: آیات ۶۸-۶۹۔

[2] سورۃ النساء: آیات ۹۳۔

جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ اللہ کی لعنت اور اس کا غضب بھی اُس پر ہوگا۔

اِن آیات میں تنبیہ ہے اور سورۃ الحجرات کی آیت میں طریقہ کار بتایا گیا ہے۔ اسی طرح حضرت ابوبکرہؓ کی روایت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مسلمانوں کو تلوار لے کر آپس میں ٹکرانے سے جو منع فرمایا ہے تو وہ بھی قرآن حکیم کی ہی روشنی میں ڈرایا ہے نہ کہ جنگِ جمل میں شریک ہونے والوں کے بارے میں کوئی فیصلہ دیا ہے۔ امام بخاریؒ نے کتاب الایمان میں اسی انداز کو اپنایا ہے [1]

اصل بات تو یہ ہے کہ جب "روشن خیالی" دماغ پر غالب آجائے تو پھر قرآن وسنت کی واضح تعلیم کو اپنانے کی بجائے "روشن خیال" کا ذہن ایسے مسائل میں اُلجھ جاتا ہے جو جمہور کے خلاف ہوتے ہیں۔ اس نے وہ بات کرنی ہوتی ہے جو مسلمانوں کو چونکا دینے والی ہے۔ وہ قرآن وحدیث کو اسی طرح استعمال کرتا ہے جیسا کہ اسلام کو نقصان پہنچانے والے اسلام کا نام لے کر ہی بات کرتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ اسلام سے اس کی رُوح کو ختم کر دیا جائے۔

جس طرح مرزا غلام احمد قادیانی نے مسلمانوں میں جذبۂ جہاد کو ختم کرنے کی کوشش کی تھی، بعینہٖ آج کل "روشن خیال" مسلمانوں میں اسلامی غیرت کو ختم کرنے پر تلے ہوئے ہیں اور جس پر مسلمانوں کا اتفاق واتحاد ہو سکتا ہے۔ اس میں شکوک پیدا کرنے کی اُنہوں نے مہم شروع کر رکھی ہے۔ لیکن انشاء اللہ تعالیٰ یہ اپنے مشن میں کامیاب نہیں ہوں گے۔

جناب رفیع اللہ شہاب حضرت ابوبکرہؓ سے اتنے الرجک ہو گئے ہیں کہ جس روایت میں ان کا نام آئے گا۔ اُنہوں نے فوراً اس کو ردّ کر دینا ہے۔ لیکن وہ بھول جاتے ہیں کہ احادیث میں ایسی روایات کے راوی صرف حضرت ابوبکرہؓ ہی نہیں ہیں بلکہ جس روایت کو انہوں نے قرآنی تعلیمات

---

[1] صحیح البخاری: کتاب الایمان: ص ۹۔

کے خلاف قرار دیا ہے ۔ اس کے راوی اور بھی ہیں۔ ابوموسیٰ الاشعریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب دو مسلمان اپنی تلواریں لے کر مقابلے میں کھڑے ہوتے ہیں اور ان دونوں میں سے ایک اپنے ساتھی کو قتل کر دیتا ہے تو دونوں جہنم میں برابر ہو جاتے ہیں [1]

امام نسائیؒ نے ابوموسیٰؓ سے مختلف سندوں کے ساتھ دو اور روایات نقل ہیں ۔ جن کے الفاظ بخاری کی روایت کے مطابق ہیں ۔

انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ جب دو مسلمان اپنی تلواروں کے ساتھ ایک دوسرے سے ٹکراتے ہیں تو قاتل اور مقتول دونوں جہنم میں ہو جاتے ہیں [2]

جناب رفیع اللہ شہاب اپنی تحقیق میں اکثر نیل الاوطار کا حوالہ دے کر اس کی بڑی تعریف کرتے ہیں لیکن حیرت ہے کہ قاتل و مقتول کے جہنم میں چلے جانے کے بارے میں انہوں نے اپنی پسندیدہ کتاب کو دیکھنے کی تکلیف نہیں کی ۔ اگر دیکھ لیتے تو مسئلہ حل ہو جاتا ۔ کیوں کہ امام شوکانیؒ نے بھی بخاری و مسلم کی اسی روایت کو نقل کیا ہے جو کہ حضرت ابوبکرہؓ سے مروی ہے اور انہوں نے اس پر بڑی عمدہ بحث بھی کی ہے ۔ صحابہؓ کے آپس میں اختلاف اور قتال کے بارے میں اہل سنت کا جو مسلک ہے اس پر بھی خوب روشنی ڈالی ہے [3] جس کی تفصیل انشاء اللہ تعالیٰ آگے اپنے مقام پر آئے گی ۔

جناب رفیع اللہ شہاب کو بتایا گیا کہ حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] سنن النسائی کتاب المحاربۃ جلد ۲ ص ۱۶۹ ۔ ابن ماجہ : باب التقی المسلمان بسیفیھما ص ۲۸۵ مسند احمد جلد ۴ ص ۴۱۸ ، ۴۱۰ ، ۴۰۱

[2] ابن ماجہ : ص ۲۸۵ ۔

[3] نیل الاوطار : جلد ۷ ص ۹۴ ۔

نے جو خطبہ ارشاد فرمایا۔ اس کے بھی راوی حضرت ابوبکرہؓ ہیں۔ محدثین کو اگر ان میں کوئی خامی نظر آتی تو وہ ان سے مروی خطبہ کو احادیث کی کتابوں میں نقل کیوں کرتے؟ اس کا بھی جواب ان کے اپنے الفاظ میں نقل کیا جاتا ہے۔

فرماتے ہیں:۔ اگر ان کی روایت کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر ہمارے ہاں کا مروّجہ خطبہ حجۃ الوداع جو کئی صفحات پر مشتمل ہے۔ غلط اور جھوٹا قرار پاتا ہے۔ کیونکہ حضرت ابوبکرہؓ کا روایت کردہ یہ خطبہ ایک پیرے پر مشتمل ہے۔ مختصر یہ کہ ان کی دوسری روایت کردہ احادیث قرآن و احادیث قرآن و سنّت کی واضح تعلیمات کے خلاف ہیں۔ تو اس صورت میں ان کی اس روایت کو کیسے تسلیم کیا جا سکتا ہے جس کے تمام راوی ثقہ ہیں[1]

رفیع اللہ شہاب صاحب نے ایک معقول سوال کا انتہائی غیر معقول جواب دیا ہے۔ ان کو شاید پتہ نہیں کہ خطبہ مختصر ہو یا طویل اسے خطبہ ہی کہا جاتا ہے اور حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نہیں بلکہ یوم الترویہ (سات ذوالحجہ) یوم العرفہ۔ یوم النحر اور یوم وسط التشریق جسے یوم الرؤس اور یوم النحر بھی کہا جاتا ہے۔ یعنی مختلف دنوں میں کئی خطبے ارشاد فرمائے[2] اسی لئے مختلف راویوں سے خطبات کے وہ حصے مروی ہیں جو انہوں نے سنے اس سے راویوں کی امانت و دیانت کا پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے جو سنا وہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی روشنی میں آگے پہنچایا۔ اپنی طرف سے اس میں کوئی کمی بیشی نہیں کی۔

ویسے جس مختصر خطبہ کا اس لئے انکار کر دیا گیا ہے کہ اس کے راوی حضرت ابوبکرہؓ ہیں تو تقریباً

---

[1] روزنامہ امروز ۱۷ جنوری ۱۹۸۹ء

[2] عمدۃ القاری جلد ۱۰ ص ۹، مجمع الزوائد جلد ۳ ص ۲۶۵ تا ۲۷۲۔ ارشاد الساری جلد ۳ ص ۲۳۹-۲۴۰۔

انہی الفاظ میں ویسا ہی حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے بھی مروی ہے[1] خاص طور پر آپ کا یہ فرمانا :۔

لا ترجعوا بعدی کفارا	"میرے بعد پھر کفر کی حالت میں نہ
یضرب بعضکم رقاب	لوٹ جانا کہ بعض تمہارا بعض کی گردن
بعض [1]	مارے "۔

یہ الفاظ جریرؓ سے مروی ہیں [2] حضرت ابن عباسؓ سے "ترجعوا" کی بجائے "ترتدوا" منقول ہے اور ایک روایت میں "کفارا" کی بجائے "ضُلّالًا" مروی ہے ۔

رفیع اللہ شہاب صاحب کے نزدیک قاتل اور مقتول کے جہنم میں چلے جانا قرآن کی تعلیم کے خلاف ہے ۔ تو میرے بعد کافر یا مرتد یا گمراہ نہ ہو جانا ، والی روایت ان کا ذہن کیسے قبول کر سکتا ہے ؟ لہٰذا ایک بار پھر قرآن کو دیکھنا ہوگا ۔

چنانچہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشادِ مبارک ہے ۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا	"اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں
وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ	نے واضح نشانیوں کے آجانے کے بعد تفرقہ بازی
الْبَيِّنَاتُ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ	اور اختلاف کو اپنایا اور وہی لوگ ہیں
عَذَابٌ عَظِيمٌ ● [3]	کہ جن کے لئے بہت بڑا عذاب ہے "۔

---

[1] صحیح البخاری : ص ۲۳۴ - ۲۳۵ - ۱۰۴۸ - ۱۰۱۴ - ۱۰۱۵ ۔

[2] صحیح البخاری : ص ۱۰۱۵ ۔ صحیح مسلم جلد ۱ ص ۵۸ ۔

[3] سورۃ آلِ عمران : آیت ۱۰۵ ۔

اِس آیتِ مُبارکہ میں اہلِ ایمان کو ڈرایا گیا ہے کہ اگر اُنہوں نے تفرقہ بازی اور اختلاف کو اپنایا تو ان کا انجام بھی وہی ہو گا جو کہ اَیسے لوگوں کے لئے مقرر کر دیا گیا ہے یعنی ان کے لئے عذابِ عظیم ہوگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے اگر اہلِ عرب کی حالت کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہو گا کہ اس وقت کسی کو قتل کر دینا اور آپس میں اختلاف کو جھگڑا و فساد تک لے جانا معمولی بات تھی۔ سارا عرب قبائلی جھگڑوں اور گروہ بندی کا شکار تھا۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اسلام کے ذریعے بھائی بھائی بنا دیا۔ اِس لئے کسی بھی صورت میں آپؐ یہ برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ آپؐ کی اُمّت پھر سے اُسی ڈگر پر چل نکلے جہاں سے آپ نے ان کو ہٹایا تھا۔ قرآن حکیم اور سُنّتِ نبویؐ میں ہر اُس شخص کے لئے ترہیب پائی جاتی ہے جو جہالت کے کام کی طرف لوٹنے کا ارادہ رکھتا ہو۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے مسلمان کو اس کے انجام سے آگاہ کر کے ڈرایا ہے۔

جنگِ جمل میں حصّہ لینے والے سب جنّتی ہیں

جنگِ جمل میں جو صحابہؓ اور تابعین شریک ہوئے اور اُنہوں نے اس میں شہادت پائی، حضرت علیؓ نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ اگرچہ وہ ان کی طرف سے یا ان کے خلاف لڑتے ہوئے شہید ہوئے تھے۔ وہ اہلِ بصرہ میں سے تھے یا اہلِ کوفہ میں سے۔ وہ مدنی قریشی تھے یا مکی۔ ان پر نماز پڑھنے کے بعد ان کو ایک بہت بڑی قبر میں دفنا دیا۔

حضرت علیؓ نے یہ بھی فرمایا کہ مجھے اُمّید ہے کہ جس شخص کا دل ان لوگوں کی طرف سے صاف ہو گا۔ اللہ تعالےٰ اسے جنّت میں داخل فرمائے گا[1]

---

[1] تاریخ الطبری جلد ۳ ص ۲۲۱-۲۲۲-۲۲۲ ۔ تاریخ الکامل: جلد ۳ ص ۱۳۱-۱۳۲۔

اہلِ سنّت کا ان صحابہؓ کے بارے میں مسلک ہے جو آپس میں لڑتے ہوئے شہید ہوئے، وہ سب جنّت میں داخل ہو گئے۔ کیوں کہ انہوں نے اصلاح کے حصول کے لئے اپنی اپنی جگہ اجتہاد کیا اور مجتہد کے بارے میں مسلّمہ اصول ہے کہ اگر اس سے غلطی ہو جائے تو اس کو ایک اجر ملتا ہے۔ اور اگر وہ حق کو پالیتا ہے تو اس کو دو اجر دیے جاتے ہیں۔ اس اعتبار سے شہادت پانے والے تمام صحابہ جنتی ہیں۔ یہی حق بات علامہ العینی، علامہ کرمانی اور علامہ القسطلانی نے حضرت ابوبکرہؓ کی جو روایت بخاری میں کتاب الایمان میں منقول ہے۔ اس کی شرح میں لکھی ہے[1]

علامہ کرمانی نے اس کی بھی وضاحت کردی ہے کہ احنفؓ بن قیس کو جب حضرت ابوبکرہؓ نے جنگِ جمل میں حصہ لینے سے روکا۔ اور خود بھی حصہ نہ لیا۔ تو یہ بھی ان کا ذاتی اجتہاد تھا۔ لہٰذا اس میں بھی ان کو اجر دیا جائے گا[2]

ویسے بھی اللہ تعالےٰ نے صحابہؓ کے بارے میں جب یہ فرما دیا کہ اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے تو کسی بھی مسلمان کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ ان کے بارے میں کسی قسم کی زبان درازی کا مرتکب ہو، ہماری عافیت اسی میں ہے کہ ہم صحابہؓ کے معاملے کو اللہ کے سپرد کردیں کیونکہ وہی سب سے زیادہ جاننے والا علیم وخبیر ہے۔

جہاں تک حضرت ابوبکرہؓ سے مروی روایات کا تعلق ہے تو انہوں نے اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کہی بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک کو روایت کیا ہے اور وہ قرآن حکیم کی تعلیم کے عین مطابق ہے، جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے۔ اس لئے حضرت ابوبکرہؓ کی ایسی روایات

---

[1] الکرمانی۔ جلد ا ص ۱۴۳۔ عمدۃ القاری۔ جلد ا ص ۲۱۲۔ ارشاد الساری۔ جلد ا ص ۱۱۷۔

[2] الکرمانی: جلد ا ص ۱۴۳۔

کا انکار درحقیقت قرآن پاک کا انکار ہوگا۔ لیکن "روشن خیال" حضرات کے پیشِ نظر ایسی کوئی بات نہیں ہوتی۔ بلکہ ان کا مشن ہی قرآن و سُنّت کی تعلیم کو مسخ کرنا اور لوگوں کے دلوں میں شک و شُبہ پیدا کرنا ہوتا ہے۔ اس کی بھی وضاحت انشاء اللہ اپنے مقام پر ہو جائے گی۔

عورت کی سربراہی کے بارے میں حدیث مشہور کیوں نہ تھی؟

جناب رحمتُ اللہ طارق کا ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ عورت کی سربراہی کی نفی کرنے والی حدیث اگر درست تھی تو مشہور کیوں نہ تھی؟ جنگِ جمل میں پچاس ہزار صحابہؓ اور تابعینؒ کو اس کے بارے میں خبر کیوں نہ ہوئی؟ حضرت حسنؓ نے معرکہ جمل کے موقعہ پر بصرے کے کوچہ و بازار میں سیّدہ موصوفہ کے خلاف بڑے معرکۃ الآراء لیکچر دیئے مگر کہیں بھی اپنے نانا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس روایت کا حوالہ نہ دے سکے۔ اگر اس روایت کا پہلے سے وجُود ہوتا تو بروقت صدیقہؓ کی محاذ آرائی کو روکا جا سکتا تھا [1]

اصل میں اس اعتراض کے پیچھے وہ غلط مفروضہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی قیادت ہنگامی اور اتفاقیہ نہیں بلکہ مستقل اور پروگرام کے تحت تھی۔ جب حضرت عائشہؓ کی قیادت کو ہنگامی اور اتفاقیہ تسلیم کر لیا جائے تو پھر کوئی اشکال نہیں رہتا۔ کیونکہ حصُولِ اقتدار ان کا مقصود نہیں بلکہ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں سے فوراً قصاص لینے پر حضرت علیؓ کو آمادہ کرنا تھا۔

دیکھنے اور سمجھنے کی بات یہ ہے کہ عائشہؓ کی اس وقت اُمتِ محمدیہ میں کیا حیثیت تھی؟ کیا وہ کسی سیاسی پارٹی کی سربراہ تھیں۔ کیا خلافت پر قابض ہونے کا ان کا کوئی پروگرام تھا؟

---

[1] عورت اور مسئلہ امارت۔ خلاصہ۔ ص ۲۲۔ ۲۳۔ ۲۴۔ ۲۵

ظاہر ہے کہ ان کو اُمتِ محمدیہ میں اُمّ المومنین ہونے کی حیثیت میں عزت و احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب اُنہوں نے حضرت عثمانؓ کے قصاص کی بات کی تو بہت سے لوگ ان کا ساتھ دینے پر تیار ہو گئے۔

یہ بھی ایک مسلّہ حقیقت ہے کہ ان کی کوئی سیاسی پارٹی نہ تھی۔ اُور نہ ہی وہ خلافت کے حصول کے لئے کوشاں تھیں۔ اِسی لئے جو کچھ ان سے ہُوا۔ اُور جنگِ جمل کا جو نتیجہ ان کے سامنے آیا تو انہوں نے اس پر افسوس اور ندامت کا اظہار کر دیا۔ لیکن رحمتُ اللہ طارق اور ان کے ساتھی اس حقیقت کو قبُول کرنے کے لئے تیار نہیں، وہ اس پر مُصِر ہیں کہ ٹھیک ہے کہ عائشہؓ کا ایسا پروگرام نہ تھا لیکن تیس ہزار انسانوں نے ان کی قیادت کو تسلیم کیا۔ اگر اس میں کوئی شرعی قباحت ہوتی تو صحابہؓ اور تابعینؒ ان کی قیادت کو قبول نہ کرتے اور اس سے عورت کی امارت وصدارت بھی قابلِ اعتراض نہیں رہتی۔

جس زاویے سے عورت کی سربراہی کی حمایت کرنے والے حضرت عائشہؓ کی ہنگامی اور اتفاقی قیادت کو سیاسی رنگ دینے کی کوشش کر رہے ہیں تو پھر اسی زاویے سے عورت کی سربراہی کی نفی کرنے والی حدیث کی صداقت میں بھی کوئی شک وشُبہ نہیں رہتا اور جو کچھ حضرت ابو بکرہؓ نے کہا تھا وہ صحیح ثابت ہو جاتا ہے کیونکہ اپنے معاملے کو عورت کے سپُرد کرنے والوں کو فلاح حاصل نہ ہوئی۔ اُور جو مشن لے کر مکہ مکرمہ سے نکلے تھے وہ بھی پُورا نہ ہُوا۔ اس سے تو قطعی طور پر ثابت ہو جاتا ہے کہ جب بھی مسلمان اپنا معاملہ عورت کے ہاتھ میں دیں گے تو کامیابی ہرگز نصیب نہ ہوگی۔ جب اُمّ المؤمنین حضرت عائشہؓ جیسی عظیم عورت کو کامیابی حاصل نہ ہوئی تو آج ایک ایسی عورت کو نصیب کیسے ہوگی جو اسلامی تعلیم کو پامال کر رہی ہے۔

لیکن ائمہ حدیث نے حضرت عائشہؓ کی قیادت کو وہ رنگ کبھی نہیں دیا جو آج کے متجدّدین حضرات دینے پر تلے ہوئے ہیں۔

بڑی مفصل بحث کے بعد ثابت کر دیا گیا ہے کہ حضرت عائشہ کی قیادت والا مسئلہ جنگِ جمل کے ساتھ ختم ہو گیا اور صحابہؓ اور تابعینؒ میں سے کسی نے کبھی بھی اس کو اچھالنے کی کوشش نہیں کی۔

رہی بات یہ کہ پچاس ہزار صحابہؓ اور تابعینؒ کو اس روایت کا علم کیوں نہ ہوا جس نے حضرت ابوبکرہؓ کو نفع دیا اور حضرت حسنؓ نے بصرہ میں معرکۃ الآراء لیکچروں میں اس کا ذکر کیوں نہ کیا۔؟

حضرت حسنؓ کے بارے میں جو دعوےٰ کیا گیا ہے وہ سراسر غلط اور بے بنیاد ہے۔ کیوں کہ ایسا کسی بھی تاریخ سے ثابت نہیں ہوتا۔ تاریخ ہمیں یہ ضرور بتاتی ہے کہ حضرت عمارؓ کے ساتھ ان کو کوفہ بھیجا گیا۔ تاکہ اہلِ کوفہ کو حضرت علیؓ کی مدد پر اُبھاریں۔ وہاں بھی زیادہ تر گفتگو حضرت عمارؓ نے کی۔ اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

لیکن یہ بات تو سامنے آئی ہے کہ جناب رحمت اللہ طارق نے اپنی بات کو وزنی کرنے کے لئے دروغ گوئی کا سہارا لینے سے بھی دریغ نہیں کیا اور اس بات کا بھی خیال نہیں کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے کا نام لے کر ناحق بات کہہ رہے ہیں۔

علمِ حدیث سے واقفیت رکھنے والے جانتے ہیں کہ ضروری نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنی گئی ہر حدیث کے بارے میں ہر صحابی اور تابعی باخبر ہو۔ کیوں کہ بہت سی ایسی احادیث ہیں کہ جن کے بارے میں ایک ہی صحابی کو علم تھا اور اس نے کسی خاص موقع پر اس کا ذکر کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ مبارک کے بارے میں حدیث

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہو کر آپ کو آپ کے گھر میں جب چارپائی پر رکھا گیا تو آپؐ کو دفنانے کے بارے میں مسلمانوں میں اختلاف ہو گیا۔ کسی کہنے والے نے کہا، کہ ہم آپؐ کو آپؐ کی مسجد میں دفن کریں گے۔ دوسرے نے کہا کہ ہم آپؐ کو آپؐ کے صحابہؓ کے ساتھ

دفنائیں گے۔ حضرت ابوبکر الصدیقؓ نے کہا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے سُنا۔

ما قبض نبی الا دفن حیث یقبض۔ "کہ نبی علیہ السلام کو اسی جگہ دفن کیا جاتا ہے جہاں اس کی رُوح قبض کی جاتی ہے۔"

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس بستر مُبارک کو اٹھایا گیا۔ جس میں آپ کی رُوح قبض کی گئی تھی۔ اور اس کے نیچے آپ کی قبر مُبارک کھودی گئی [۱]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ جنازہ کے بارے میں منقول ہے کہ لوگ آپ کی میّت مبارک کے پاس آتے اور نمازِ جنازہ پڑھتے۔ پہلے جماعت در جماعت مرد داخل ہوتے رہے۔ ان کے بعد عورتیں پھر ان کے بعد بچّے داخل ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑھی گئی نماز میں کوئی امام نہ بنایا گیا [۲] اس کی پُوری تفصیل میری کتاب "جنازے کے مسائل" [۳] میں دیکھی جا سکتی ہے۔

حضرت ابوبکر الصدیقؓ کی روایت کردہ حدیث اگر صحابہؓ میں مشہور ہوتی تو ان کے درمیان اختلاف نہ ہوتا۔ جناب رحمت اللہ طارق جیسا کوئی "رُوشن خیال" وہاں اس وقت موجود ہوتا، تو وہ اعتراض کر سکتا تھا کہ حضرت ابوبکر الصدیقؓ کے علاوہ کسی اور کو یہ حدیث معلوم کیوں نہیں؟ لیکن صحابہؓ کے سامنے جب آپ کا ارشاد مبارک سُنایا گیا۔ تو اختلاف فوراً ختم ہو گیا۔

خلافت کے بارے میں حدیث

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد انصار کے ذہنوں

---

[۱] سیرت ابن ہشام جلد ۲ ص ۶۶۳۔ تاریخ طبری جلد ۲ الجزء ۳ ص ۲۰۵۔ طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۲۹۲-۲۹۳۔

[۲] طبقات ابن سعد۔ جلد ۲ ص ۲۸۸۔ ۲۸۹۔ [۳] شائع کردہ۔ دار الدعوۃ السلفیہ شیش محل روڈ۔ لاہور

میں یہ خیال آیا۔ چونکہ ہم نے رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی اس وقت مدد کی جب ان کا کوئی ساتھ دینے کو تیار نہ تھا۔ لہٰذا آپ کے بعد خلافت ہمارا حق ہے۔ لیکن جب ابوبکر الصّدیقؓ ان کو سمجھانے کے لئے ان کے پاس گئے۔ تو ان میں سے کسی نے یہ کہا کہ ایک امیر ہم میں سے ہوگا اور ایک امیر تم میں سے۔

اِس موقع پر بھی حضرت ابُوبکر الصّدّیقؓ نے رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ایک ارشاد مبارک سُنایا۔ جس سے معاملہ طے ہوگیا۔

انصار کا پروگرام تھا کہ حضرت سعد بن عُبادہ کو امیر بنایا جائے۔ چنانچہ حضرت ابُوبکر الصّدّیقؓ نے انہی سے مخاطب ہوکر کہا:۔

لقد علمت یا سعد ان	" اے سعدؓ! آپ جانتے ہیں کہ جب
رسول الله صلّی الله علیہ وسلّم	آپ بیٹھے ہُوئے تھے تو رسول اللہ صلّی اللہ
قال وانت قاعد قریش ولاة	علیہ وسلّم نے فرمایا اس خلافت کے والی قریش
هذا الامر فبر الناس تبع	ہوں گے پس نیک لوگوں کی اتباع نیک اور
لبرهم وفاجرهم تبع	بُرے لوگوں کی اتباع بُرے لوگ
لفاجرهم قال فقال له سعد	کریں گے۔ سعدؓ نے کہا، آپ نے
صدقت نحن الوزراء وانتم	سچ کہا۔ آپ امیر ہوں گے۔ اور ہم وزیر
الامراء [1]	ہوں گے "

اگر یہ حدیث پہلے مشہور ہوتی تو انصار کے ذہنوں میں کبھی یہ بات نہ آتی کہ خلافت ہمارا حق ہے یا ایک امیر ہم میں سے اور ایک امیر مہاجرین قریش میں سے ہوگا۔ آج کل کے تجدد زدہ اگر اس وقت

---

[1] مسند احمد۔ جلد ا ص ۵۔ البدایۃ والنّہایۃ ؛ جلد ۵۔ ص ۲۴۷

مدینہ میں موجود ہوتی تو نتیجہ کیا ہوتا؟

حضرت عمر فاروقؓ کا شام سے لوٹنا

سنہ ۱۷ھ میں حضرت عمر فاروقؓ مہاجرین اور انصار کے ساتھ شام تشریف لے جاتے ہیں۔ سرغ کے مقام پر اسلامی لشکروں کے جرنیل حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح۔ حضرت یزیدؓ بن ابی سفیانؓ اور حضرت شرجیلؓ بن حسنہ ان کا استقبال کرتے ہوئے امیرالمؤمنین کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ اس جگہ بیماری پھیلی ہوئی ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ نے مہاجرین اوّلین کو جمع کر کے ان سے مشورہ کیا تو ان میں سے کسی نے کہا کہ آپ اللہ تعالیٰ کی رضا اور حصولِ ثواب کی خاطر نکلے ہیں۔ اس لئے ہماری رائے میں کسی بیماری کو اس میں رکاوٹ نہیں بننا چاہیئے۔ کسی نے کہا کہ ہمارے خیال میں یہ بیماری اور ہلاکت ہے۔ اس لیے آپ کو واپس لوٹ جانا چاہیئے۔ ان میں جب اختلاف ہوا تو امیرالمؤمنین نے حکم دیا کہ انصار کو جمع کیا جائے۔ جب وہ سب حاضر ہوگئے تو ان میں بھی مہاجرین جیسا اختلاف ہوگیا۔ امیرالمؤمنین نے پھر فتح مکہ کے مہاجرین کو جمع کر کے مشورہ کیا تو ان کے دو شخصوں نے بھی آپس میں اختلاف نہ کیا اور سب نے رائے دی کہ امیرالمؤمنین کو واپس چلے جانا چاہیئے۔

حضرت ابن عباسؓ کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ لوگوں میں اعلان کر دیں کہ امیرالمؤمنین واپس جا رہے ہیں۔ جب صبح ہوئی تو امیرالمؤمنین نے فرمایا۔

اے لوگو! ہم واپس جا رہے ہیں۔ تم بھی واپس چلو۔

حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح نے کہا۔ کیا آپ اللہ کی تقدیر سے بھاگ رہے ہیں؟ حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا۔ ہاں۔ ہم اللہ کی تقدیر سے بھاگ کر اللہ کی تقدیر کی طرف جا رہے ہیں پھر وضاحت

کے طور پر فرمایا کہ کوئی شخص ایسی وادی میں اترے کہ اس کے دو کنارے ہوں۔ ایک سرسبز اور دوسرا خشک ہو۔ جو خشک کنارے پر چرتا ہے تو وہ اللہ کی تقدیر ہے۔ اور جو سرسبز کنارے پر چرتا ہے تو وہ بھی اللہ کی تقدیر ہے۔ پھر انہوں نے کہا۔ اے ابو عبیدہؓ کاش یہ بات آپ کے علاوہ کسی اور نے کہی ہوتی ہاں اس کے بعد حضرت ابو عبیدہؓ کو لے کر ایک طرف ہو گئے۔ جب لوگ اسی حال میں تھے تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ آ گئے۔ وہ لوگوں سے پیچھے رہ گئے تھے اور کل والی کسی مجلس میں حاضر نہ ہوئے تھے۔ انہوں نے لوگوں سے پوچھا۔ کیا بات ہے؟ جب انہیں تمام حال بتایا گیا۔ تو انہوں نے کہا کہ اس بارے میں میرے پاس علم ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا۔ آپ ہمارے نزدیک امین اور صادق ہیں۔ جو آپ کے پاس علم ہے اس سے ہمیں بھی آگاہ کریں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے کہا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا۔

أذا سمعتم بهذا الوباء	"جب تم سنو کہ یہ وبا کسی شہر میں ہے تو
ببلد فلا تقدموا عليه و	وہاں مت جاؤ اور جب تم کسی شہر میں ہو
اذا وقع وانتم به فلا	اور وہاں وبا واقع ہو جائے تو پھر وہاں سے
تخرجوا فرارا منه فلا	بھاگ کر نہ نکلو۔ اور تمہارے نکلنے کا صرف
يخرجنكم الا ذلك۔	وہ سبب نہ ہو"

حضرت عمر فاروقؓ نے یہ حدیث سن کر اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کی اور فرمایا۔

اے لوگو! واپس چلے چلو۔ پس وہ ان کو لے کر واپس لوٹ آئے۔

عبداللہ بن عامر بن ربیعہ اور سالم بن عبداللہ بن عمرؓ دونوں کا کہنا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف سے حدیث سن کر لوگوں کو لے کر واپس پلٹے [1]

---

[1] تاریخ طبری جلد ۲ الجزء ۴ ص ۱۹۰-۲۰۰۔ صحیح البخاری باب ما یذکر فی الطاعون: ص ۸۵۳

اس واقعہ سے بھی عیاں ہوا کہ طاعون کے بارے میں جو حدیث حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے شام میں سنائی۔ وہ مہاجرین اوّلین، انصار اور مہاجرین فتح مکّہ میں سے کسی کو بھی معلوم نہ تھی۔ ظاہر ہے کہ اگر ہوتی تو اختلاف تک نوبت نہ پہنچتی۔

مجوس سے جزیہ لینا

حضرت عمر فاروقؓ مجوس سے جزیہ وصول کرنے کے بارے میں کچھ متردد تھے۔ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی واضح راہنمائی ان کے علم میں نہ تھی۔ لیکن جب حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے یہ گواہی دے دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجر کے مجوس سے جزیہ وصول کیا تھا تو انہوں نے مجوس سے جزیہ وصول کیا[1]

یہ بھی منقول ہے کہ انہوں نے کہا تھا۔ مجھے معلوم نہیں کہ مجوس کے بارے میں کیا کروں؟ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے کہا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے سُنا کہ ان کے ساتھ اہلِ کتاب والا معاملہ کرو[2]

حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں صحابہؓ کی کتنی بڑی تعداد موجود تھی، لیکن جزیہ جیسے اہم مسئلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث بیان کرنے والے صرف حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف تھے۔ اور بلا تردّد حضرت عمر فاروقؓ نے ان کی سُنائی ہوئی حدیث کو قبول کر لیا۔

احادیث کی کتابوں میں بہت سی احادیث ایسی ہیں کہ جن کے راوی ایک ہی صحابی ہیں۔ لہٰذا

---

[1] سُنن الدارقطنی، جلد۲ ص ۱۵۵۔ کنز العمال، جلد۴، ص ۵۰۲۔

[2] موطا امام مالک۔ جلد ۱ ص ۲۰۷۔ السنن الکبریٰ، جلد ۹ ص ۱۸۹۔

جناب رحمت اللہ طارق اور رفیع اللہ شہاب صاحب کو احادیث پر اعتراض کرتے ہوئے یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے ائمہ حدیث اور خاص کر امام بخاریؒ کو علم حدیث کی جو سمجھ عطا فرمائی تھی۔ اس کی وجہ سے وہ اُمتِ محمدیہ میں ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔ اعتراض کرنے کو تو ہر شخص جب چاہے، جیسا چاہے کر سکتا ہے۔ ان لوگوں نے تو چند احادیث کو عورت کی سربراہی کے سلسلے میں ٹھکرایا ہے۔ پاکستان میں ایسے بھی ہیں جو صرف قرآن کے علاوہ کسی اور چیز کو قبول کرنے پر تیار نہیں۔ وہ بھی ہیں جو قرآن کا انکار کرنے کے ساتھ اسلام کی ساری تعلیم کو فرسودہ قرار دیتے ہیں۔ ایسے ہی ایک شخص کا شعر ہے:

سب رسولوں کی کتابوں کو تاک پر رکھ دو فراز
نفرت کے ان صحیفوں کو عمر بھر دیکھے گا کون[1]

ایسے شخص پر گرفت کرنے کی بجائے اس کو انتہائی اہم اور علمی ادارے "اکادمی ادبیات پاکستان" کا ڈائرکٹر بنا دیا گیا ہے۔ اس سے بڑھ کر اسلام کے ساتھ مذاق اور کیا ہو سکتا ہے؟

حضرت عائشہؓ سے حضرت ابو بکرہؓ کی ملاقات

جناب رحمت اللہ طارق اور رفیع اللہ شہاب جیسے حضرات نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی حضرت ابو بکرہؓ کی توہین و تذلیل میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی۔ لیکن حضرت عائشہ صدیقہؓ کے نزدیک وہ اس قدر قابلِ احترام تھے کہ بصرہ پہنچ کر انہوں نے ان کو بلایا اور ان سے تعاون چاہا۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے نقل کیا ہے۔

ان عائشۃ ارسلت الی ابی بکرۃ — بے شک عائشہؓ نے ابو بکرہؓ کو پیغام بھیج کر بلایا

---

[1] نوائے وقت خصوصی اشاعت ۱۸ مئی ۱۹۸۹ء

فقال انك لام وان حقك	(ابوبکرہؓ) نے کہا. بلاشک آپ ماں ہیں اور
لعظیم ولکن سمعت رسول اللہ	آپ کا حق بہت زیادہ ہے لیکن میں نے رسول اللہ صلی اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم یقول	علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے سُنا کہ وہ قوم کبھی فلاح نہیں
لن یفلح قوم تملکھو امرأۃ [1]	پائے گی جس کی والی عورت بن جائے گی۔"

اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ کی خواہش تھی کہ حضرت ابوبکرہؓ بھی حضرت عثمانؓ کے قصاص کے بارے میں ان کا ساتھ دیں۔ حالانکہ ان کو بھی معلوم تھا کہ یہ وہی حضرت ابوبکرہؓ ہیں کہ جن پر حدِ قذف لگی تھی۔ جب اُمّ المؤمنینؓ کی طرف سے ان کو پیغام ملا تو وہ فوراً ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور انتہائی اَدب واحترام کے ساتھ اُمّت کی ماں ہونے کے ناطے جو ان کا حق تھا۔ اس کا اعتراف کیا۔ لیکن جب دیکھا کہ امّاں جان وہ کام کر رہی ہیں جو ان کے منصب کے مطابق نہ تھا اور جس کی قرآن و سنّت میں ان کے لئے اجازت نہ تھی۔ تو انہوں نے امّاں جان کی خدمت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک پیش کر دیا۔ کسی بھی حدیث یا تاریخ میں منقول نہیں کہ حضرت عائشہؓ نے حضرت ابوبکرہ کو جھٹلایا یا ان کی بات کا بُرا منایا۔ اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت ابوبکرہؓ والی روایت ہر قسم کے شک وشبہ سے محفوظ ہے۔ کیونکہ اگر کوئی ایسی بات ہوتی تو حافظ ابن حجرؒ اس کا ضرور ذکر کرتے۔

مشہور نہ ہونے کی وجہ

رہی بات کہ حدیث اگر صحیح تھی تو مشہور کیوں نہ ہوئی؟ اس کا سیدھا سادہ سا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک سے لے کر جنگِ جمل تک کوئی ایسا واقعہ پیش نہ آیا کہ جس میں اس

---

[1] فتح الباری۔ کتاب الفتن۔ جلد ۱۳، ص ۵۶۔

حدیث کے بیان کرنے کی ضرورت پیش آتی لیکن جیسے ہی جنگِ جمل کے موقع پر حضرت ابوبکرہؓ نے مسلمانوں کی ایک جماعت کی قیادت حضرت عائشہؓ کے ہاتھ میں دیکھی تو ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوئی حدیث یاد آگئی۔ چنانچہ حضرت ابوبکرہؓ کے اپنے الفاظ ہیں۔

فلمّا قدمت عائشۃ ذکرت ذلک فعصمنی اللہ [1]

"حضرت عائشہؓ جب (بصرہ) آئیں تو مجھے وہ یاد آگیا (جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا) پس اللہ نے مجھے بچا لیا۔"

ان الفاظ سے پہلے حافظ ابن حجرؒ عسقلانی نے یہ بھی نقل کیا ہے۔

عصمنی اللہ بشئ سمعتہ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

"اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کے ذریعے بچا لیا۔ جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا"۔

اس حدیث پاک کی بعینہٖ وہی صورت ہے جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک، قریش میں خلافت، طاعون کی وبا کے بارے میں ہدایت اور مجوس سے جزیہ وصول کرنے والی احادیث کی ہے یعنی ان کے بیان ہونے سے پہلے وہ بھی مشہور نہ تھیں۔

پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ حضرت زبیرؓ کو عین جنگ جمل کے موقع پر حضرت علیؓ نے وہ حدیث سنائی جو ان کے ذہن سے نکل چکی تھی۔ لیکن جیسے انہوں نے حدیث سنی تو لڑائی کا ارادہ ترک کر کے میدان چھوڑ دیا۔ حالانکہ حضرت عائشہؓ کو بصرہ لانے میں انہوں نے مرکزی کردار ادا کیا تھا۔

لہٰذا یہ استدلال درست نہیں کہ جو حدیث مشہور نہ ہو وہ قابلِ حجت نہیں ہو سکتی۔ صحیح بخاری میں عورت کی سربراہی کی نفی کرنے والی حدیث تو ایسی ہے کہ ائمہ حدیث و تفسیر و فقہ میں سے کسی ایک نے

---

[1] فتح الباری: جلد ۱۳ ص ۵۶

اس کا انکار نہیں کیا۔ بلکہ سیرت، تفاسیر، احادیث، تاریخ اور فقہ کی کئی کتابوں میں اسی حدیث کے حوالے سے عورت کی سربراہی یا اس کے قاضی بنائے جانے کی نفی کی گئی ہے۔

۱۔ تفسیر ابن کثیر۔ جلد۱۔ ص ۴۹۱

۲۔ تفسیر روح المعانی، پ ۱۹۔ ص ۱۷۱۔

۳۔ تفسیر الخازن، جلد۳۔ ص ۴۰۸۔

۴۔ تفسیر المظہری، جلد ۷، ص ۱۱۰۔

۵۔ احسن التفاسیر، جلد۵۔ ص ۵۶

۶۔ تفسیر مواہب الرحمٰن، پ ۱۹۔ ص ۲۳۰۔ پ ۵۔ ص ۴۲۔

۷۔ تفسیر ماجدی، پ ۱۹۔ ص ۷۶۶

۸۔ سیرت حلبیہ، جلد۳۔ ص ۲۹۳۔

۹۔ جامع الترمذی، جلد۲۔ ص ۶۱

۱۰۔ سنن النسائیؒ، جلد۲۔ ص ۳۰۱

۱۱۔ مسند احمد، جلد۲۔ ص ۳۸۔ ۴۳۔ ۴۷۔

۱۲۔ جامع الاصول، جلد۴۔ ص ۴۹۔

۱۳۔ المغنی لابن قدامۃ، جلد ۹۔ ص ۳۹۔

۱۴۔ المیزان الکبریٰ، جلد ۲۔ ص ۱۸۹۔

۱۵۔ المعارف لابن قتیبہ، ص ۲۹۳

۱۶۔ المستدرک، جلد۲۔ ص ۲۹۱۔ ۵۲۵۔

۱۷۔ تاریخ الخمیس، جلد۱۔ ص ۲۴۵

۱۸۔ فتح القدیر، جلد ۶۔ ص ۳۹۱۔

۱۹۔ فتاوی الشامی الجزء الرابع، حاشیہ ص ۲۷۰

۲۰۔ کنز العمال، جلد ۶۔ ص ۲۳۔ ۷۹۔

۲۱۔ الاحکام السلطانیہ۔ ص ۲۷۔

۲۲۔ تفسیر ترجمان القرآن، پ ۵۔ ص ۶۴۲۔

۲۳۔ جمع الفوائد، جلد ۱۔ ص ۴۴۵۔

۲۴۔ الجامع الصغیر، جلد ۲۔ ص ۱۲۷۔

۲۵۔ نیل الاوطار۔ جلد ۸۔ ص ۲۸۳۔

۲۶۔ سبل السلام۔ جلد ۴۔ ص ۱۲۳۔

۲۷۔ مشکوٰۃ المصابیح۔ ص ۳۲۱

۲۸۔ مرقاۃ، جلد ۷ ص ۲۱۵۔

۲۹۔ کشف الخفاء۔ جلد ۲۔ ص ۱۵۰۔ ۱۵۱۔

۳۰۔ حجۃ اللہ البالغۃ، جلد ۲۔ ص ۱۳۷۔

۳۱۔ جمع الجوامع (قلمی نسخہ)

مذکورہ کتب کے عالی مرتبہ مصنّفین کو اگر حضرت ابوبکرہؓ سے مروی روایت میں کوئی عیب نظر آتا تو وہ ضرور اس کی نشاندہی کرتے لیکن انہوں نے وہی بات نقل کی ہے جو آج کل کے روشن خیال حضرات کو قابلِ قبول نہیں۔

حضرت الحسن البصری رحمۃ اللہ علیہ

اہلِ سُنّت کے نزدیک اتنا ہی کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرما دیا ہے کہ مرد عورتوں پر حاکم ہیں اور رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ارشادِ مبارک ہے کہ جو قوم اپنا معاملہ عورت کے ہاتھ میں دے گی وہ کبھی فلاح نہیں پائے گی۔ اس کے بعد کسی اور دلیل کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں رہتی۔ لیکن اس کتاب میں بتانا اور دکھانا مقصود یہ ہے کہ "روشن خیال" حضرات اپنے مطلب کی بات کو کس طرح کرتے ہیں۔ اور ایسا کرتے ہوئے کذب و دجل اور خیانت کے مرتکب ہونے میں ذرا سی شرم محسوس نہیں کرتے۔

حضرت حسن بصریؒ کے بارے میں ائمہ حدیث و رجال نے جو تعریفی کلمات لکھے ہیں اور ان کے جو مناقب بیان کئے اور ان کے ثقہ ہونے کے بارے میں جو کچھ نقل کیا ہے۔ "روشن خیال" حضرات نے کمال چابکدستی کے ساتھ وہ سب گول کر دیا ہے اور اپنے مطلب کی بات کو یوں پیش کیا ہے۔

جناب عوف کے اُستاد اور تابعین کے مشہور پیرِ طریقت حسن ابن ابی الحسن البصری (متوفی ۱۱۰ھ) جو کہ اس سند کے دوسرے اہم راوی ہیں۔ بایں جلالتِ شان احادیث نبوی میں بدترین قسم کا تصرّف کرنے کے عادی تھے۔ علامہ خزرجی (متوفی ۱۵۱۷ء) نے لکھا ہے کہ یہ شخص صحابہ کرامؓ کی بھاری جمعیت سے یونہی مرسل روایتیں بیان کیا کرتا تھا اور ابن سعد نے لکھا ہے کہ حسن بصریؒ نے جس روایت کو مرسل انداز سے روایت کیا ہو تو وہ ناقابلِ حجّت ہے۔

علامہ خزرجی اور ابن سعد وغیرہ کی تصریحات سے واضح ہوا کہ حسن بصریؒ منقطع اور مرسل روایتیں بیان کرنے کا عادی تھا۔ وھو المطلوب۔ (یعنی یہی ہمارا مطلوب ہے)

خزرجی کے حوالے سے یہ بھی فرمایا ہے کہ جندبؓ، انسؓ، عبدالرحمٰنؓ بن مغیرہ۔ ابوبکرہؓ۔ معقل بن یسارؓ۔ ابوہریرہؓ اور سمرہؓ رضی اللہ عنہم سے حضرت حسن بصریؒ کی روایت ثابت نہیں۔ جب حسن بصریؒ

کی روایت ابوبکرہؓ سے ثابت ہی نہیں ہے تو ہم کیونکر باور کریں کہ عورت کی سربراہی میں تباہی کا تخیل عام کرنے یا جنم دینے کے ذمہ دار تنہا حضرت ابوبکرہؓ ہی ہو سکتے ہیں۔ یہ تو ہوا حدیث کے منقطع ہونے کا سبب۔ جسے مربوط کر دکھلانا جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہے۔ اگر منقطع نہ بھی تسلیم کیا جائے تو بھی تدلیس بجائے خود اتنا بڑا عیب ہے جو ایک مضبوط روایت کا دھڑن تختہ کر دینے کے لئے کافی ہے [۱]

جناب رحمت اللہ طارق کی مذکورہ عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ عورت کی سربراہی کی نفی کرنے والی حدیث کے راوی حضرت ابوبکرہؓ اور ان کے شاگرد حسن بصریؒ کے درمیان حدیث سننے سنانے کا کوئی رابطہ نہیں تھا۔ اس لئے یہ روایت قابلِ حجت نہیں، اگر ربط ثابت بھی ہو جائے۔ تو حضرت حسنؒ مدلس تھے۔ اس لئے پھر بھی ان کی روایت پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

امام بخاریؒ کی حدیث کو قبول کرنے کی شرط

تمام محدثینِ اُمت کا اس پر اجماع ہے کہ قرآن حکیم کے بعد اصح ترین کتاب صحیح بخاری ہے اور اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ امام بخاریؒ نے صرف ان احادیث کو الجامع الصحیح میں نقل کیا ہے کہ جن کے متون اور اسناد کی صحت میں کوئی کلام نہ تھا۔ ان کا معمول تھا کہ ہر حدیث کے راویوں کو دیکھا کرتے تھے، کہ ہمعصر ہونے کے ساتھ اُستاد اور شاگرد کی ملاقات بھی ہوئی ہے کہ نہیں۔ یعنی جس تابعی کی صحابیؓ سے روایت کے ساتھ ملاقات ثابت نہ تھی۔ اس تابعی کی روایت کو انہوں نے قبول نہیں کیا۔ اسی طرح تابعی کے پیچھے آخری راوی تک اس سلسلے کو انہوں نے اپنی الجامع الصحیح کے لئے معیار بنانا تھا جو کسی اور محدث نے اپنی کسی بھی کتاب کے لئے نہیں اپنایا۔ اس خصوصیت کی بنا پر صحیح بخاری کو قرآن کے

---

[۱] ماخوذ از: عورت اور مسئلہ امارت: ص ۳۰-۳۱۔

بعد سب کتابوں پر فوقیت حاصل ہے۔

"روشن خیال" حضرات بھول جاتے ہیں کہ امام بخاریؒ اسماء الرجال اور جرح و تعدیل کے فن میں انتہائی بلند پایہ امام تھے۔ انہوں نے تحقیقی طور پر تاریخ کبیر اور کتاب الضعفاء لکھ کر اس فن کی بنیاد رکھی تھی۔ لہٰذا صحیح بخاری کی کسی حدیث کے راویوں پر اعتراض کرتے ہوئے یہ خیال کرنا کہ امام بخاریؒ اس سے ناواقف تھے تو یہ انتہائی ناسمجھی کی دلیل ہے۔ اگر عورت کی سربراہی کی نفی کرنے والی روایت میں کسی قسم کا سقم یا ضعف ہوتا تو وہ کبھی بھی صحیح بخاری کا حصہ نہیں بن سکتی تھی۔

جناب رحمت اللہ طارق اور رفیع اللہ شہاب نے حضرت ابوبکرہؓ سے مروی روایت کے سب راویوں کو ضعیف ثابت کرنے کا دعویٰ کر دیا ہے۔ رحمت اللہ طارق نے انقطاع کو دور کرنے کو جوئے شیر لانے کے مترادف قرار دے دیا۔

علامہ خزرجی کے حوالے سے اعلان کر دیا ہے کہ حضرت ابوبکرہؓ اور ان کے شاگرد حضرت حسن بصریؒ کی آپس میں ملاقات ثابت نہیں۔ حالانکہ امام بخاریؒ نے الجامع الصحیح میں ہی واضح کر دیا ہے کہ استاد شاگرد دونوں کی آپس میں ملاقات ہوئی تھی۔

چنانچہ صحیح بخاری میں منقول ہے:۔

حدثنا صدقة انا ابن	"ہم سے صدقہ نے بیان کیا اس نے
عيينة ثنا ابوموسى عن	کہا کہ ہمیں ابن عیینہ نے خبر دی کہ ہم سے ابوموسیٰ
الحسن انه سمع ابا بكرة	نے حسن بصری کے حوالے سے بیان کیا کہ انہوں
سمعت النبي صلى الله عليه وسلم	نے حضرت ابوبکرہؓ سے سنا انہوں نے رسول اللہ
على المنبر والحسن الى جنبه	صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر مبارک پر ارشاد فرماتے سنا
ينظر الى الناس مرة و	اس حال میں کہ حضرت حسنؓ ان کے پہلو میں بیٹھے ہوئے

الیہ مرۃ و یقول ابنی	تھے کبھی آپ لوگوں کی طرف دیکھتے اور کبھی حضرت حسنؓ
ھذا سید و لعل اللہ	کی طرف پھر آپ نے فرمایا میرا یہ بیٹا سردار ہے۔ شاید
ان یصلح بہ بین	اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی دو جماعتوں کے درمیان
فئتین من المسلمین [1]	اس کے ذریعے صلح کرا دے۔"

امام بخاریؒ نے اس روایت کو تھوڑے سے اضافے کے ساتھ کتاب الفتن اور کتاب الصلح میں بھی نقل کیا ہے اور کتاب الصلح والی روایت کے آخر میں ان سے منقول ہے۔

قال لی علی بن عبد اللہ	"مجھ سے علی بن عبداللہ (ابن المدینی)
انما ثبت لنا سماع الحسن	نے کہا کہ ہمارے لئے بلاشک وشبہ
من ابی بکرۃ بھذا	اس حدیث سے حسن بصریؒ کا حضرت ابوبکرہؓ
الحدیث۔	سے سماع ثابت ہو گیا ہے۔"

کتاب الصلح والی روایت سے ابوموسیٰ اور حسن بصریؒ کے درمیان بھی ملاقات ثابت ہو جاتی ہے۔ جب ابوموسیٰ کہتے ہیں۔ سمعت الحسن یعنی میں نے حسنؒ کو سنا۔ الجامع الصحیح کی کسی سند پر وہی شخص اعتراض کر سکتا ہے جو امام بخاریؒ کے معیار سے واقف نہیں۔ امام بخاریؒ کی یہ بھی خوبی ہے کہ جب ایک روایت کو مختلف بابوں کے تحت نقل کرتے ہیں تو عموماً ہر سند میں ایک دو نئے راوی بھی لاتے ہیں۔ علامہ ابن خلدون نے ایسے ہی نہیں لکھ دیا تھا کہ بخاری کا درجہ بہت بلند ہے۔ اسی لئے علماء اس کی شرح بہت مشکل سے سمجھتے ہیں۔ اور اس کی مراد تک پہنچنا دشوار جانتے ہیں۔ کیونکہ اس کی گہرائیوں

---

[1] صحیح البخاری: کتاب المناقب: ص ۵۳۰۔ کتاب الفتن: ص ۱۰۵۲۔ کتاب الصلح: ص ۳۷۲۔ ۳۷۳۔

ایضاً مسند احمد جلد ۵ ص ۳۷۔

تک پہنچنے کے لئے حدیث کے متعدد طرق اور ان کے راویوں کے بارے میں عبور حاصل کرنا پڑتا ہے[1]

"روشن خیال" حضرات آج تک ایک بھی ایسی روایت پیش نہیں کرسکے کہ جس سے ظاہر ہوتا ہو۔ کہ صحیح بخاری کے شارحین میں سے کسی ایک نے حضرت ابوبکرہؓ والی روایت پر اعتراض کیا ہو۔ پاکستان کے لوگوں کو اُلجھانے کی کوشش میں اُنہوں نے ہر وہ حربہ استعمال کیا ہے جو کہ شاید غیر مسلموں نے بھی کبھی نہ کیا ہو۔

حضرت حسن بصریؒ کا محدثین کے نزدیک مرتبہ

بڑے زور کا دعویٰ تھا کہ حضرت ابوبکرہؓ اور حضرت حسن بصریؒ کے درمیان ملاقات اور سماع ثابت نہیں لیکن امام بخاریؒ کے اپنے الفاظ میں اس کا رد کردیا گیا ہے۔ چونکہ خزرجی اور ابن سعد کا خاص طور پر حوالہ دے کر اشکال پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ لہٰذا مناسب ہوگا کہ دونوں بزرگوں نے حضرت حسن بصریؒ کی مدح میں جو کچھ لکھا ہے اس کی بھی ایک جھلک پیش کردی جائے تاکہ معلوم ہوسکے کہ اپنے مطلب کا ایک جملہ لے کر باقی کو چھوڑ کر بدترین علمی خیانت کا مظاہرہ کیا گیا ہے۔

علامہ خزرجیؒ نے حضرت حسن بصریؒ کے بارے میں ابن سعدؒ کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

کان عالما جامعا رفیعا	"وہ عالم، جامع، رفیع، ثقہ، مامون، متقی،
ثقة مامونا ناسکا کثیر	بہت زیادہ علم والے فصیح اور حسین و
العلم فصیحا جمیلا وسیما	جمیل تھے۔ جب وہ مرسلا روایت کریں
ما ارسلہ لیس بحجة[2]	تو وہ حجت نہیں۔"

---

[1] ابن خلدون: جلد۱ ص ۴۴۳۔

[2] خلاصة تذهیب ـ تهذیب الکمال: جلد۱ ص ۲۱۰ ـ تذکرة الحفاظ: جلد۱ ص ۷۱ ـ البدایة والنهایة: جلد۹ ـ ص ۲۶۷

ابن سعد کی اصل عبارت میں عالیا فقیہا عابداً کے بھی الفاظ موجود ہیں [۱]

مرسل سے مراد وہ روایت ہے جو تابعی اپنے اُستاذ صحابی کا واسطہ چھوڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرے۔ اس پر بحث انشاء اللہ تعالیٰ تدلیس کے عنوان کے تحت ہوگی۔ لیکن یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ حضرت حسن بصریؒ کے بارے میں تعریفی کلمات کو جان بوجھ کر چھوڑ دینا اور اپنے مطلب کی بات کو اپنا لینا یہ کیسی ایمانداری ہے ؟۔

جہاں تک مرسل روایت کے حجت نہ ہونے کا تعلق ہے تو عورت کی سربراہی کی نفی کرنے والی روایت نہ تو مرسل ہے اور نہ ہی اس میں تدلیس کا شائبہ موجود ہے کیونکہ حضرت حسن بصریؒ نے حضرت ابوبکرہؓ کے واسطے سے اپنے شاگردوں تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک کو پہنچایا ہے اور حضرت حسن بصریؒ کا اپنے اُستاد حضرت ابوبکرہؓ سے سماع صحیح بخاری میں ثابت ہے۔

علامہ خزرجیؒ نے یہ بھی نقل کیا ہے :۔

قال ابوزرعة كل شئ قال الحسن قال رسول الله صلى الله عليه وسلم وجدت له اصلا مليا خلا اربعة احاديث [۲]	"امام ابوزرعہؒ نے کہا کہ حسن بصریؒ نے جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا ۔ میں نے چار حدیثوں کے علاوہ اس کی اصل کو ثابت پایا ۔"

حافظ ابن حجر عسقلانی نے "ملیا" کی بجائے "ثابتا" نقل کیا ہے [۳]

---

[۱] الطبقات الکبریٰ ، جلد ۷ ص ۱۵۷ ۔

[۲] خلاصۃ تذہیب تذہیب الکمال ، جلد ۱ ص ۲۱۱ ۔

[۳] تہذیب التہذیب : جلد ۲ ص ۲۶۶ ۔

اسی لئے ان کی تدلیس کے باوجود ان کو ثقہ کہا جاتا تھا۔ محدثین میں سے کسی نے ان کو منکر الحدیث متروک، کذّاب، مجہول اور لیس بالقوی نہیں کہا۔

ابن سعد کی روایت ہے کہ حضرت حسن بصریؒ کی پیدائش حضرت عمر فاروقؓ کی شہادت سے دو سال پہلے مدینہ طیبہ میں ہوئی۔ ان کی والدہ اُمّ المؤمنین حضرت اُمّ سلمہؓ کی آزاد کردہ لونڈی تھیں اور وہ اکثر ان کو چھوڑ کر کام کاج کے لئے چلی جاتی تھیں۔ بچہ جب روتا تو حضرت اُمّ سلمہؓ بچے کو چپ کرانے کے لئے اپنا پستان اُس کے منہ میں دے دیتیں۔ اللہ کی قدرت سے دُودھ اُتر آتا اور بچہ پیٹ بھر کر پی لیتا۔ لوگوں کا خیال ہے کہ ان کی حکمت و فصاحت اسی دُودھ کی برکت کا نتیجہ تھی [۱]

ابن سعد سے مروی ہے کہ حضرت حسن بصریؒ مکہ مکرمہ تشریف لائے تو ان کو ایک چارپائی پر بٹھایا گیا۔ اور ان کے پاس لوگ جمع ہو گئے۔ جن میں مجاہد، عطاء، طاؤس اور عمرو بن شعیب جیسی شخصیتیں بھی موجود تھیں۔ پس حسن بصریؒ نے لوگوں کو احادیث سُنائیں۔ ان سب نے کہا یا ان میں سے بعض نے کہا۔

لم نر مثل هذا قط [۲] "ہم نے اس کی مثل کسی کو نہیں دیکھا"

یزید رشک سے مروی ہے۔

كان للحسن على القضاء [۳] "کہ حسن عہدہ قضا پر مامور تھے"

حمید بن ہلال کا کہنا ہے کہ ہم سے ابو قتادہ نے کہا کہ اس شیخ یعنی الحسن بن ابی الحسنؒ سے چمٹ جاؤ۔

---

[۱] الطبقات الکبریٰ: جلد ۷، ص ۱۵۷، المعارف لابن قتیبۃ ص ۱۹۵۔ البدایۃ والنہایۃ جلد ۹ ص ۲۶۶ وفیات الاعیان جلد ۲ ص ۶۹ — ۷۰۔

[۲] ایضاً: ص ۱۵۸۔

[۳] ایضاً: ص ۱۵۹۔

فانی واللہ ما رایت رجلا	"اس لئے کہ اللہ کی قسم! ان سے زیادہ
قط اشبہ رأیا بعمر بن	میں نے حضرت عمر بن خطاب کی رائے
الخطاب منہ [1]	مشابہ کسی کو نہیں دیکھا"

عبداللہ بن عامر شعبی سے مروی ہے کہ ابن ہبیرہ نے جب حسن بصریؒ اور امام شعبیؒ کو بلایا اور دونوں اکٹھے ہوئے تو امام شعبیؒ نے حسن بصریؒ کی تعریف کرنی شروع کر دی۔ ان کے بیٹے نے ان سے کہا۔ ابّا جان! آپ جس قدر ادب و احترام اس شیخ کا کر رہے ہیں۔ ایسا کسی اور کے ساتھ کرتے ہوئے میں نے آپ کو نہیں دیکھا۔ امام شعبیؒ نے فرمایا:۔

یا بنی ادرکت سبعین من	"اے میرے بیٹے! میں نے نبی کریم صلی اللہ
اصحاب النبی صلی اللہ	علیہ وسلم کے (۷۰) ستر صحابہ کرام کو پایا۔ لیکن
علیہ وسلم فلم ارا احدا	اس شیخ سے بڑھ کر ان کے مشابہ میں نے
قط اشبہ بھم من ھذا	کسی ایک کو نہیں دیکھا"
الشیخ [2]	

حمید اور یونس بن عبید کا کہنا ہے۔

قد رأینا الفقھاء فما	"ہم نے بہت سے فقہاء کو دیکھا
رأینا منھم اجمع من	لیکن ہم نے حسن بصری سے زیادہ کوئی
الحسن [3]	جامع نہیں دیکھا"

---

[1] الطبقات الکبری: جلد ۷ - ص ۱۶۱

[2] ایضا: ص ۱۶۲

[3] ایضا: ص ۱۶۲

قتادہ کا قول ہے :۔

كان الحسن من اعلم الناس بالحلال والحرام [۱]	"حسنؒ بصری لوگوں میں سے حلال اور حرام کے بارے میں سب سے زیادہ جاننے والے تھے"

حضرت انس بن مالکؓ نے فرمایا :۔

سلوا الحسن فانه حفظ ونسينا [۲]	"حسنؒ بصری سے پوچھو، اس نے یاد کیا اور ہم بھول گئے"

العجلی کے الفاظ ہیں۔

تابعی ثقة رجل صالح صاحب السنة [۳]	"تابعی، ثقہ، نیک آدمی اور صاحب السنّہ تھے"

امام ابوعبداللہ شمس الدین الذہبی المتوفیٰ ۷۴۸ھ نے حضرت حسن بصری کی تدلیس کا ذکر کرنے کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ وہ حافظ، علمی سمندر کے علامہ فقیہ النفس، کبیر الشان، عدیم النظیر، ملیح التذکیر، بلیغ الموعظہ اور ہر قسم کی خیر میں ممتاز تھے [۴] ان کی دوسری کتاب میں کبیر الشأن کے ساتھ رفیع الذکر اور رأسا فی العلم والعمل بھی منقول ہے [۵]

---

[۱] الطبقات الکبریٰ : جلد ۷ ص ۱۶۴ ۔

[۲] تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۲۶۴۔ البدایۃ والنہایۃ : جلد ۹ ص ۲۶۶ ۔

[۳] تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۲۷۰ ۔

[۴] تذکرۃ الحفاظ : جلد ۱ ص ۷۷ ۔

[۵] الکاشف : جلد ۱ ص ۲۲۰ ۔

بڑی عجیب بات ہے کہ اگر حضرت حسن بصریؒ ویسے تھے جیسا کہ نقشہ جناب رحمت اللہ طارق نے کھینچا ہے تو ائمہ اسماء الرجال کو ان کے بارے میں وہ نہیں لکھنا چاہیئے تھا کہ جس کا ذکر کر دیا گیا ہے۔

امام الذہبی کی میزان الاعتدال کا جو نسخہ میرے پاس موجود ہے۔ اس میں رقم ۱۸۲۸ کے تحت منقول ہے

نعم قلت اما سمیتہ	"ہاں میں کہتا ہوں۔ اگر تو ان کا نام
الامام البصری فثقۃ لکنہ	امام البصری لیتا ہے تو وہ ثقہ ہیں۔
یدلس عن ابی ھریرۃ وغیر	لیکن ابوھریرہ اور ایک سے زیادہ
واحد فاذا قال حدثنا فھو	سے تدلیس کرتے ہیں۔ جب وہ حدثنا
ثقۃ بلا نزاع واما مسألۃ	کہیں تو وہ بلا نزاع ثقہ ہوتا ہے
القدر فصح عنہ الرجوع	جہاں تک مسئلہ قدر کا تعلق ہے یہ صحیح
عنھا وانھا کانت زلقۃ	بات یہ ہے کہ انہوں نے رجوع کر لیا
لسان [1]	تھا اور یہ زبان کا پھسلنا تھا۔"

امام الذہبیؒ کے قول کا معنی جناب رحمت اللہ طارق کے الفاظ میں حسب ذیل ہے۔ حسن بصریؒ بتصریحات محدثین غالی قسم کے مدلس تھے۔ امام الذہبیؒ لکھتے ہیں کہ وہ حد سے بڑھے ہوئے مدلس تھے جب اپنے اوپر کے راوی سے عن کہہ کر روایت کریں تو اس کی روایت کسی حال میں بھی قابل حجت نہیں ہے بلکہ اس وقت تو اس کی روایت کا اعتبار بالکل ہی نہیں کرنا چاہیئے جب وہ ایسے صحابی سے عن کہہ کر روایت کریں جن سے ان کی ملاقات ہی ثابت نہ ہو۔ جیسے ابوہریرہؓ اور بقول خزرجی ابوبکرہ نیز (میزان الاعتدال ۱/ ۲۴۰ ع ۱۹۱۹)

---

[1] میزان الاعتدال: جلد ا ص ۲۸۳۔

دیکھنے کی بات یہ ہے کہ چابکدستی کے ساتھ سیدھی سی بات " الجھا دیا۔ عورت کی سربراہی کی نفی کرنے والی روایت میں حضرت ابُوہریرۂ کا کوئی تعلق نہیں۔ اور خزرجی کے قول کی نفی الجامع الصیح کی کتاب الصلح میں ہو جاتی ہے۔ جب امام بخاریؒ نے اُستاد اور شاگرد کے درمیان سماع و ملاقات کو ثابت کردیا تو کسی اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ ویسے بھی حافظ ابن حجر عسقلانی نے سمرہؓ اور ابوہریرہؓ سے حسن بصریؒ کا سماع ثابت کردیا ہے [1] یہ ضمناً عرض ہے کیونکہ اس کا ہمارے موضوع سے تعلق نہیں۔

رحمت اللہ طارق صاحب نے طبقات المدلسین اور تقریب التہذیب کے حوالے سے یہ بھی فرمایا ہے یہ شخص بقول حافظ ابن حجر مرسل روایتیں بیان کرنے کا اتنا عادی تھا کہ ہر کس و ناکس سے بے دریغ روایت کردیتا تھا اور بقول نسائی تدلیس اس کا دل پسند مشغلہ تھا۔ جب کہ تقریب التہذیب کی اصل عبارت یہ ہے۔

ثقة فقیه فاضل مشهور	"وہ ثقہ فقیہ اور مشہور فاضل تھے،
وكان يرسل كثيرا	اور وہ کثرت سے مرسل روایات بیان کیا
ويدلس [2]	کرتے اور تدلیس کرتے تھے۔"

جہاں تک امام نسائی کے حوالے سے دل پسند مشغلہ والی بات ہے۔ معلوم نہیں کہ کس عربی لفظ کا یہ ترجمہ جناب رحمت اللہ طارق نے کردیا ہے۔ جناب موصوف نے صرف یہیں اپنے کمال کا مظاہرہ نہیں کیا بلکہ اپنی ساری کتاب میں اسی اسلوب کو اپنایا ہے۔

تدلیس اور مرسل

تدلیس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تدلیس الاسناد اور دوسری تدلیس الشیوخ۔

---

[1] تہذیب التہذیب: جلد ۲ ص ۲۶۹-۲۷۰ [2] تقریب التہذیب: ص ۶۹

علامہ سیوطی، ابن الصلاح، خطیب بغدادی اور ڈاکٹر صبحی صالح نے الفاظ کی کمی بیشی کے ساتھ نقل کیا ہے۔

جب کوئی راوی ایسے شخص سے روایت کرے کہ جس سے اس کی ملاقات تو ہوئی ہو لیکن اس سے حدیث نہ سُنی ہو۔ لیکن روایت کرتے ہوئے ایسا انداز اختیار کرے کہ جس سے یہ وہم ہو کہ اس نے ملاقات کے ساتھ حدیث بھی سُنی تھی یا ایسے شخص سے روایت کرے کہ وہ اس کا ہمعصر تو ضرور تھا۔ لیکن دونوں کی آپس میں ملاقات نہ ہوئی۔ لیکن راوی یہ تأثر دے کہ اس سے اس کی مُلاقات ہوئی اور اس سے اُس نے حدیث بھی سُنی۔ اس کو تدلیس الاسناد کہا جاتا ہے۔

جب راوی کسی ایسے شیخ سے روایت کرے کہ جس سے اُس نے حدیث سُنی تھی لیکن اپنے شیخ کا وہ نام لے یا ایسی کنیت سے پُکارے یا ایسی نسبت یا صفت کا ذکر کرے کہ جس سے شیخ کی پہچان نہ ہو سکے اس کا نام تدلیس الشیوخ رکھا گیا ہے۔

پہلی قسم سخت مکروہ ہے اور اکثر علماء نے اس کی مذمّت کی ہے۔ شعبہؒ تو اس میں سب سے زیادہ سختی کرنے والے تھے۔ امام شافعیؒ سے مروی ہے کہ تدلیس جھوٹ کا بھائی ہے۔ شعبہؒ کی مذمت اس انتہاء کو پہنچی ہوئی تھی۔ وہ کہتے تھے کہ میں تدلیس کا مرتکب ہونے کی بجائے زناکاری کو ترجیح دیتا ہوں۔

مدلس کی روایت کو قبول کرنے کے بارے میں اختلاف بھی پایا جاتا ہے۔ ایک فریق کا کہنا ہے کہ اگرچہ سماع ثابت ہو یا نہ ہو۔ اس کی روایت کو قبول نہ کیا جائے۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ جس روایت کو مدلس ایسے بیان کرے کہ جس سے سماع اور اتصال واضح نہ ہو تو ایسی روایت پر مرسل کا حکم جاری ہوگا۔ اور جس روایت میں اتصال سمعت، حدثنا، اخبرنا یا اس طرح کے الفاظ سے واضح ہو جائے تو وہ مقبول اور قابلِ حجّت ہوگی۔ بخاری مسلم اور دوسری معتمد علیہ کتابوں میں ایسی بہت سی روایات موجود ہیں۔[1]

---

[1] مقدمہ ابن الصلاح، ص ۴۶-۶۷۔ تدریب الراوی جلد اص ۲۲۳-۲۲۴-۲۲۸-۲۳۹-۲۴۰۔ الکفایۃ: ص ۲۲-۳۵۷-۳۵۸۔ علوم الحدیث ص ۱۷۳-۱۷۴-۱۷۵-۱۸۲۔

امام سیوطیؒ اور ڈاکٹر صبحی صالح نے واضح کر دیا ہے کہ مدلسین کی جو روایات بخاری مسلم اور ان جیسی کتابوں میں "عن" سے مروی ہیں۔ وہ دوسری جہت سے ثابت ہونے پر محمول ہیں [۱]

ابن الصلاح کی وضاحت ہے کہ ان کی تدلیس جھوٹ نہیں بلکہ وہ ایک ابہام و خفا کی صورت ہے۔[۲]

مرسل کے بارے میں عرض کیا جا چکا ہے کہ جب تابعی صحابی کے واسطے کے بغیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرے تو اس روایت کو مرسل کہا جاتا ہے۔

خطیب بغدادیؒ نے نقل کیا ہے کہ علماء کا مرسل کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا کہ مرسل روایت مقبول ہوگی۔ جب عدول و ثقہ سے مروی ہوگی اور اس پر عمل کرنا واجب ہوگا۔ یہ قول امام مالکؒ اہل مدینہ، امام ابوحنیفہؒ، اہل عراق اور ان کے علاوہ دوسرے لوگوں کا بھی ہے۔ جب کہ امام محمد ادریس الشافعیؒ اور ان کے علاوہ دوسرے اہل علم کے نزدیک اس پر عمل واجب نہیں ہوتا۔ حفاظ حدیث کے ائمہ اور نقادِ اثر کی اکثریت کا موقف یہی ہے [۳]

امام قسطلانیؒ نے امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ امام احمدؒ کا نام بھی نقل کیا ہے۔ مقدمہ میں بھی منقول ہے کہ امام شافعیؒ، محدثین، ان کے جمہور اور فقہاء کی ایک جماعت کا مذہب ہے کہ حدیث مرسل حجت نہیں جب کہ امام مالکؒ، امام ابوحنیفہؒ، امام احمدؒ اور اکثر فقہاء کے نزدیک مرسل حدیث حجت ہے [۴]۔

---

[۱] تدریب الراوی: جلد ۱ ص ۲۳۰۔ علوم الحدیث: ص ۱۸۲۔

[۲] مقدمہ ابن الصلاح: ص ۶۷-۶۸۔

[۳] الکفایۃ: ص ۳۸۴۔ مقدمہ ابن الصلاح: ص ۵۰-۵۱۔ تدریب الراوی جلد ۱ ص ۱۹۸۔

[۴] ارشاد الساری شرح صحیح البخاری: الجزء الاول: ص ۸۔ صحیح مسلم: مقدمہ ص ۱۷۔

ائمہ حدیث نے تدلیس اور مرسل کے بارے میں جو لکھا ہے اور حدیث کی جانچ اور پرکھ کا جو معیار قائم کیا ہے وہ بالکل حق ہے۔ اس سے کوئی بھی اختلاف نہیں کر سکتا۔ لیکن دیکھنا تو یہ ہے کہ آیا ائمہ حدیث اور جرح و تعدیل میں سے کسی ایک نے صحیح بخاری اور صحیح مسلم پر کوئی اعتراض کیا ہے۔ حالانکہ عورت کی سربراہی کی نفی کرنے والی روایت کے سارے راوی ان کے سامنے تھے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ پر تہمت لگا دی کہ وہ شافعی ہونے کے ناطے امام بخاری کی رعایت کر جاتے ہیں۔ اتنی بڑی تہمت لگاتے وقت خیال نہ آیا کہ صحیح بخاری کی شرح لکھتے وقت ۷۷۳ھ سے ۸۵۲ھ تک کے دور میں عورت کی سربراہی کا کوئی ایسا مسئلہ حافظ ابن حجر عسقلانی کے سامنے تھا کہ جس کی بناء پر انہوں نے "روشن خیال" حضرات کی مخالفت میں امام بخاری کی طرفداری کی۔

ابن الصلاح نے نقل کیا ہے کہ لوگوں میں اس بات پر اختلاف ہوا کہ تابعین میں سے افضل کون ہیں۔ اہل مدینہ نے کہا کہ سعید بن المسیب ہیں۔ اہل کوفہ کا کہنا ہے کہ اویس قرنی ہیں۔ اور اہل بصرہ کہتے ہیں کہ الحسن البصری ہیں۔

ہمیں امام احمد بن حنبل کی یہ بات پہنچی ہے کہ حسن اور عطاء یعنی تابعین میں اُن سے بڑھ کر کوئی فتوٰی دینے والا نہیں۔ اُنہوں نے یہ بھی فرمایا کہ عطاء مکّہ کے اور حسن بصرہ کے مفتی تھے۔ علامہ سیوطی نے بھی اہلِ مدینہ، اہلِ کوفہ اور اہلِ بصرہ کے اقوال نقل کئے ہیں [1]

امام بخاریؒ نے الجامع الصحیح میں جن مدلسین سے روایات نقل کی ہیں۔ وہ ان کی تدلیس سے اچھی طرح واقف تھے اور جب وہ ان سے کوئی روایت نقل کرتے ہیں تو ان کے اساتذہ سے ملاقات بھی ثابت کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ انہوں نے حضرت حسن بصریؒ اور حضرت ابو بکرہؓ کے درمیان ملاقات

---

[1] مقدمۃ ابن الصلاح، ص ۲۷۴-۲۷۵۔ تدریب الراوی جلد ۲ ص ۲۴۱۔

اور سماع کو واضح الفاظ میں ثابت کر دیا[1]

جناب رحمت اللہ طارق اور رفیع اللہ شہاب کی اس سے بڑھ کر چابکدستی اور کیا ہو سکتی ہے کہ حضرت حسن بصریؒ کی اپنے استاذ حضرت ابو بکرہؓ سے ملاقات اور سماع ثابت ہونے کے باوجود ان کی روایات کا انکار کر دیا۔ اگر جانتے ہوئے ایسا کر رہے ہیں تو صریحاً چابکدستی اور دجل ہے۔ اور اگر لاعلمی کی بنا پر ایسے کر رہے ہیں تو ان کو صحیح بخاری کا اچھی طرح مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے۔

لطیفہ

جناب رحمت اللہ طارق نے خود ہی حوالہ دیا ہے کہ حسن کارزار جمل میں ہاتھ میں تلوار لئے عائشہؓ کے خلاف لڑنے جا رہے تھے کہ بقول ان کے ان کو وہی ابو بکرہؓ ملے۔ اس کے باوجود ان کا کہنا ہے کہ حسن بصری کی اپنے استاد سے ملاقات نہیں ہوئی[2]

کسی بھی محدّث کے نزدیک حضرت حسن بصریؒ غیر ثقہ نہیں۔ جس کسی نے ان کی مرسلات اور تدلیس کا ذکر کیا تو ساتھ یہ بھی لکھ دیا کہ وہ ثقہ ہیں۔

امام ابوزرعہؒ نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ سوائے چار حدیثوں کے باقی ان تمام روایات کی ان کو اصل مل گئی جو حضرت حسن بصریؒ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مرسلاً روایت کیں۔

علامہ عینیؒ۔ حافظ ابن حجرؒ۔ امام محی الدین النووی۔ امام ابن الصلاح اور علامہ السیوطی جیسی شخصیتیں جب صحیح البخاری کے بارے میں یہ فیصلہ دیں کہ قرآن کے بعد اصح ترین کتاب صحیح البخاری ہے[3]

---

[1] الصحیح البخاری۔ کتاب الصلح : ص ۳۷۲۔ ۳۷۳۔

[2] عورت اور مسئلہ امارت : ص ۳۵۔

[3] مقدمہ ابن الصلاح : ص ۱۴۔ تدریب الراوی جلد ۱ ص ۱۹۔ المقدمہ لصحیح مسلم جلد ۱ ص ۱۴۔ الکرمانی : جلد ۱ ص ۳۔ عمدۃ القاری : جلد ۱ ص ۵۔ کشف الظنون : جلد ۱ ص ۴۴۵۔ ھدی الساری : جلد ۱ ص ۸۔

اور علامہ ابن خلدون بخاری مسلم کی صحت اور قبولیت پر اُمت کا اجماع نقل کر دیں[1] تو بخاری کے سب راویوں کی عدالت ثابت ہو جاتی ہے۔ جن میں حضرت حسن بصریؒ شامل ہیں۔

امام ابُوداؤدؒ نے بھی اُستاد شاگرد کی ملاقات ثابت کر دی ہے۔ کتاب الصلوٰۃ کے باب الرجل یرکع دون الصف میں زیاد بن الاعلم سے مروی ہے۔

ثنا الحسن ان ابا بکرۃ	"حسن نے ہم سے بیان کیا کہ بے شک
حدث انہ دخل المسجد	ابوبکرہؓ نے فرمایا کہ وہ مسجد میں داخل
ونبی اللہ صلی اللہ علیہ	ہوئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
وسلم راکع قال فرکعت	رکوع میں تھے۔ میں نے صف میں
دون الصف فقال النبی	ملنے سے پہلے رکوع کر دیا۔ نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم زادک	صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تیری دینی
اللہ حرصا ولا تعد[2]	حرص کو اور زیادہ کرے لیکن پھر ایسا نہ کرنا۔"

یہاں حدثنا اور حدث سے حضرت حسن بصری کی اپنے استاد حضرت ابوبکرہؓ سے ملاقات میں ذرا سا بھی شک نہیں رہتا۔

عوف بن ابی جمیلۃ الاعرابی

صحیح البخاری میں عورت کی سربراہی کی نفی کرنے والی حدیث کے تیسرے راوی یعنی حسن بصریؒ

---

[1] تاریخ ابن خلدون : جلد ا ص ۴۴۵۔

[2] سنن ابی داؤد۔ کتاب الصلوٰۃ : ص ۹۹۔

کے شاگرد حضرت عوف بن ابی جمیلہ الاعرابی ہیں۔ تعصب جب کسی کو اندھا کر دے تو اس کا حق کو تسلیم کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ ایسا ہی معاملہ ہمارے "روشن خیال" حضرات کا ہے۔ چونکہ انہوں نے عورت کی سربراہی کو ہر قیمت پر جائز اور عین سنت کے مطابق ثابت کرنے کا تہیہ کر رکھا ہے۔ لہٰذا انہوں نے ہر اس بات کو غلط کہہ دینے کا ٹھیکہ لے رکھا ہے۔ جو ان کی راہ میں رکاوٹ بن سکتی ہو۔ چنانچہ عوف بن ابی جمیلہ کے بارے میں ان کا ارشاد ہے۔

زیر بحث پولیٹیکل حدیث کی بخاری کے ذریعہ دو سندوں کا ایک راوی عوف بن ابی جمیلہ المتوفی ۱۴۶ھ ۷۶۲م باایں زہد و تقویٰ اور صدق شعاری باتفاق محدثین و ائمہ رجال شیعہ تھے اور شیعہ بھی اس شان کے کہ خود امام بخاری و مسلم کے متفقہ اُستاد محمد بن بشار عرف بندار المتوفی ۲۵۲ھ ۸۶۵م کو نہایت شدید لہجے میں کہنا پڑا کہ عوف نہ صرف رافضی تھا۔ شیطان بھی تھا [1] (بحوالہ میزان الاعتدال طبع مصر ۲/ ۳۰۹، تقریب التہذیب طبع مصر ۲/ ۸۹ وغیرہ)

ان کا کہنا ہے کہ دکھلانا یہ مقصود تھا کہ عوف کا اس گروہ سے تعلق تھا جو عائشہؓ کے بارے میں نیک خواہشات نہیں رکھتا تھا لہٰذا عائشہؓ کے بارے میں ان کی مخالفانہ گواہی بار نہ پا سکتی تھی۔

"روشن خیال" حضرات قرآن و سُنت کو وہی درجہ دے رہے ہیں جو آج کل اخبارات یا مخالفانہ بیانات کو دیا جاتا ہے۔ حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ کے عارضی اختلافات کو جو کسی بھی طرح سیاسی نوعیت کا نہ تھا۔ وہی رنگ دینے کی کوشش کر رہے ہیں جو کہ ہماری سیاست پر غالب رہتا ہے۔ جو بھی صحابیؓ یا تابعیؒ ان کو حضرت عائشہؓ کے گروہ کے ساتھ نظر نہیں آتے وہ اس کی رُوایت کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔ یعنی قوم کو اتحاد و اتفاق سے ہٹا کر ایک مستقل اختلاف و افتراق

---

[1] عورت اور مسئلہ امارت: ص ۳۰۔

کی طرف لگانے کے خواہش مند ہیں۔ حالانکہ جنگ جمل کے ختم ہوتے ہی حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ کے درمیان ہر قسم کا اختلاف ہمیشہ کے لئے دفن کر دیا گیا تھا۔

"روشن خیال" حضرات کو شاید پتہ نہیں کہ علم حدیث میں محدثین گروہی اختلاف کو نہیں بلکہ حدیث کے متن اور اس کی سند کو دیکھتے ہیں۔ جب مروی حدیث ان کے معیار پر پوری اترتی ہے تو اس کو نقل کر دیتے ہیں۔ امام بخاری کوئی ان پڑھ اور علم حدیث سے ناواقف نہیں تھے بلکہ امت کا اجماع ہے کہ اس فن میں تو وہ سب کے امام تھے۔ اور ان کا معیار بھی سب محدثین سے زیادہ سخت تھا۔ اسی لیے صحیح بخاری کے تمام رجال کو عدول سمجھا جاتا ہے۔

عوف بن ابی جمیلہ کے بارے میں کسی کے شیعہ کہنے سے صحیح بخاری کی روایت مجروح نہیں ہو جاتی۔ امانت و دیانت کا تقاضا تھا کہ عوف اعرابی کے بارے میں اگر کسی نے کلام کیا ہے تو پہلے وہ اقوال نقل کرتے جو ان کی ثقاہت کا ثبوت ہیں۔ لیکن تعصب کی آگ میں جلنے والوں کو اس کی توفیق کم ہی ملتی ہے۔ کیونکہ ان کا مقصد حق کو پانا نہیں بلکہ حق کو مٹانا ہوتا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے عبداللہ بن احمد سے نقل کیا ہے کہ ان کے باپ نے عوف الاعرابی کو ثقہ اور صالح الحدیث کہا۔ امام ابن معین نے انہیں ثقہ قرار دیا۔ امام ابوحاتم کا کہنا ہے کہ وہ صدوق و صالح تھے۔ امام نسائی کا فرمان ہے کہ وہ ثقہ اور ثابت تھے۔ مروان بن معاویہ سے مروی ہے کہ ان کو صدوق کہا جاتا تھا۔ محمد بن عبداللہ نے کہا کہ وہ صدوق تھے۔ ابن سعد کا قول ہے کہ وہ ثقہ اور کثیر الحدیث تھے۔ امام ابن حبان نے ان کا ذکر ثقات میں کیا ہے۔ محمد بن عبداللہ کا یہ بھی قول ہے کہ وہ سب سے زیادہ ثابت تھے [1]

---

[1] تہذیب التہذیب، جلد ۸ ص ۱۶۷۔

امام ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ ان کو عوف الصدوق کہا جاتا تھا ۔ انہوں نے ان کے بارے میں امام نسائی کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ عوف ثقہ اور ثابت تھے ۔ قیل یعنی کہا جاتا ہے ' کے ساتھ انہوں نے ذکر کیا ہے ۔

کان یتشیّع [1] وہ تشیّع کا اظہار کرتے تھے "

حافظ ابن حجرؒ نے تشیّع کی وضاحت یوں کی ہے ۔

فاما تشیع فی عرف المتقدمین	" تشیع متقدمین کے نزدیک یہ اعتقاد
ھو اعتقاد تفضیل علیؓ علی	تھا کہ حضرت علیؓ حضرت عثمان غنیؓ سے
عثمانؓ وان علیا کان	افضل ہیں اور علیؓ اپنی جنگوں میں حق
مصیبا فی حروبه ۔	پر تھے "

متاخرین کے نزدیک تشیّع کا جو مطلب ہے اسے انہوں نے یوں واضح کیا ۔

واما التشیع فی عرف المتاخرین	" تشیع کے بارے میں متاخرین یہ سمجھتے ہیں کہ
فھو الرفض المحض فلا تقبل	یہ رفض محض ہے ۔ پس رافضی غالی کی روایت
روایة الرافضی الغالی [2]	قبول نہیں کی جائے گی "

امام العقیلیؒ المتوفی ۳۲۲ھ کی کتاب الضعفاء الکبیر کے تقدمہ میں التہانوی کے حوالے سے ڈاکٹر عبدالمعطی امین قلعجی نے نقل کیا ہے کہ جب راوی ثقہ ہو تو تشیع کوئی جرح نہیں [3]

---

[1] میزان الاعتدال : جلد ۳ ۔ ص ۳۰۵ ۔

[2] تہذیب التہذیب : جلد ۱ ص ۹۴ ۔

[3] التقدمة : کتاب الضعفاء الکبیر : جلد ۱ ۔ ص ۶۶ ۔

ظاہر ہے کہ متأخرین کے مقابلے میں متقدمین کی رائے کو مقدم رکھا جائے گا۔

صحابہؓ میں جو حضرت علیؓ کی دوسرے صحابہؓ پر فضیلت کے قائل تھے کیا ان پر نعوذ باللہ غالی رافضی ہونے کا فتوےٰ لگایا جا سکتا ہے؟ اگر ان پر نہیں لگایا جا سکتا تو تابعین پر کیسے لگ سکتا ہے!

جمہوریت پر یقین رکھنے والے "روشن خیال" حضرات کے نزدیک کیا یہی جمہوریت ہے کہ ۹-۱۰ اقوال کے مقابلے میں ایک قول کو اہمیت دے کر اکثریت کو ٹھکرا دیا جائے۔ ان کو معلوم نہیں کہ جن کے قول کو بڑے فخر کے ساتھ پیش کیا ہے، ان کے بارے میں بھی کلام کیا گیا ہے۔ عبداللہ بن محمد بن سیار کا کہنا ہے۔

سمعت عمرو بن علی یحلف	میں نے عمرو بن علی کو قسم کھا کر کہتے ہوئے
ان بندار یکذب فیما یروی	سنا کہ بندار جو یحییٰ سے روایت کرتا ہے
عن یحییٰ [1]	اس میں جھوٹا ہے۔

یہاں اس بات کو بھی ملحوظ رکھنے کی ضرورت ہے کہ محمد بن بشار بندار بھی بصری امام تھے۔ مشہور امام علی بن المدینی کے بیٹے نے اپنے باپ سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا، کہ بندار نے روایت کی تھی۔ امام علی بن المدینی نے فرمایا۔

ھذا کذب و انکرہ اشد	"یہ جھوٹ ہے اور انہوں نے اس کا
الانکار [2]	زبردست انکار کیا۔"

"روشن خیال" حضرات کے اپنے قائم کردہ اصول کے مطابق تو امام محمد بن بشار بندار البصری بھی مجروح ہو گئے۔ لیکن ایسا نہیں ہوگا۔ ہم نے دیکھنا ہے کہ امام بخاریؒ اور امام مسلم کیا کہتے ہیں کیونکہ علم حدیث

---

[1] تہذیب التہذیب جلد ۱ ترجمۃ محمد بن بشار البصری بندار: ص ۷۱

[2] ایضاً: ص ۷۱۔

میں وہ سب کے امام ہیں۔ اگر وہ کسی راوی سے کوئی روایت قبول کرتے ہیں تو اہل سنّت کے نزدیک اس راوی کی عدالت ثابت ہو جاتی ہے۔ لہٰذا ایک محدث کی جرح سے بخاری کی تعدیل میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

امام الذہبیؒ نے عوف الاعرابی کے ترجمہ کے ساتھ 'ع' لکھ کر واضح کر دیا ہے کہ یہ صحاح ستّہ کے رجال میں سے ہیں[1]۔ جس سے ان کی تعدیل و ثقاہت میں کوئی شک و شبہ نہیں رہتا۔

عثمان بن الہیثم

صحیح بخاری میں عورت کی سربراہی کی نفی کرنے والی حدیث کے چوتھے راوی عثمان بن الہیثمؒ ہیں پہلے ہی واضح کر دیا گیا ہے کہ جو راوی امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کے نزدیک ثقہ ہو تو علمائے اہل سنّت اس کی روایت کو دل و جان سے قبول کر لیتے ہیں۔ لیکن جناب رفیع اللہ شہاب کا کہنا ہے کہ ائمہ حدیث کے نزدیک چاروں راوی غیر ثقہ ہیں۔ اس کے پہلے راوی جناب عثمان بن الہیثم کے بارے میں اگرچہ محدثین نے تصریح کی ہے کہ وہ ایک سچّا راوی تھا لیکن اس پر الزام لگایا ہے کہ وہ حدیث بیان کرنے میں بہت زیادہ غلطیاں کیا کرتا تھا۔ عام طور پر وضعی روایات کو قابلِ قبول بنانے کے لئے اس قسم کے راویوں کا سہارا لیا جاتا تھا۔

ان کی تحقیق کے مطابق عوف شیعہ و قدری عقائد رکھتا تھا۔ حسن بصری مجہول راوی تھا۔ ابوبکرہؓ کو حضرت عمرؓ نے مختلف جرائم کے ارتکاب پر کوڑوں کی سزا دی تھی[2]۔ حضرت عوفؒ، حضرت حسن بصریؒ، اور حضرت ابوبکرہؓ پر مفصل بحث ہو چکی ہے لیکن دیکھنے کی بات یہ ہے کہ رفیع اللہ شہاب صاحب کی تحقیق کا یہ حال ہے کہ انہوں نے حسن بصریؒ کو مجہول کہہ دیا۔ اتنے مشہور تابعی اور علمِ حدیث میں بلند مقام

---

[1] تذکرۃ الحفاظ۔ جلد ا ص ۱۴۷

[2] روزنامہ امروز ۹ دسمبر ۱۹۸۹ء

پر فائز ہونے والے بزرگ کا حال ان کو معلوم نہ ہو سکا۔ اور حضرت ابُوبکرہؓ پر مختلف جرائم کی تہمت بھی لگادی "روشن خیال" حضرات کو ان کی "روشن خیالی" اسی طرح حق سے دُور رکھتی ہے۔ بہتان لگانے میں اتنے دُور نکل گئے کہ عثمان بن الہیثم کے بارے میں لکھ دیا کہ عام طور پر وضعی روایات کو قابل بنانے کے لئے اس قسم کے راویوں کا سہارا لیا جاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں انہوں نے نہ صرف عثمان بن الہیثم کو نشانہ نہیں بنایا بلکہ امام بخاریؒ پر بھی الزام لگا دیا کہ انہوں نے الجامع الصحیح میں وضعی روایات نقل کی ہیں۔ حالانکہ خود ہی میزان الاعتدال کے حوالے سے تصریح کی ہے کہ وہ ایک سچّا راوی تھا۔ پھر اس کو وضّاع بھی بنا دیا۔ جس راوی سے بخاری، نسائی، ابو حاتم رازی، الذہلی، محمد بن عبدالرحیم البزار، محمد ابن خزیمہ، اسمٰعیل سمویہ، اسید بن عاصم، محمد بن غالب تمتام، یعقوب بن سفیان۔ ابراہیم مرزوق۔ ابو مسلم الکشی۔ الکدیمی۔ ابو خلیفہ الفضل بن الحباب۔ الحارث بن محمد التمیمی اور ان جیسے ائمہ حدیث روایت نقل کریں[1] اُن کے بارے میں یہ کہنا کہ عام طور پر وضعی روایات کو قابلِ قبول بنانے کے لئے اس قسم کے راویوں کا سہارا لیا جاتا تھا۔ صاف ہی کہہ دیا ہوتا کہ ہم احادیث کو نہیں مانتے۔ لہٰذا عورت سربراہ ہو سکتی ہے۔ لیکن اس اوچھے انداز میں مُحدّثین پر تنقید کرنی کسی بھی اہل علم کو زیب نہیں دیتی۔

امام ابو حاتم نے نقل کیا ہے:۔

کان صدوقا غیر انه باخرة	"کہ وہ سچّے تھے لیکن آخری عمر میں ان کے
یتلقن ما یلقن[2]	حافظے میں خلل واقع ہو گیا تھا"

امام دار قطنی کا قول ہے:۔

---

[1] تہذیب التہذیب جلد ۷ ص ۱۵۷ - ۱۵۸ - تذکرۃ الحفاظ: جلد ۱ ص ۳۷۵۔

[2] کتاب الجرح والتعدیل ترجمہ عثمان بن الہیثم: جلد ۶ ص ۱۲۷۔

صدوق کثیر الخطاء [۱] "سچے لیکن کثیر الخطاء تھے۔"

اس سے مراد یہی ہے کہ آخری عمر میں ان سے غلطیاں ہوتی تھیں۔ لیکن جہاں تک ان کے سچے ہونے کا تعلق ہے۔ اس میں کسی کو کوئی کلام نہ تھا۔ اسی لئے امام ابن حبان نے ان کا ذکر ثقات میں کیا ہے[۲]۔

خیال رہے کہ دارقطنی اور ابوحاتم کی یہ اپنی رائے ہے اور ان کی رائے کو پیش نظر رکھتے ہوئے عرض ہے کہ ائمہ حدیث کے نزدیک ایسے راوی کی وہ روایات مقبول ہوتی ہیں جو کہ تلقین یا اختلاط سے پہلے اس سے مروی ہوں۔ عطاء بن السائبؒ کا آخری عمر میں بھی یہی حال ہو گیا تھا لیکن سفیان ثوری اور شعبہ جیسے اکابر اہل علم صحت کی حالت میں ان سے سنی ہوئی روایات قبول کرتے تھے[۳]۔

عثمان بن الہیثمؒ کی آخری عمر میں غلطیوں کی بنا پر ان کی سچائی کو جھٹلانا ایسے ہی ہے (اگر یہ درست ہے) جیسے کسی پروفیسر صاحب نے ۳۰۔۲۵ سال کسی کالج میں پڑھایا ہو۔ کئی کتابوں کے مصنف ہونے کا ان کو شرف حاصل ہو۔ لیکن آخری عمر میں ان کی عقل میں فتور آجائے تو کوئی نادان ان کی اس حالت کو دیکھ کر کہہ دے کہ یہ ہمیشہ ہی اسی طرح تھے اور جیسی اب باتیں کر رہے ہیں ایسی ہی پہلے بھی کیا کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر ان کے ساتھ اور ظلم کیا ہو سکتا ہے؟

پہلے ہی عرض کیا جا چکا ہے کہ امام بخاریؒ اپنی الجامع الصحیح کے تمام رجال سے خوب اچھی طرح واقف تھے اور انہوں نے ان سے وہی روایات نقل کی ہیں جو ان کے انتہائی سخت معیار پر پوری اترتی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ جو راوی ان کے ہاں مقبول ہو، ائمہ حدیث و رجال اس کی عدالت و ثقاہت تسلیم کر لیتے ہیں۔

---

[۱] میزان الاعتدال، جلد ۳ ص ۵۹۔

[۲] تہذیب التہذیب جلد ۷ ص ۱۵۸۔

[۳] کتاب الکفایۃ: ص ۱۳۷۔ ایضاً ص ۱۴۹ (قول الحمیدی)

معنعن

معنعن کا معنی ہے کہ کسی حدیث کے راوی روایت کرتے ہوئے سند میں "عن" کا لفظ استعمال کریں، جیسے فلاں عن فلاں عن فلان - یعنی فلاں نے فلاں سے اور اس نے فلاں سے روایت کی۔ اس طرح سند میں سماع یا تحدیث کی وضاحت نہیں پائی جاتی۔ احادیث کی کتابوں میں یہ عام معمول ہے۔

امام ابن الصلاحؒ اور علامہ السیوطیؒ کا کہنا ہے کہ بعض لوگوں نے ایسی روایات کو مرسل اور منقطع میں شمار کیا ہے۔ جب تک اتصال ثابت نہ ہو جائے۔ لیکن صحیح بات اور جس پر عمل ہے وہ یہ ہے، کہ ایسی روایات متصل اسناد کی قسم میں سے ہیں۔ جمہور ائمہ حدیث، فقہ اور اصول کا یہی قول ہے۔ لیکن انہوں نے یہ شرط بھی عائد کی ہے کہ عن سے روایت کرنے والوں کی آپس میں ملاقات ثابت ہونی چاہیئے۔ اور وہ مدلس نہ ہوں۔ [1]

ائمہ رجال الحدیث کے اس اصول کو دیکھ کر جناب رحمت اللہ طارق نے حسن بصری پر یہ اعتراض کر دیا کہ ان کا شمار مدلسین میں ہوتا ہے۔ لہٰذا صحیح بخاری میں عورت کی سربراہی کی نفی کرنے والی حدیث قابل حجت نہیں۔ کیونکہ حسن بصریؒ اپنے اُستاد ابوبکرہؓ سے دونوں احادیث میں عن سے روایت کرتے ہیں۔

پہلے ہی واضح کر دیا گیا ہے کہ امام مسلمؒ کی حدیث کو قبول کرنے کی شرط یہ ہے کہ استاد اور شاگرد دونوں ہمعصر ہوں۔ اگرچہ دونوں کی ملاقات ثابت نہ ہو، لیکن امام بخاریؒ ملاقات کے واضح ثبوت کے بغیر روایت قبول نہیں کرتے۔ چنانچہ حضرت بصریؒ کے بارے میں یہ مغالطہ بھی نہیں چل سکتا کیوں کہ امام بخاریؒ نے الجامع الصحیح ہی میں حضرت حسن بصریؒ کا اپنے استاد حضرت ابوبکرہؓ سے سماع اور ملاقات ثابت کر کے

---

[1] مقدمہ ابن الصلاح - ص ۵۶ - تدریب الراوی جلد ا ص ۲۱۴ -

اس اعتراض کا رد کر دیا ہے ۔

سارے راوی بصری ہیں

بصرہ اس زمین کو کہا جاتا ہے کہ جس میں سیاہ پتھر کثرت سے ہوں ۔حضرت عمر فاروقؓ کے حکم سے حضرت عتبہؓ بن غزوان بدری نے بصرہ کی بنیاد رکھی ۔

ابن جریر طبری اور ابن اثیر کے مطابق ۱۶ھ کے موسم بہار میں بصرہ کی تعمیر ہوئی [1]

ابن سعد نے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت سعد بن ابی وقاص کو لکھا کہ وہ کوفہ کو اپنا اڈہ بنائیں اور عتبہؓ بن غزوان کو سرزمین ہند کی طرف بھیج دیں ۔کیوں کہ عتبہؓ اسلام میں بلند اور عزت والے مقام کے مالک اور بدر کے غازیوں میں سے ہیں ۔مجھے اُمید ہے کہ مسلمانوں میں سے ان کو حصہ ملے گا ۔یعنی مسلمانوں کے ایک شہر کے بانی ہوں گے ۔اس وقت بصرہ کو ارض ہند کے نام سے پکارا جاتا تھا ۔حضرت عمر فاروقؓ نے ان کو حکم دیا کہ وہ بصرہ میں بس جائیں ۔اور اس علاقے میں مسلمانوں کی چھاؤنی بنائیں ۔لیکن یہ احتیاط رکھیں کہ میرے اور مسلمانوں کے درمیان سمندر حائل نہ ہو ۔

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے حضرت عتبہؓ بن غزوان کو بلا کر جب خط سنایا ۔تو وہ امیر المؤمنین کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے کوفہ سے آٹھ سو آدمی لے کر روانہ ہوئے اور جہاں بعد میں بصرہ آباد ہوا ۔وہاں آ کر فوجی چھاؤنی قائم کر دی ۔حضرت عمر فاروقؓ نے بھی مسلمانوں کو وہاں بھیجا ۔جب لوگ کافی ہو گئے تو ایک جماعت نے کچی اینٹوں سے سات محلّے بنا لئے [2]

ابن سعدؓ نے ڈیڑھ سو سے اُوپر ان صحابہ کا ذکر کیا ہے جو بصرہ میں آباد ہوئے اور بصرہ میں جو

---

[1] تاریخ طبری جلد ۲ الجزء ۴ ص ۱۴۸ ۔ تاریخ الکامل ۔جلد ۲ ص ۳۲۹ [2] طبقات ابن سعد جلد ۷ ص ۵ - ۶

سب سے پہلا بچہ پیدا ہوا۔ وہ حضرت ابو بکرہؓ کے بیٹے عبدالرحمٰن بن ابی بکرہؓ تھے۔ اُس وقت بصرہ میں تقریباً تین سو لوگ موجود تھے۔ چنانچہ ایک اونٹ ذبح کیا گیا جو ان سب کے لئے کافی ہو گیا [۱]

جناب رحمتُ اللہ طارق نے اس بصرہ کو جو حضرت عمر فاروقؓ کے حکم سے بدری صحابی حضرت عتبہؓ غزوان۔ نے بسایا۔ اور صحابہؓ اور تابعین نے آباد کیا۔ مرکز تدریس قرار دیا ہے [۲] یعنی وہاں کے محدثین مرفوع اور صحیح احادیث بیان نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں عورت کی سربراہی کی نفی کرنے والی حدیث کو غیر صحیح ثابت کرنے کے لئے آخری حربہ انہوں نے یہ استعمال کیا کہ اس کے سارے راوی بصری ہیں۔ اور اور جس حدیث کو مرکز اسلام مکہ و مدینہ والے نہ جانتے ہوں۔ اس کی بابت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ جس حدیث کو حجاز سے باہر جنم ملا۔ اس کا مغز جاتا رہا۔ اسی طرح امام شافعیؒ کا ارشاد ہے کہ جس حدیث کی اصل اور بنیاد حجاز میں نہ پائی جاتی ہو۔ تو وہ حقیقت سے عاری ہے۔ (تدریب الراوی۔ جلال الدین سیوطی، طبع مصر ص ۲۳)

محدثین کو گوئبلز سے تشبیہ دینے کی جرأت کرنے والے خود گوئبلز کے اُستاد نکلے۔ حوالہ دیتے وقت یہ تأثر دیا کہ مذکورہ عبارت علامہ سیوطیؒ کے نقل کردہ الفاظ ہیں۔ حالانکہ یہ دونوں قول محقق محشی عبدالوہاب عبداللطیف نے حاشیے میں اہل حجاز اور اہل کوفہ کی اسناد کے بارے میں بحث کرتے ہوئے نقل کئے ہیں اور اہلِ بصرہ کا وہاں کوئی ذکر نہیں اور اگلے صفحہ پر اہلِ بصرہ تک جب بات پہنچتی ہے، تو اسی تدریب الراوی کے حاشیے میں منقول ہے۔

ولاهل البصرة من السنن	"واضح اسناد کے ساتھ سنت ثابتہ
الثابتة بالاسانيد الواضحة	جس کثرت کے ساتھ اہل بصرہ کے لئے

---

[۱] طبقات ابن سعد۔ جلد ۷، ص ۱۹۰۔ تاریخ الکامل۔ جلد ۲ ص ۳۴۹۔

[۲] عورت اور مسئلہ امارت۔ ص ۳۷۔

www.KitaboSunnat.com

ما ليس لغيرهم مع اكثارهم[1] ہے۔ ان کے علاوہ کسی اور کے پاس نہیں۔"

اسی صفحہ پر امام ابن تیمیہؒ کا یہ قول بھی مذکور ہے۔

اتفق اهل العلم بالحديث	"حدیث کے اہل علم کا اس پر اتفاق ہے
على ان اصح الاحاديث ما	کہ سب سے زیادہ صحیح وہ احادیث ہیں جو
رواه اهل المدينة ، ثم	اہل مدینہ نے پھر اہل بصرہ نے اور ان کے
اهل البصرة ثم اهل الشام۔	بعد اہل شام نے روایت کی ہیں۔"

اصل حقیقت کو جھٹلانے کا جب عزم کر لیا جائے تو پھر اسی قسم کے ہتھکنڈوں اور چابکدستی سے کام لیا جاتا ہے۔ کتنی واضح بات کو کس قدر دجل و فریب کے ساتھ مسخ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ لیکن "روشن خیال" حضرات یہ بھول گئے کہ ابھی اس ملک میں قرآن و سُنّت کی سمجھ رکھنے والے بے شمار لوگ موجود ہیں۔ جو اللہ کے فضل و کرم سے دجّالوں اور کذّابوں کا محاسبہ کرنے کی صلاحیّت رکھتے ہیں۔

"روشن خیال" حضرات کو معلوم نہیں کہ صحیح بخاری کے شارحین حافظ ابن حجرؒ عسقلانیؒ۔ علّامہ عینیؒ، علّامہ کرمانیؒ اور علّامہ قسطلّانیؒ جب بصری راویوں کا ذکر کسی روایت کے ساتھ خاص طور پر کرتے ہیں، تو ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس سند میں باہر کا کوئی راوی نہیں۔ یعنی سب راوی بصرہ کے ہیں۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایک شہر کے رہنے والے ہیں اور ان کی آپس میں ملاقات ثابت ہونے میں کوئی شک نہیں۔ لہٰذا یہ روایت مضبوط اور صحیح ہے۔ لیکن لوگوں کو دھوکہ دینے اور ان کو گمراہ کرنے کا ارادہ رکھنے والے تو وہ بات کہتے ہیں کہ جس سے شکوک پیدا ہوں۔

---

[1] حاشیہ تدریب الراوی۔ جلد ۱ ص ۸۶۔

صحیح بخاری کے بارے میں حرفِ آخر

چونکہ تدریب الراوی کے حوالے سے لوگوں کو بہکانے کی آخری کوشش کی گئی ہے۔ لہٰذا مناسب ہے کہ اس کے مصنّف علامہ سیوطیؒ نے جو کچھ صحیح بخاریؒ کے بارے میں لکھا ہے اسے نقل کر دیا جائے تاکہ ثابت ہو جائے کہ قرآن کے بعد سب کتابوں میں سے اصح یہی کتاب ہے۔ اور اس کی ہر روایت شک و شبہ سے بلند و بالا ہے اور عورت کی سربراہی کے بارے میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا ہے وہ حق اور سچ ہے۔

علامہ سیوطیؒ کا ارشاد ہے:۔

اول مصنف فی الصحیح المجرد	"صحیح مجرد میں پہلی تصنیف صحیح البخاری
صحیح البخاری ثم مسلم وھما	ہے۔ پھر مسلم اور قرآن کے بعد دونوں
اصح الکتب بعد القرآن والبخاری	سب کتابوں سے اصح ہیں اور البخاری ان
اصحھما واکثرھما فوائد و	دونوں میں زیادہ اصح ہے اور دونوں میں
قیل مسلم اصح والصواب	سے اس میں زیادہ فوائد ہیں۔ کہا گیا ہے
الاول [1]	کہ مسلم زیادہ صحیح ہے لیکن پہلی بات درست ہے"

کسی بھی سلیم العقل انسان کے لئے صحیح بخاری کے بارے میں اس کے بعد مزید کسی وضاحت کی ضرورت نہیں رہتی۔

دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ہر دجل و فریب سے محفوظ رکھے۔

---

[1] تدریب الراوی: اول من صنف فی الصحیح المجرد۔ جلد ا ص ۸۸۔ ۹۱۔

حمید الطویلؒ

صحیح بخاری میں عورت کی سربراہی کی نفی کرنے والی روایت کو ہر شک وشبہ سے پاک ثابت کرنے کے بعد ہمارا مقصد پُورا ہو جاتا ہے۔ اور مزید کسی بحث وتمحیص کی ضرورت نہیں رہتی۔ لیکن "روشن خیال" حضرات کا مکر وفریب دیکھ کر یہی مناسب سمجھا گیا ہے کہ جہاں تک وہ چلتے ہیں وہاں تک ان کی دھوکہ دہی کا پول کھولا جائے۔ ترمذی اور نسائی کے رجال میں سے جناب رحمت اللہ طارق نے حمید الطویل کے خلاف بھی کذب وافترا کا سلسلہ جاری رکھا ہے۔

چنانچہ "ابن حجر کی مایوسی" کے عنوان کے تحت فرماتے ہیں۔

حافظ ابن حجر مرحوم جو بڑے پائے کے مُحدّث اور حدیث نبویؐ کے شارح گزرے ہیں۔ آپ نے جب محسوس کیا کہ بخاری کی دونوں سندیں توثیق اور پشتیبانی کا حق ادا کرنے کے باوصف اس قابل نہیں کہ زیرِ بحث حدیث کو صحیح وسچ ثابت کر سکیں تو آپ نے اہلِ بصیرت تنقید نگاروں کی توجّہ ہٹانے کے لئے اس کمزوری کا دَبے الفاظ میں اعتراف کرتے ہوئے لکھ دیا کہ بخاری کی بہ نسبت حمید طویل والی (ترمذی ونسائی کی) روایت ہی مُعتبر اور گوارا ہے۔ آپ کے الفاظ ہیں کہ احسنھا اسنادا روایۃ حمید (فتح الباری۔ ۱۳/۴۵/۵)

ابن حجرؒ کی وضاحت کے معنی یہ ہوئے کہ حدیث کی جس سند میں بھی حمید واقع ہے۔ وہی صحیح اور قابلِ اعتبار ہے۔ باقی سب ناقابلِ بھروسہ! چشم ما روشن دلِ ما شاد [1]

---

[1] عورت اور مسئلہ امارت: ص ۳۶۔

حافظ ابن حجرؒ پر بہتان

جناب رحمت اللہ طارق کا کمال ہے کہ جس کو بڑے پائے کا محدث اور حدیث نبوی کا شارح مانتے ہیں، اس پر بہتان بھی لگاتے ہیں۔ اور اپنے آپ کو اہلِ بصیرت، تنقید نگار ہونے کی سند بھی عطا فرماتے ہیں۔

اہلِ بصیرت کی بصیرت کا مشاہدہ کرنے کے لئے ضروری ہے کہ فتح الباری کا وہ حصہ نقل کر دیا جائے گا کہ جس میں سے اُنہوں نے ایک ٹکڑا لے کر حافظ ابن حجرؒ پر صریحاً الزام تراشی کی ہے۔ حافظ ابن حجرؒ حضرت ابوبکرہؓ والی حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں۔

(عوف) هو الاعرابي والحسن	"عوف وہ اعرابی ہے اور الحسن وہ
هو البصري والسند كله	بصری ہے اور سند تمام بصریوں کی ہے،
بصريون وقد تقدم القول	اور کتاب الصلح میں الحسن کا ابوبکرہؓ
في سماع الحسن من ابي بكرة	سے سماع کے بارے میں قول پہلے
في كتاب الصلح وقد تابع	گزر چکا ہے اور حمید الطویل نے الحسن سے
عوفا حميد الطويل عن	روایت کرنے میں عوف کی متابعت کی
الحسن اخرجه البزار و	ہے اس کو بزار نے روایت کیا اور اس نے کہا
قال رواه عن الحسن جماعة	کہ الحسن سے ایک جماعت نے روایت کی اور ان میں سے
واحسنها اسنادا رواية حميد[1]	سب سے اچھی سند حمید والی روایت کی ہے۔"

---

[1] فتح الباری: ج ۱۳ ص ۵۴۔

حافظ ابن حجرؒ پر بہتان لگانے والے "اہلِ بصیرت" تنقید نگار نے جو تاثر دینے کی کوشش کی ہے مذکورہ عبارت میں اس کا شائبہ بھی نہیں پایا جاتا۔ حافظ ابن حجرؒ نے ابن بزار کا قول نقل کیا۔ جسے "اہلِ بصیرت" نے حافظ صاحب کے کھاتے میں ڈال دیا۔ اور ابن بزار کا وہ مقصد بھی نہیں جو "اہلِ بصیرت" نے لغذ کیا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے محدثین کے عام معمول کے مطابق ذکر کیا ہے کہ عوف کی طرح حمید الطویل نے بھی حسن بصری سے عورت کی نفی کرنے والی روایت نقل کی ہے اس میں مایوسی والی کوئی بات نہیں اور نہ ہی کوئی اعتراض ہے۔

بصیرت کا یہ حال ہے کہ مذکورہ عبارت میں صاف لکھا ہے کہ حسن بصری کا حضرت ابوبکرہؓ سے سماع ثابت ہے لیکن وہاں بصیرت اندھی ہوگئی اور ان الفاظ پر "روشن" ہوگئی کہ جن میں کج بحثی کی کوئی گنجائش نکل سکتی تھی۔

حُمید الطویل کے بارے میں ائمہ رجال کے اقوال

امام یحییٰ بن معینؒ نے فرمایا۔ حمید الطویل ثقہ ہیں عبدالرحمٰن سے مروی ہے کہ میں نے اپنے باپ کو فرماتے سنا حمید الطویل ثقہ ہیں اور ان (کی روایت) میں کوئی حرج نہیں[1]

العجلی نے کہا کہ بصری ثقہ ہیں۔ ابو حاتم کا قول ہے کہ ان میں کوئی حرج نہیں۔

ابن خراش کا کہنا ہے کہ ثقہ صدوق ہیں۔ امام نسائیؒ نے فرمایا کہ وہ ثقہ ہیں۔

ابن عدی کا قول ہے کہ اُن کے لئے بہت سی احادیث مستقیمہ ہیں اور اُن سے بہت ائمہ نے روایت کی ہے۔ اُن کی وفات اس حال میں ہوئی کہ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ ابن حبانؒ نے ان کا ذکر ثقات میں کیا ہے[2]

---

[1] کتاب الجرح والتعدیل۔ جلد ۳۔ ص ۲۱۹۔

[2] تہذیب التہذیب۔ جلد ۳ ص ۳۹۔ ۴۰۔

امام الذہبیؒ کا فرمان ہے کہ حضرت انسؓ سے بہت سی احادیث میں ان کے سماع کی صراحت ہو چکی ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انہوں نے بیس سے اوپر حضرت انسؓ سے حدیثیں سُنیں اور باقی تدلیسًا بیان کرتے تھے۔ یونس سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ ہم میں حمید جیسے کثرت سے پیدا فرمائے۔[1]

ابن سعد نے کہا کہ وہ ثقہ ہیں اور بہت سی حدیثیں بیان کرنے والے ہیں لیکن لیبا اوقات انسؓ سے تدلیس کرتے ہیں[2] ان سے شعبہ، مالک، سفیان ثوری اور سفیان بن عیینہ اور حماد جیسے ائمہ حدیث کے علاوہ اور بھی محدثین نے احادیث روایت کی ہیں[3]

اہل بصیرت تنقید نگار حضرات کی بصیرت سے حمید الطویل کے ثقہ وصدوق ہونے والے اقوال تو اوجھل رہ گئے لیکن ان کی تدلیس پر اٹک گئی اور فاتحانہ انداز میں یہ بھی رقم فرمایا کہ امام ابن عدی اور امام عقیلی نے اس کو ضعفاء اور مجروح راویوں کے خانے میں ڈال دیا ہے۔

جہاں تک ان کی تدلیس کا تعلق ہے تو وہ صرف حضرت انسؓ کا نام لے کر بیان کی گئی ہے۔ اور یہ بھی صراحت کر دی گئی ہے کہ ان کا سماع بھی حضرت انسؓ سے ثابت ہے۔

رہی بات یہ کہ امام ابن عدیؒ اور امام عقیلیؒ نے ان کو ضعفاء اور مجروحین کے خانے میں ڈال دیا تو کسی راوی یا امام کا ضعفاء کی کتاب میں نام آجانے سے جرح ثابت نہیں ہو جاتی۔ اگر یہی اصول اپنایا ہے تو مذاہب کے چار اماموں میں سے حضرت امام ابو حنیفہؒ کا نام بھی اسی خانے میں نظر آتا ہے۔[4]

---

[1] تذکرۃ الحفاظ: جلد ۱ ص ۱۵۲ - ۱۵۳۔

[2] طبقات ابن سعد: جلد ۷ ص ۲۵۲۔

[3] تہذیب الکمال: جلد ۱ ص ۲۵۸۔

[4] کتاب الضعفاء الکبیر: جلد ۴ ص ۲۶۸

جن کا حوالہ محدود بالقذف کی گواہی کے مقبول نہ ہونے کے بارے میں بڑے زور شور سے دیا گیا ہے۔

حافظ ابن حجرؒ نے ابن عدی کا یہ قول نقل کر کے حمید الطویل کی ثقاہت ثابت کر دی ہے کہ ان کے لئے بہت سی احادیثِ مستقیمہ ہیں اور ان سے بہت سے ائمہ نے روایت کی ہے۔

کتاب الضعفاء کے حاشیہ میں حمید الطویل کے بارے میں الدکتور عبد المعطی امین قلعجی نے ائمہ و رجال وحدیث کا حوالہ دے کر ان کی ثقاہت کو بے داغ کر دیا ہے۔

امام الذہبیؒ نے فرمایا کہ وہ ثقہ جلیل ہیں۔ اور ان کے نام کے ساتھ "ع" لگا کر ظاہر کیا ہے، کہ وہ صحاح ستہ کے راویوں میں سے ہیں[1] امام بخاری۔ امام مسلم، امام ترمذی، امام نسائی، امام ابوداؤد، اور امام ابن ماجہ کو راویوں کی پرکھ کرنے کی اتنی بھی سمجھ نہ تھی کہ جتنی "اہلِ بصیرت" تنقید نگار اور "روشن خیال" حضرات کو ہے۔

امام ترمذیؒ نے کتاب الفتن میں حضرت ابوبکرہؓ سے یوں روایت نقل کی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بات سنی تھی اور اس کے ذریعے اللہ نے مجھے بچا لیا وہ بات یہ تھی کہ جب کسریٰ (ایران) ہلاک ہوا تو آپؐ نے دریافت فرمایا کہ کس کو انہوں نے تخت پر بٹھایا؟ صحابہؓ نے عرض کیا۔ اس کی بیٹی کو۔ آپ نے فرمایا جو قوم اپنا معاملہ عورت کے سپرد کرے گی وہ کبھی فلاح نہیں پائے گی۔ حضرت ابوبکرہؓ کا کہنا ہے کہ جب حضرت عائشہ بصرہ تشریف لائیں تو مجھے آپ کا یہ فرمان یاد آ گیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کے ذریعے بچا لیا۔

امام ترمذیؒ نے پوری حدیث نقل کرنے کے بعد لکھا ہے۔

ھذا حدیث صحیح[2] "یہ حدیث صحیح ہے۔"

---

[1] میزان الاعتدال، جلد ۱ ص ۶۱۰

[2] جامع الترمذی: جلد ۲ ص ۶۱۔

امام ترمذی کا معمول ہے کہ جب کوئی حدیث اپنی جامع میں لاتے ہیں تو اس کی صحت کی وضاحت بھی کر دیتے ہیں۔ امام ترمذیؒ ۲۰۹ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۷۹ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ اگر اس حدیث میں ان کو کوئی سیاسی رنگ نظر آتا یا اس میں وہ کوئی عیب پاتے تو اپنی عادت کے مطابق اس کی ضرور نشاندہی کرتے۔

ائمہ رجال نے حضرت انسؓ کے بارے میں حمید الطویل پر سمعت، حدثنا یا اخبرنا کی پابندی اس لئے لگائی ہے تاکہ اس بات کی وضاحت ہو جائے کہ کونسی حدیث انہوں نے بلا واسطہ حضرت انسؓ سے سُنی اور کونسی اپنے اُستاد کا واسطہ چھوڑ کر بیان کر رہے ہیں۔ ائمہ رجال نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی حفاظت کی خاطر جو معیار قائم کیا ہے، علمائے اُمت کو اس پر فخر ہے اور اس معیار پر جو راوی پورا نہیں اُترتا۔ اس کی روایات ٹھکرانے میں کسی کو اختلاف نہیں لیکن دیکھنا تو یہ ہے کہ اہلِ بصیرت تنقید نگار نے حمید الطویل پر جو اعتراض کیا ہے کیا وہ درست ہے؟

پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ تدلیس کا معنیٰ ہے کہ راوی اپنے اُستاد کا واسطہ چھوڑ کر اُوپر والے راوی سے بیان کرے اور یہ بات ترمذی کی روایت میں نہیں پائی جاتی۔ کیونکہ حمید الطویل اپنے استاد حسن بصری سے اور وہ اپنے استاد حضرت ابوبکرہؓ سے روایت کر رہے ہیں۔ تینوں بصری تھے۔ جس سے ان کا سماع اور ملاقات کا ہونا بھی ثابت ہو جاتا ہے۔ لہٰذا حضرت انسؓ کے بارے میں لگائی گئی پابندی سے یہاں فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا۔ اور جب امام ترمذیؒ نے خود روایت کے صحیح ہونے پر گواہی دے دی تو ہر قسم کا اعتراض رفع ہو جاتا ہے۔

ترمذی والی سند کے ساتھ حضرت ابوبکرہؓ سے مروی حدیث امام نسائیؒ نے بھی نقل کی ہے اور انہوں نے اس پر عنوان باندھا ہے۔

النھی استعمال النسآء فی الحکم[1] عورتوں کو حاکم بنانے کی ممانعت

---

[1] سنن النسائی۔ جلد ۲ ص ۳۰۱

الفاظ کی کمی بیشی کے ساتھ امام احمد بن حنبل اور امام حاکم نے بھی حمید الطویل والی سند کے ساتھ یہی حدیث نقل کی ہے[1] جس سے ثابت ہوتا ہے کہ چاروں اماموں کے نزدیک حمید الطویل ثقہ تھے۔ اگر ان کی ثقاہت میں ضعف ہوتا تو وہ کبھی بھی ان کی روایت کو قبول نہ کرتے۔

امام الذہبیؒ نے بھی المستدرک کی تلخیص میں اسی روایت کو نقل کر کے حمید الطویل پر کوئی اعتراض نہیں کیا ہے[2] جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ روایت ہر قسم کے سقم سے پاک ہے۔

مُبارکؒ بن فضالہ

عورت کی سربراہی کی نفی کرنے والے مسند احمد[3] کے رُواۃ میں سے ایک راوی مُبارکؒ بن فضالہ ہیں۔ ان کے بارے میں جناب رحمت اللہ طارق نے امام ابوزرعہ، امام ابوداؤد طیالسی اور امام احمد بن حنبلؒ کے اقوال نقل کئے ہیں کہ وہ مدلس تھے۔ امام نسائیؒ ان کو ضعیف کہتے تھے۔ امام یحیٰی بن قطان اُن کی خوبیوں کا اعتراف کرنا حرام سمجھتے تھے[4]

جناب رحمت اللہ طارق صاحب چونکہ "اہلِ بصیرت" تنقید نگار ہیں۔ لہٰذا کسی راوی، محدّث یا امام کی اچھائی ان کی "بصیرت" کو گوارا نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب میں صرف تنقید کو اجاگر کرنے کا عزم کر رکھا ہے۔ مبارکؒ بن فضالہ کے بارے میں بھی انہوں نے یہی انداز اختیار کیا ہے۔ ائمہ

---

[1] مسند احمد، جلد ۵ ص ۴۳۔ المستدرک جلد ۴ ص ۲۹۱۔

[2] تلخیص للحافظ الذہبی حاشیہ المستدرک جلد ۴ ص ۲۹۱۔

[3] مسند احمد۔ جلد ۵ ص ۵۱۔

[4] عورت اور مسئلہ امارت۔ ص ۳۹۔

رجال نے ان کی توصیف میں جو کچھ کہا اور لکھا ہے اس کو کمال چابکدستی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اہلِ علم اور عوام الناس سے اوجھل کرنے کی کوشش کی ہے۔ عوام الناس پر اُن کا مکر و فریب تو چل سکتا ہے لیکن اہلِ علم کو دھوکہ نہیں دیا جا سکتا۔

امام یحییٰ قطان کے بارے میں اُنہوں نے لکھا ہے کہ وہ مُبارک بن فضالہ کی خوبیوں کا اعتراف کرنا حرام سمجھتے تھے۔ حالانکہ انہی کے بارے میں امام ابُوحاتم۔ امام ابوالذہبی۔ امام ابن عدی اور حافظ ابن حجرؒ نے نقل کیا ہے۔

کان یحسن الثناء علیہ[1] "کہ وہ ان کی اچھی تعریف کرتے تھے"

امام الذہبیؒ نے مُبارک بن فضالہ کا تعارف یُوں کرایا ہے۔

الامام الکبیر من کبار علماء البصرۃ[2] "کہ وہ امام کبیر اور کبار علمائے بصرہ میں سے تھے"

ان کے نام کے ساتھ دت ق لکھ کر ظاہر کیا ہے کہ وہ ابُوداؤد۔ ترمذی اور ابن ماجہ کے رجال میں سے تھے۔ یحییٰ بن معینؒ نے ان کو صالح کہا[3] عفان ان کو بلند کرتے۔ ان کی توثیق کرتے اور کہا کرتے تھے کہ وہ عابد و زاہد لوگوں میں سے تھے[4] تہذیب التہذیب میں یہ بھی منقول ہے کہ عفان ان کو معتبر کہتے تھے۔ ابن ابی خثیمہ کا کہنا ہے کہ ابن معین نے ان کو ثقہ کہا۔

ابن عدی کا قول ہے

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۲۰۰۔ کتاب الجرح والتعدیل جلد ۸ ص ۳۳۹۔ میزان الاعتدال جلد ۳ ص ۴۳۱
تہذیب التہذیب جلد ۱۰ ص ۲۹۔

[2] تذکرۃ الحفاظ۔ جلد ۱ ص ۲۰۰۔

[3] تذکرہ۔ جلد ۱ ص ۲۰۰۔ میزان۔ جلد ۳ ص ۴۳۱۔

[4] تذکرہ۔ جلد ۱ ص ۲۰۱۔

- عامة احادیثه ارجوان تکون مستقیمة[1] — "مَیں اُمید کرتا ہوں کہ ان کی عام احادیث صحیح ہوں گی۔"

امام احمد بن حنبلؒ کا فرمان ہے۔

ما رواہ عن الحسن یحتج[2] — (مُبارکؒ بن فضالہ) جو حسن بصری سے روایت کریں وہ حجت ہوگا۔"

امام احمد بن حنبلؒ نے یہ فیصلہ اس لئے دیا کیونکہ کتب رجال کے مطابق مبارک بن فضالہ حضرت حسن بصری کی خدمت میں تیرہ سال رہے جس سے ثابت ہو جاتا ہے کہ مبارک بن فضالہؒ نے حضرت حسنؒ سے احادیث سنیں۔ لہٰذا عورت کی سربراہی کی نفی کرنے والی حدیث میں تدلیس کا کوئی وجود نہیں رہتا۔ ائمہ حدیث و رجال کے نزدیک جب مدلس کی اپنے استاد سے ملاقات اور اس سے حدیث کا سننا ثابت ہو جائے تو پھر اس کی روایت کردہ حدیث پر کسی قسم کا اعتراض نہیں کیا جاتا۔

امام بخاریؒ نے مبارکؒ بن فضالہ کے حضرت حسن بصری سے سماع کی اس طرح صراحت کی ہے۔

سمع الحسن[3] — انہوں نے الحسن کو سُنا

جب امام بخاریؒ جیسے محدّث کہہ دیں کہ حضرت حسن بصریؒ سے مبارک بن فضالہ نے سنا۔ اور امام احمدؒ بن حنبل فرمائیں کہ مبارکؒ بن فضالہ جو حدیث حضرت حسنؒ سے روایت کریں وہ قابلِ حجّت ہوگی تو پھر اہلِ بصیرت تنقید نگار حضرات کی تنقید کی کوئی وقعت نہیں رہتی۔

---

[1] الکامل۔ جلد ۶ ص ۲۳۲۲۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد ۱ ص ۲۰۱

[2] تذکرۃ۔ جلد ۱ ص ۲۰۱۔ تہذیب التہذیب جلد ۱۰۔ ص ۲۹۔ میزان۔ جلد ۳۔ ص ۴۳۱

[3] تاریخ الکبیر۔ جلد ۷ ص ۴۲۶۔

دلچسپ پہلو

مبارک بن فضالۃ والی سند کا ایک دلچسپ پہلو یہ بھی ہے کہ مسند احمد میں امام احمد بن حنبلؒ نے اس کو دو مرتبہ اس طرح نقل کیا ہے کہ دونوں سندوں میں مبارک بن فضالۃ کے نیچے کے راوی مختلف ہو جاتے ہیں۔ ایک میں یزید بن ہارون اور دوسری میں عفان ہیں[1]

امام ابن عدیؒ نے تیسری سند میں مبارک کے نیچے حوثرہ اور ابو یعلی کا ذکر کیا ہے[2]

تینوں ہی سندوں میں مبارک بن فضالۃ کے استاد الحسن مذکور ہیں جس سے مبارک بن فضالۃ پر عورت کی سربراہی کی نفی کرنے والی روایت میں تدلیس کا سہارا لے کر مغالطہ دینے کی کوشش ناکام ہو جاتی ہے۔

حماد بن سلمۃ

ائمہ رجال کا معمول ہے کہ جب کسی راوی کا ذکر کرتے ہیں تو جرح و تنقید کرتے ہوئے اس کے بارے میں کہے گئے تعریفی کلمات کو نظر انداز نہیں کرتے جو کچھ اس کی تعدیل میں مذکور یا منقول ہوتا ہے اس کو پیش کرنے میں ذرا سی بخیلی کا بھی مظاہرہ نہیں کرتے۔ راوی کے حق میں یا اس کے خلاف اقوال میں ہیری پھیری کے مرتکب نہیں ہوتے بلکہ اپنی معلومات کو امانت و دیانت کے ساتھ ضبط کر دیتے ہیں۔ لیکن اہل بصیرت تنقید نگار حضرات کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ انہوں نے عورت کی سربراہی کو ثابت کرنے کے لئے ہر راوی کی عدالت و ثقاہت کو ٹھکرانے اور ہر حربے سے اس کو ضعیف و مجروح ثابت کرنے کے لئے کمر کس رکھی ہے۔

---

[1] مسند احمد: جلد ۵ ص ۴۷۔ ص [2] الکامل: جلد ۶ ص ۲۳۲۱۔

مسند احمد[1] کی دوسری روایت کی سند کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اس میں ابوبکرہؓ کا شاگرد اس کا اپنا بیٹا عبدالرحمٰن بصری دکھلایا گیا ہے۔ لیکن اس سند کی کیفیت بھی اس تربوز کی مانند ہے جو باہر سے تو نہایت خوش رنگ اور جاذبِ نظر ہو مگر اندر سے گلا سڑا ہو۔ کیونکہ حماد بن سلمہ جس نے ستر بیویاں کی تھیں۔ اس کا حافظہ خراب ہو چکا تھا۔ ابن ابی العوجا نامی ایک شخص نے اس کی تصانیف کو اپنے افکار سے بھر دیا تھا۔ یہ حماد وہی بزرگ ہیں جنہوں نے ابن عباس کے نام سے ایک روایت مشہور کر رکھی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ سبحانہ کو ایک گھبرو نوجوان کی صورت میں اس حال میں دیکھا کہ آپ کے سامنے موتیوں کی چادر کا پردہ آویزاں تھا۔ اور اللہ کے ہاتھ پاؤں سبز رنگ کی جھلک دے رہے تھے۔ وغیرہ۔ امام ذہبیؒ نے حماد کی بدترین روایت اسے قرار دے کر واضح کیا ہے کہ وہ ایسی خرافات بیان کرنے سے گریز نہیں کیا کرتا تھا۔ ابراہیم بن عبدالرحمٰن مہدی کا کہنا ہے کہ صفات کی حدیثیں اس کے پاس نہیں تھیں۔ لیکن ایک بار عبادان گیا (بصرے سے غالباً ۱۲ میل دور ساحل ایران پر) اور جب واپس آیا تو صفات کی حدیثیں بیان کرنے لگا اور وہ بھی غلط۔ کیونکہ وہاں تو کوئی بھی محدث نہیں تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ شط العرب سمندر سے شیطان آیا اور اس نے تعلیم دی۔ وغیرہ

یہ تو ہوا تلمیذ الشیطان جناب حماد کا تعارف۔

محاسبہ

جناب رحمت اللہ طارق کا ایک عظیم الشان محدث کے بارے میں انداز تحریر اگرچہ انتہائی غیر مناسب ہے۔ لیکن علمی تحقیق کو الجھاؤ سے بچاتے ہوئے امام ذہبیؒ نے جو کچھ حماد بن سلمہؒ کے ترجمہ

---

[1] مسند احمد۔ جلد ۵ ص ۵۰۔

میں ان کی اچھائی کے بارے میں لکھا ہے یا نقل کیا ہے وہ پیش کیا جاتا ہے تاکہ معلوم ہو سکے کہ اہلِ بصیرت تنقید نگار امانت و دیانت کے سلسلے میں کتنے پست واقع ہوئے ہیں

امام الذہبیؒ کا فرمان ہے۔ وہ ثقہ تھے۔

امام احمدؒ نے فرمایا کہ وہ اپنے خالو حمید الطویل کی حدیث کو لوگوں میں سب سے زیادہ جاننے والے اور اس کے بارے میں ان سے زیادہ ثابت تھے۔

امام یحییٰ بن معینؒ کا قول ہے کہ حضرت ثابتؒ کے بارے میں لوگوں میں سب سے زیادہ جاننے والے وہی تھے [۱]

حماد بن سلمہ کے بارے میں یہ بھی منقول ہے:۔

کان یعد من الابدال	"ان کا شمار ابدال میں ہوتا تھا اور
وعلامۃ الابدال ان لا	ابدال کی علامت یہ ہے کہ ان کے ہاں اولاد
یولد لھم تزوج سبعین	نہیں ہوتی۔ انہوں نے ستر شادیاں کیں
امرأۃ فلم یولد لہ [۲]	لیکن ان کے ہاں کوئی بچہ پیدا نہ ہوا"

امام ذہبیؒ نے تو ان کو ابدال میں شمار کرتے ہوئے ان کی سترؓ شادیوں کا ذکر کیا اور یہ ثابت کیا کہ چونکہ ابدال کے ہاں اولاد نہیں ہوتی، اس لئے سترؓ شادیوں کے باوجود ان کے ہاں اولاد نہ ہوئی۔ جو ان کے ابدال میں سے ہونے کی علامت ہے۔ لیکن "اہلِ بصیرت" تنقید نگار نے اس کو اور رنگ سے دیا۔ اگر اتنی کثرت سے شادیاں کرنے والا ان کے نزدیک قابلِ مذمت ہے، تو انبیاء

---

[۱] میزان الاعتدال۔ جلد ۱ ص ۵۹۰۔

[۲] میزان۔ جلد ۱ ص ۵۹۱۔ تذکرۃ الحفاظ۔ جلد ۱ ص ۲۰۲۔ تہذیب التہذیب جلد ۳ طبع ۱۳۔

علیہم السلام اور صحابہؓ میں بھی ایسے تھے جنہوں نے یہ کام کیا۔ شریعت میں ایک وقت میں چار سے زیادہ بیویوں کو نکاح میں رکھنے کی اجازت نہیں۔ اگر حماد بن سلمہؒ نے شریعت کی پابندی کرتے ہوئے زیادہ شادیاں کیں تو شرعی اعتبار سے اس پر گرفت نہیں ہو سکتی۔

حضرت ابوبکرہؓ کی حدیث کو اس لئے ٹھکرا دیا کہ انہوں نے حضرت مغیرہؓ بن شعبہ کے خلاف گواہی دی اور ان پر حدِ قذف لگی۔ انہی حضرت مغیرہ بن شعبہ کے بارے میں منقول ہے۔

احصن المغيرة ثلثمائة امرأة وقيل الف امرأة و قيل مائة امرأة وقيل ثمانين امرأة [1]	"مغیرہ بن شعبہؓ نے اسلام میں تین سو شادیاں کیں اور کہا گیا ہے کہ ایک ہزار اور کہا گیا ہے کہ ایک سو۔ اور کہا گیا ہے کہ اسّی شادیاں کیں"

اسد الغابہ اور الاستیعاب میں تین سو اور ایک ہزار کے ساتھ "فی الاسلام" بھی مروی ہے۔

حضرت حسنؓ بن علیؓ کے بارے میں حافظ ابن کثیرؒ نے نقل کیا ہے۔

يقال انه احصن سبعين مرة [2]	"کہا جاتا ہے کہ انہوں نے ستر شادیاں کیں"

حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں سید الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ مبارک ہے۔

قال لا طوفن الليلة على مائة امرأة او تسع وتسعين	"انہوں نے فرمایا کہ میں رات کو سو یا ننانوے بیویوں کے پاس جاؤنگا

---

[1] البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۴۹ - اسد الغابہ - جلد ۵ ص ۲۴۸ - الاستیعاب - جلد ۱ ص ۲۵۱۔

[2] البدایۃ والنہایۃ - جلد ۸ ص ۳۸ -

کلھن تاتی بفارس یجاھد	اور ان میں سے ہر ایک شہسوار جنے گی جو
فی سبیل اللہ فقال لہ صاحبہ	اللہ کی راہ میں جہاد کرے گا۔ ان کے ایک
قل ان شاء اللہ فلم یقل	ساتھی نے کہا، آپ انشاء اللہ (اگر اللہ
ان شاء اللہ فلم تحمل منھن	چاہے) کہہ دیں لیکن انہوں نے انشاء اللہ نہ کہا۔
الا امرأۃ واحدۃ جاءت	پس ان سب میں سے ایک بیوی حاملہ ہوئی اور اس نے
بشق رجل والذی نفس محمد	بھی کامل بچہ نہ جنا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم
بیدہ لو قال ان شاء اللہ	کھا کر فرمایا اگر وہ انشاء اللہ کہہ دیتے تو وہ سارے
لجاھدوا فی سبیل اللہ اجمعون[1]	اللہ کی راہ میں ضرور جہاد کرتے۔"

معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام اور صحابہؓ میں سے چند ایسے بھی تھے کہ جنہوں نے کثرت سے شادیاں کیں۔ اگر تابعینؒ اور تبع تابعینؒ میں سے کسی نے شریعت کی حدود میں رہتے ہوئے ایسا کیا تو یہ باعثِ طعن نہیں ہو سکتا۔

امام ذہبیؒ نے حماد بن سلمہ کے بارے میں ابو عمر الجرمی کا قول نقل کیا ہے۔

ما رایت اشد مواظبۃ علی	"میں نے ان سے بڑھ کر بھلائی، تلاوتِ
الخیر وقرأۃ القرآن والعمل	قرآن اور اللہ کے لئے انتہائی باقاعدگی کے
للہ منہ[2]	ساتھ کوئی عمل کرنے والا نہیں دیکھا۔"

یونس مؤدب کا کہنا ہے۔

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الجہاد۔ ص ۳۹۵

[2] میزان الاعتدال: جلد ا ص ۵۹۱ ۔ تذکرۃ الحفاظ: جلد ا ص ۲۰۳

مات حماد فی المسجد وھو یصلی [1] — "حمّاد کی وفات مسجد میں اس حال میں ہوئی کہ وہ نماز پڑھ رہے تھے۔"

وہیب سے منقول ہے۔

کان حماد بن سلمۃ سیّدنا واعلمنا [2] — "حمّاد بن سلمہ ہمارے سردار اور ہم میں زیادہ علم والے تھے۔"

عفان سے مروی ہے کہ ہمارے ساتھیوں میں سعید بن ابی عروبہ اور حماد بن سلمہ کے بارے میں اختلاف ہوا، خالد بن الحارث کے پاس گئے اور ان سے پوچھا تو انہوں نے کہا۔

حماد احسنھما حدیثا واثبتھما لزوما للسنۃ [3] — "حدیث کے بارے میں دونوں میں سے احسن اور اثبت اور سنت کو لازم رکھنے والے حماد ہیں۔"

امام احمد بن حنبلؒ اور امام یحییٰ بن معینؒ نے فرمایا کہ حماد ثقہ ہیں اور امام ابن المدینیؒ کا ارشاد ہے۔

من سمعتموہ یتکلم فی حماد فاتھموہ [4] — "حمّاد کے بارے میں جس کو کلام کرتے سنو تو اس کے صدق و دین میں شک کرو۔"

یہی حکم امام احمد بن حنبلؒ کی طرف سے ہے اور ان کا فرمان ہے کہ اس کے اسلام میں شک کرو [5]

---

[1] میزان جلد ۱ ص ۵۹۱ ۔ تذکرۃ الحفاظ ۔ جلد ۱ ص ۲۰۳ ۔ حلیۃ الاولیاء : جلد ۶ ص ۲۵۰ ۔

[2] میزان الاعتدال : جلد ۱ ص ۵۹۲ ۔ تذکرہ : جلد ۱ ۔ ص ۲۰۲ ۔

[3] میزان الاعتدال : جلد ۱ ص ۵۹۲

[4] میزان ، جلد ۱ ص ۵۹۲ ۔ تہذیب التہذیب ۔ جلد ۳ ص ۱۵ ۔ الکامل لابن عدی جلد ۲ ص ۶۸۲ ۔ ۶۷۱ ۔

[5] تذکرۃ الحفاظ ۔ جلد ۱ ص ۲۰۳ ۔ الکامل لابن عدی : جلد ۲ ، ص ۶۸۲

امام عفان سے ایک شخص نے کہا، میں آپ کو حماد سے حدیث سناتا ہوں۔ انہوں نے پوچھا، کس حماد کی بات کرتے ہو؟ تیری خرابی ہو۔ اس شخص نے کہا۔ ابن سلمہ کی بات کرتا ہوں۔ امام عفان نے فرمایا۔

الا تقول امیر المؤمنین [1] "تو امیر المؤمنین (فی الحدیث) کیوں نہیں کہتا"

صریحًا دھوکہ

امام ذہبیؒ نے حماد بن سلمہ کی مدح میں ائمہ رجال کے جو اقوال نقل کئے۔ "اہلِ بصیرت" تنقید نگار کو وہ نظر نہ آئے۔ لیکن چار سے زیادہ صفحات میں سے وہی بات پسند آئی جو حماد بن سلمہ پر زبردست بہتان ہے۔ اور جس کی وضاحت بھی ساتھ ہی مذکور ہے۔ حماد بن سلمہ کے عبادان جانے والی روایت کی سند اس طرح ہے۔

الدولابی حدثنا محمد بن شجاع ابن الثلجی حدثنا ابراھیم بن عبد الرحمٰن ابن مہدی ......

پوری روایت نقل کرنے کے بعد امام ذہبیؒ نے وضاحت کی ہے۔

قلت ابن الثلجی لیس بمصدق	میں نے کہا۔ ابن الثلجی حماد اور ان جیسوں
علی حماد وامثالہ وقد اتھم	کی تصدیق کرنے والا نہیں۔ اس نے بہتان
نسأل اللہ السلامۃ [2]	لگایا ہے۔ ہم اللہ سے سلامتی چاہتے ہیں"

الکامل میں اسی ابن الثلجی کے بارے میں منقول ہے۔

---

[1] میزان۔ جلد ا۔ ص ۵۹۲۔ الکامل لابن عدی۔ جلد ۲ ص ۶۷۱

[2] میزان الاعتدال: جلد ا ص ۵۹۳۔

قال الشیخ و ابوعبداللہ بن	"شیخ نے فرمایا کہ ابوعبداللہ بن الثلجی
الثلجی کذاب کان یضع	کذاب (جھوٹا) ہے۔ وہ حدیثیں گھڑا کرتا
الحدیث ویدسه فی	تھا۔ اور ان کو اصحاب الحدیث کی کتابوں
کتب اصحاب الحدیث	میں چالاکی سے کفریات والی احادیث داخل
باحادیث کفریات فھذہ	کر دیتا پس یہ احادیث اس کی چالاکی سے
الاحادیث من تدسیسه[1]	داخل کی گئی احادیث میں سے ہیں۔"

حافظ ابن حجرؒ نے امام ذہبیؒ کی تحقیق کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ عباد بھی کچھ نہیں یعنی جھوٹی روایت کے دوسرے حصے کے راوی عباد کو بھی لیس بشئی[2] کہہ کر اہلِ بصیرت "تنقید نگار" کا دھڑن تختہ کر دیا ہے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ تلمیذ الشیطان وہ ہے جو جان بوجھ کر لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتا ہے بات کے واضح ہونے کے باوجود دھوکہ دہی کو اپناتا ہے۔ ائمہ حدیث پر کیچڑ اچھالتا ہے۔ احادیث کے بارے میں شکوک پیدا کرنے میں کوشاں ہے۔

بہتان بازی اور الزام تراشی سے پہلے دیکھ لیا ہوتا کہ ابن الثلجی نے جس ابراہیم کا نام استعمال کیا ہے۔ اس کے باپ عبدالرحمٰن بن مہدی نے حماد بن سلمہ کے بارے میں کیا کہا ہے؟ امام بخاریؒ نے عمرو بن علی سے نقل کیا کہ اس نے کہا۔

سمعت عبدالرحمٰن بن مہدی	میں نے عبدالرحمٰن بن مہدیؒ کو کہتے ہوئے سُنا کہ

---

[1] الکامل لابن عدی۔ جلد ۲ ص ۶۸۶۔

[2] تہذیب التہذیب۔ جلد ۳ ص ۱۵۔

یقول لم ار احدا مثل حماد بن سلمة ومالك بن انس کان یحتسبان فی الحدیث[1]

"میں نے حماد بن سلمہ اور مالک بن انسؒ جیسا کسی کو نہیں دیکھا دونوں حدیث میں احتساب کرتے تھے"۔

عبدالرحمنؒ بن مہدی حماد بن سلمہ کے بارے میں اچھی رائے رکھتے تھے[2]

امام ذہبیؒ اور حافظ ابن حجرؒ نے ابن مہدی کے ایک خوبصورت قول کا ذکر کیا ہے۔

ولو قیل لحماد انك تموت غدا ما قدر ان یزید فی عمله شیئا[3]

"اگر حماد سے کہا جائے کہ کل آپ کی موت واقع ہو جائے گی تو وہ اپنے عمل میں کچھ اضافہ کرنے پر قادر نہیں ہوں گے"۔

یعنی ایک مومن کو اللہ کی خوشنودی کے حصول کے لئے جو کچھ کرنا چاہئے وہ پہلے ہی اس میں مصروف و مشغول تھے۔

امام ابن عدیؒ اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے اصمعی کے حوالے سے نقل کیا کہ اس نے عبدالرحمٰن بن مہدی کو حماد بن سلمہ کا ذکر کرتے ہوئے سُنا۔ اُنہوں نے کہا:

حماد بن سلمة صحیح السماع حسن اللقی ادرك الناس لم یتهم بلون الالوان ولم

"حماد بن سلمہ صحیح سماع اور اچھی ملاقات والے تھے۔ لوگوں کو پایا لیکن انہوں نے کسی قسم کا بہتان نہیں لگایا۔ نہ کسی شئ میں ان کو

---

[1] تاریخ الکبیر: ج ۳ - ص ۲۲۔

[2] الکامل لابن عدی: جلد ۲ - ص ۶۷۲۔

[3] میزان الاعتدال: جلد ۱ ص ۵۹۱ - تہذیب التہذیب: جلد ۳: ص ۱۳۔

تیلبس بشیٔ احسن ملکۃ:	التباس ہوا۔ اپنے نفس اور اپنی زبان کو۔
نفسہ ولسانہ ولم یطلقہ	اچھی طرح قابو میں رکھا اور کسی پر زبان دراز ی
علی احد ولا ذکر خلقتا	نہیں کی اور نہ کسی کی برائی کی۔ اس سے محفوظ
بسوء فسلم حتی مات [1]	رہے، یہاں تک کہ فوت ہو گئے۔"

عبدالرحمن بن مہدی کا یہ بھی کہنا ہے کہ سفیان ثوری نے حماد بن سلمہ کی طرف دیکھا اور ان سے کہا۔ اے ابا سلمۃ! میں آپ کی مشابہت ایک صالح انسان سے پاتا ہوں۔ انہوں نے پوچھا۔ وہ کون ہے؟ کہا وہ عمرو بن قیس الملائی ہے [2]

ظاہر ہے کہ باپ سے ایسے اقوال سننے کے بعد ان کا بیٹا وہ نہیں کہہ سکتا تھا جو ان کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔ اسی لئے امام ابن عدیؒ، امام ذہبیؒ اور حافظ ابن حجرؒ نے حماد بن سلمہ کے بارے میں زبان درازی کرنے والے راویوں کی حقیقت بیان کر دی کہ ان میں سے عباد کچھ بھی نہیں یعنی اس کی روایت کا کوئی اعتبار نہیں اور ابن الثلجی کذاب اور وضاع ہے۔

کیسی عجیب بات ہے کہ عورت کی ولایت کی نفی کرنے والی روایت کے راویوں پر اعتراض کرنے والوں کا اپنا یہ حال ہے کہ دلیل کے طور پر ایسے لوگوں کی روایت پیش کرتے ہیں۔ جو خود ائمہ رجال کے نزدیک جھوٹے اور حدیثیں گھڑنے والے ہیں۔ اس سے بڑھ کر دھوکہ، فریب اور دجل کیا ہو سکتا ہے؟ ایسے ترلوبز کی مثال جو باہر سے نہایت خوش رنگ اور جاذب نظر ہو مگر اندر سے گلا سڑا ہو۔ کس پر فٹ آتی ہے؟ قارئین اس کا فیصلہ خود کر سکتے ہیں۔

---

[1] الکامل لابن عدی: جلد ۲۔ ص ۶۷۳۔ تہذیب التہذیب: جلد ۳۔ ص ۱۳-۱۲۔

[2] الکامل: جلد ۲۔ ص ۶۷۳۔

حماد بن سلمہ پر یہ الزام بھی لگا دیا کہ ان کا حافظہ خراب ہو چکا تھا یعنی تاثر یہ دینے کی کوشش کی کہ جب وہ حدیثیں سنتے سناتے تھے۔ اس وقت ان کا حافظہ درست نہ تھا۔ لہٰذا ان سے مروی روایت ٹھیک نہیں ہو سکتی، حالانکہ حافظ ابن حجرؒ نے حماد بن سلمہ کے بارے میں امام بیہقی کی وضاحت ان الفاظ میں نقل کی ہے

ھو احد ائمة المسلمین	"وہ مسلمانوں کے ائمہ میں سے ایک
الا انه لما کبر ساء	ہیں۔ مگر جب بوڑھے ہوئے تو ان کا
حفظه [1]	حافظہ خراب ہو گیا تھا۔"

بڑھاپے میں کسی راوی کے حافظے میں خلل آنے سے اس کی وہ روایات ٹھکرائی نہیں جاتیں جو اس نے خلل آنے سے پہلے روایت کی ہوں۔ اس کی وضاحت و صراحت پہلے ہی اچھی طرح کر دی گئی ہے۔ اس لئے یہ اعتراض بھی فضول ہے۔

رہی بات کہ حماد بن سلمہ نے ابن عباسؓ کے نام سے روایت مشہور کر رکھی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ سبحانہ کو گھبرو نوجوان کی صورت میں دیکھا اور امام ذہبیؒ نے حمادؒ کی اس روایت کو بدترین قرار دیا ہے۔ تو یہ بھی درست نہیں۔ اور یہ بھی حماد بن سلمہؒ پر بہتان ہے۔

رؤیت باری تعالیٰ کے سلسلے میں امام مسلمؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے دو روایتیں نقل کی ہیں، لیکن دونوں ہی سندوں میں حماد بن سلمہؒ کا نام موجود نہیں [2]

اسی طرح حافظ ابن کثیرؒ نے بھی مسند احمد کے حوالے سے ابن عباسؓ سے ایسی ہی روایت نقل کی ہے کہ جس کی سند میں حماد بن سلمہ موجود نہیں [3]

---

[1] تہذیب التہذیب جلد ۳ ص ۱۴۔

[2] صحیح مسلم: جلد ا ص ۹۸۔

[3] تفسیر ابن کثیر: جلد ۴ ص ۲۵۰۔

امام ذہبیؒ نے حماد بن سلمہؒ والی روایت کو مختلف اسناد کے ساتھ ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے۔

فھذا من انکر ما اتی به حماد	حماد بن سلمہ نے جو روایت کیا اس میں سے
بن سلمة وھذا الرؤیة رؤیة	جس کا سب سے زیادہ انکار کیا گیا ہے وہ یہ ہے
منام ان صحت [1]	اگر یہ روایت صحیح ہے تو یہ خواب میں رؤیت ہے"

معلوم نہیں کہ جناب رحمت اللہ طارق نے امام ذہبیؒ کے کس لفظ کا ترجمہ "بدترین روایت" کیا ہے۔

بات تو صرف اتنی ہے کہ اس روایت میں خواب کا ذکر نہیں اور حق اور سچ بھی یہی ہے کہ آپ نے خواب میں اپنے رب کو دیکھا۔

امام مسلمؒ نے ابن عباسؓ سے یہی نقل کیا ہے۔

راہ بقلبه ۔ راہ بفوادہ مرتین [2]	"آپ نے اپنے رب کو دل سے دو مرتبہ دیکھا"

ابوذر غفاریؓ نے آپ کی خدمت میں عرض کیا۔ کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا تو آپؐ نے فرمایا۔

نور انی اراہ ؟ [3]	"وہ تو نور ہے میں اسے کیسے دیکھ سکتا ہوں" ؟

امام ذہبیؒ نے روایت کلیۃً ٹھکرا نہیں دی بلکہ انہوں نے یہ کہا ہے کہ اگر یہ صحیح ہے تو یہ جاگتے ہوئے دیکھنا نہیں بلکہ سوتے ہوئے خواب میں دیکھنا ہے۔ اگر امام ذہبیؒ کو حماد بن سلمہؒ اسی طرح آتے کہ جس طرح اہلِ بصیرتؒ تنقید نگار کی بصیرت نے ان کو دیکھا ہے تو وہ کبھی یہ نہ لکھتے۔

وحماد امام جلیل وھو مفتی	"اور حماد امام جلیل ہیں اور وہ سعید بن ابی عروبہؒ
اھل البصرۃ مع سعید بن ابی عروبة [4]	کے ساتھ اہلِ شام کے مفتی ہیں"

---

[1] تفسیر ابن کثیر۔ جلد ۲ ص ۲۵۰۔

[2] صحیح مسلم۔ جلد ۱ ص ۹۸۔

[3] صحیح مسلم۔ جلد ۱ ص ۹۹۔

[4] میزان الاعتدال۔ جلد ۱ ص ۵۹۴۔

امام ابن عدیؒ نے حماد بن سلمہؒ کی کافی احادیث کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے۔ جن میں گھبرو جوان والی حدیث شامل ہے۔

هذه الاحاديث التي ذكرتها
لحماد بن سلمة ما ينفرد حماد
به امامتنا واما اسنادا
ومنه ما يشاركه فيه الناس
وحماد بن سلمة من اجلة
المسلمين وهو مفتي البصرة
ومحدثها ومقرئها وعابدها
وقد حدث عنه من الائمة
من اكبر سنا منه من الائمة
وممن هو اصغر سنا منه
من الائمة فمن اكبر سنا
منه شعبة والثوري وابن
جريج ومحمد بن اسحاق و
ممن في طبقته حماد بن
زيد وممن هو اصغر
منه سنا عبدالله بن المبارك
ويحيى بن سعيد القطان و

"حماد بن سلمہؒ کی یہ وہ احادیث ہیں کہ جن
کا ذکر میں نے کر دیا ہے۔ ان میں ایسی بھی
ہیں کہ جن میں متن یا سند کے اعتبار سے حماد منفرد
ہیں اور وہ بھی ہیں کہ جن میں ان کے ساتھ اور
لوگ بھی شریک ہیں اور حماد بن سلمہ اجل مسلمانوں
میں سے تھے۔ وہ بصرہ کے مفتی۔ ان کے
محدث، ان کے قاری اور ان کے عابد تھے۔
ائمہ کرام میں سے جو عمر میں ان سے بڑے اور
چھوٹے تھے انہوں نے ان سے احادیث
روایت کی ہیں۔ جو عمر میں ان سے بڑے
تھے۔ وہ شعبہ۔ ثوری۔ ابن جریج
اور محمد بن اسحاق ہیں، جو
ان کے ہم عمر تھے۔ وہ حماد
بن زید ہیں۔ ان سے عمر میں
جو چھوٹے تھے، وہ عبداللہ بن
مبارک، یحییٰ بن سعید
القطان اور عبدالرحمن

عبدالرحمٰن بن مہدی [۱] — بن مہدی تھے "

محدثین کے ناموں کے بغیر حافظ ابن حجرؒ نے بھی امام ابن عدیؒ کی رائے نقل کی ہے [۲]

امام العجلیؒ نے ان کو ثقہ، رجل صالح اور حسن الحدیث کہا [۳]

امام نسائیؒ سے ان کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے اس کو ثقہ قرار دیا [۴]

یہی وجہ ہے کہ حافظ ابن حجرؒ عسقلانی نے فیصلہ نقل کر دیا۔

اجماع ائمۃ اھل النقل علی ثقتہ وامانتہ۔ — ان کی ثقاہت و امانت پر ائمہ اہل نقل کا اجماع ہے [۵]

حمادؓ بن سلمہؒ کا تقویٰ

"اہل بصیرت" و "روشن خیال" حضرات ایک عورت کو خوش کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا کر جھوٹ فریب اور دھوکے سے اس کی سربراہی کو شرعی ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں تاکہ حکومت میں ان کی پذیرائی ہو سکے۔ لیکن جن کو بہتان اور الزام تراشی کا نشانہ بنایا۔ ان کے بارے میں ابو نعیم نے نقل کیا ہے کہ انہوں نے ایک آدمی سے کہا۔

---

[۱] الکامل لابن عدی: جلد ۲ ص ۶۸۰۔

[۲] تہذیب التہذیب: جلد ۳ ص ۱۵۔

[۳] تہذیب التہذیب: جلد ۳ ص ۱۵۔

[۴] ایضاً۔ ص ۱۵۔

[۵] تہذیب التہذیب: جلد ۳ ص ۱۴۔

ان دعاك الامير ان تقرأ	"اگر امیر تجھے اس لئے بلائے کہ تو
عليه قل هو الله احد	اس کو" قل ھو اللہ احد" پڑھ کر
فلا تأته [1]	سنائے۔ تو اس کے پاس نہ جانا"

آدم بن ایاسؒ کا کہنا ہے کہ میں حماد بن سلمہؒ کے پاس تھا کہ ان کو سلطان نے بلایا تو انہوں نے جواب میں فرمایا۔

احمل لحية حمراء لهؤلاء	"میں ان کے پاس سرخ داڑھی کو لے جاؤں گا۔
لا والله لا والله [2]	نہیں۔ اللہ کی قسم! میں ایسا نہیں کروں گا"

محمد بن الحجاج سے مروی ہے کہ ہمارے ساتھ ایک آدمی حماد بن سلمہؒ سے احادیث سنا کرتا تھا۔ وہ چین گیا۔ جب واپس آیا تو اس نے حماد بن سلمہؒ کی خدمت میں ایک تحفہ پیش کیا۔ حماد بن سلمہؒ نے اس سے فرمایا۔ اگر میں تیرا تحفہ قبول کروں تو تجھے حدیث نہیں سناؤں گا۔ اور اگر تحفہ نہ قبول کروں تو تیرے لئے احادیث بیان کروں گا۔ اس شخص نے عرض کیا۔ آپ میرا تحفہ قبول نہ کریں لیکن احادیث مجھے سنائیں۔

ایسے عظیم متقی محدث کے لئے تلمیذ الشیطان کا جملہ استعمال کرنا اس سے بڑھ کر اہانت اور کیا ہو سکتی ہے؟ اہل بصیرت کی بصیرت اور روشن خیال کی روشن خیالی کا اندازہ لگانے کے لئے ابھی اتنا ہی کافی ہے۔

علی بن زید جدعان

عورت کی سربراہی کی حمایت کرنے والوں نے اب تک جتنے بھی راویوں کا ذکر کیا ہے۔ ان میں

---

[1] حلیۃ الاولیاء جلد ۵ ص ۲۵۱ [2] ایضاً

سے کسی ایک کے بارے میں یہ ثابت نہیں کر پائے کہ کسی امام یا محدث نے اس کو ضعیف کہا ہو۔
علی بن زید جدعان پہلے راوی ہیں جن کا ضعیف ہونا لفظ ضعیف کے ساتھ نقل کیا گیا ہے۔ اگرچہ صحیح بخاری کے علاوہ صحاح ستہ میں علی بن زید جدعان کی روایات منقول ہیں۔ اور امام بخاریؒ نے بھی ان کو الادب المفرد کے رجال میں شامل کر کے ان کی ثقاہت کو ثابت کر دیا ہے جیسا کہ التاریخ الکبیر کے حاشیے میں واضح کر دیا گیا ہے۔

روی لہ الستۃ الا ان البخاری فی الادب[1]

امام بخاریؒ کے علاوہ ائمہ صحاح ستہ نے ان سے احادیث روایت کی ہیں، امام بخاریؒ نے الادب المفرد میں ان سے روایت کیا ہے۔

امام ابن عدیؒ نے ان کی کئی احادیث کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے۔

ولعلی بن زید غیر ما ذکرت من الحدیث صالحۃ ولم ار احدا من البصریین وغیرھم امتنعوا من الروایۃ عنہ وکان یغالی فی التشیع فی جملۃ اھل البصرۃ ومع ضعفہ یکتب حدیثہ[2]

"میں نے جن احادیث کا ذکر کیا ہے ان کے علاوہ علی بن زید کی اور بھی احادیث صالحہ ہیں۔ میں نے بصریوں میں سے کسی ایک کو اور ان کے علاوہ دوسروں کو اس کی روایت سے رکتے ہوئے نہیں دیکھا۔ وہ جملہ اہل بصرہ میں سے تشیع میں غلو کرتے تھے۔ ان کے ضعف کے باوجود ان کی حدیث کو لکھا جائے گا"

---

[1] حاشیہ التاریخ الکبیر: جلد ۶ ص ۲۷۵۔

[2] الکامل لابن عدی: جلد ۵ ص ۱۸۴۵۔

حماد بن زید سے مروی ہے کہ میں نے سعید الجریری کو کہتے ہوئے سنا کہ تین نابینے بصرہ کے فقہاء ہوئے ہیں۔ وہ قتادہ، علی بن زید اور الاشعث الحرانی تھے۔ اور امام ترمذیؒ نے ان کو صدوق کہا ہے[1]

اس کے باوجود یہ مناسب معلوم نہیں ہوتا کہ علی بن زید جدعان کی عدالت وثقاہت کو بے داغ ثابت کرنے کے لئے وہی رویہ اپنایا جائے جو "اہل بصیرت" "تنقید نگار" اور "روشن خیال" حضرات نے عورت کی سربراہی کی نفی کرنے والی بخاری کی روایت کے راویوں کو غیر ثقہ ثابت کرنے کے لئے اختیار کیا ہے۔ چونکہ راویوں کی پرکھ کا معیار رجال کی کتابوں کو بنایا گیا ہے۔ اس لئے اگر کوئی راوی ایسا ہے کہ ائمہ رجال اس کی عدالت وثقاہت کے بارے میں مطمئن نہیں تو علمائے حق کا کام ہے کہ دجل وفریب سے نہ صرف اجتناب کرتے ہوئے بلکہ اس کو حرام سمجھتے ہوئے ائمہ رجال کے فیصلہ کو کھلے دل کے ساتھ تسلیم کر لیں۔ اگر ایسا نہیں کیا جائے گا۔ تو ساری احادیث مشکوک ہو جائیں گی۔

علی بن زید جدعان کا مسند احمد[2] کی جس روایت کے حوالے سے ذکر کیا گیا ہے درحقیقت وہ نو روایات کا مجموعہ ہے۔ جن میں سے ایک عورت کی سربراہی کی نفی کرنے والی بھی روایت ہے۔ اگر تسلیم کر لیا جائے کہ علی بن زید جدعان ضعیف ہے اور اس سے مروی روایت حجت نہیں ہو سکتی۔ تب بھی عورت کی سربراہی کی حمایت کرنے والوں کا مقصد پورا نہیں ہوتا۔ کیونکہ امام احمد بن حنبلؒ نے مذکورہ روایت سے پہلے وہ روایت نقل کی ہے کہ جس میں حماد بن سلمہؒ حمید الطویل سے وہ الحسن البصری سے۔ اور وہ اپنے استاد حضرت ابوبکرہؓ سے بیان کرتے ہیں کہ اہل فارس میں سے ایک آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا، بے شک میرے رب تبارک وتعالیٰ نے تمہارے بادشاہ

---

[1] الکامل لابن عدی: جلد ۵ ص ۱۸۴۱۔ ایضاً: میزان الاعتدال: جلد ۳ ص ۱۲۷-۱۲۹۔ تہذیب التہذیب جلد ۷ ص ۳۲۳-۳۲۴

[2] مسند احمد: جلد ۵ ص ۵۰-۵۱۔

یعنی کسریٰ کو قتل کر دیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ اہل فارس نے اس کی بیٹی کو تخت پر بٹھا دیا ہے۔ تو آپ نے فرمایا۔ وہ قوم کبھی فلاح نہیں پائے گی جس نے عورت کو اپنا والی بنا لیا[1]

مسند احمد میں عورت کی سربراہی کی نفی کرنے والی روایت صرف علی بن زید جدعان والی سند سے ہی مروی نہیں بلکہ اور بھی روایات ہیں۔ جن کا ذکر دوسری روایات کے ساتھ بعد میں کیا جائیگا۔ ابھی صرف یہ بتلانا مقصود ہے کہ مسند احمد میں حماد سے ایک روایت ایسے راویوں سے منقول ہے کہ جس کی عدالت وثقاہت میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں اور تائیداً دوسرے ایسے راوی سے بھی بیان کر دی گئی ہے کہ جن کی عدالت وثقاہت پر ائمہ رجال کا اتفاق نہیں۔

لہٰذا تائیداً منقول روایت کے کسی راوی کے ضعف کی وجہ سے اصل روایت کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اہل بصیرت تنقید نگار اور "روشن خیال" حضرات کی بدقسمتی یہ ہے کہ عورت کی سربراہی کی نفی کرنے والی روایات اتنے محدثین، مفسرین، مؤرخین اور فقہاء سے منقول ہیں کہ ایک دو راویوں کے ضعف سے ان کو ٹھکرایا اور جھٹلایا نہیں جا سکتا۔

بکارؒ بن عبدالعزیز بن ابی بکرہؓ

مسند احمد[2] کی تیسری روایت کی سند میں سے اہل بصیرت تنقید نگار نے بکارؒ بن عبدالعزیز بن ابی بکرہؓ یعنی ابو بکرہؓ کے پوتے کے بارے میں لکھا ہے کہ بقول ابن معین وہ ایک غیر معیاری انسان

---

[1] مسند احمد: جلد ۵ ص ۴۳۔

[2] مسند احمد: جلد ۵ ص ۴۵۔

تھے۔ ابن عدیؒ نے کہا کہ یہ بھی اسی ٹائپ کے انسانوں میں سے تھے جنہیں ضعیف کہا جاتا ہے عقیلی نے کہا کہ یہ ضعیف تھے۔ ذہبیؒ نے اس کی بے سروپا احادیث میں سے نمونہ کے طور پر وہی حدیث پیش کی ہے جو حسنِ اتفاق سے زیر بحث ہے۔

محاسبہ

یہاں بھی "اہل بصیرت" تنقید نگار نے علمی دیانت کو پامال کیا ہے۔ چنانچہ ائمہ رجال کے جو اقوال اپنے حق میں جاتے تھے ان کو نقل کر دیا اور جو خلاف پڑتے تھے ان کو نظر انداز کر دیا۔

ابن معین کا قول پیش کرتے ہوئے بھول گئے کہ یہی ابن معین ہیں کہ جنہوں نے مبارک بن فضالہ کو صالح اور حماد بن سلمہؒ کو ثقہ کہا ہے۔ اسی طرح عورت کی سربراہی کی نفی کرنے والی روایت کے دوسرے راویوں کی عدالت وثقاہت پر گواہی دی لیکن "اہل بصیرت" کی بصیرت نے اُن کی گواہی کو قبول نہ کیا۔ جہاں مطلب کا حوالہ آیا۔ فوراً پیش کر دیا۔ کیا یہی علمی دیانت کہلاتی ہے۔

امام ابن عدی کے دو سطری قول میں سے وہی بات پسند آئی جس سے فائدہ اٹھایا جا سکتا تھا۔ "اہل بصیرت" کی اندھی بصیرت کا اندازہ لگانے کے لئے پورا قول نقل کیا جاتا ہے۔

امام ابن عدیؒ نے بکار بن عبدالعزیز کی چند روایات نقل کرنے کے بعد لکھا ہے۔

ولبکار ھذا غیر ما ذکرت	" اور میں نے جو احادیث ذکر کی ہیں
من الحدیث وقد حدث عنه	ان کے علاوہ اس بکار کے لئے اور بھی
من الثقات جماعة من	ہیں اور بصریوں کی ایک ثقہ جماعت نے

لے الکامل لابن عدی : جلد ۲ ص ۵۷ ۴۔

البصريين كأبي بن عاصم وغيره وارجو انه لا بأس به وهو من جملة ضعفاء الّذين يكتب حديثهم [1]

ان سے احادیث بیان کی ہیں جیسا کہ ابن ابی عاصم وغیرہ ہیں اُمید کرتا ہوں کہ ان کی روایت میں کوئی حرج نہیں اور وہ ان جملہ ضعفاء میں سے ہیں کہ جن کی احادیث لکھی جاتی ہیں "

صحیح بات تو یہ تھی کہ پُورا قول نقل کرنے کے بعد جو بھی کہنا تھا، کہہ لیا ہوتا لیکن اتنی فحش بددیانتی کا مرتکب وہی ہو سکتا ہے کہ جس کے دل میں خدا خوفی کی بجائے عورت کی سربراہی کو ثابت کرنے کا جنون سمایا ہوا ہے۔

امام ذہبیؒ نے بکار کے ترجمہ کے ساتھ د، ت اور ق لکھ کر ظاہر کیا ہے کہ وہ ابُوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ کے رجال میں سے ہیں۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ ان تین جلیل القدر ائمہ کے نزدیک وہ ثقہ تھے۔ امام ذہبیؒ نے جہاں بکار کے بارے میں عقیلی کا قول نقل کیا ہے وہاں ابن عدیؒ نے جو کہا اس کو بھی رقم کر دیا [2]

امام ذہبیؒ نے المستدرک کی تلخیص میں بکار والی روایت کو صحیح قرار دے کر وضاحت کر دی کہ بکار ضعیف نہیں [3]

امام بخاریؒ نے اپنی تاریخ میں بکار پر کوئی گرفت نہیں کی [4]

حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ الدوری نے ابن معین سے بیان کیا کہ بکار کچھ نہیں۔ اس کے برعکس اسحاق

---

[1] الکامل لابن عدی۔ جلد۲۔ ص ۴۷۵

[2] میزان الاعتدال ۔ جلد۱ ص ۳۴۱

[3] تلخیص المستدرک فی حاشیۃ المستدرک : جلد۴ ص ۲۹۱۔

[4] التاریخ الکبیر۔ جلد۲ ص ۱۲۲۔

بن منصور نے بھی ابن معین سے نقل کیا ہے کہ وہ صالح ہے۔

اہل علم کی رہنمائی کے لئے حافظ ابن حجرؒ نے پھر ابن عدیؒ کے قول کا بھی ذکر کردیا ہے۔ اسی طرح البزار کے دو قول بھی نقل کئے ہیں۔ ایک کے مطابق بکار میں کوئی حرج نہیں اور دوسرے کے مطابق ضعیف ہے لیکن یہ بھی واضح کردیا کہ ابن حبان نے اس کا ذکر ثقات میں کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر ائمہ رجال میں سے کسی نے بکار کو ضعیف کہا ہے تو اس کے مقابلے میں دوسروں نے اس کے ثقہ ہونے کی شہادت دی ہے۔ لیکن بات پھر وہیں آتی ہے کہ تائیداً مروی روایات کے بارے میں شروط وہ نہیں ہوتیں جو کہ امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے صحیحین کے لئے رکھی ہیں۔

ایک اور زبردست دھوکہ

بکار بن عبدالعزیز کے ثقہ یا ضعیف ہونے کا مسئلہ الگ ہے لیکن "اہل بصیرت" تنقید نگار نے ان سے مروی روایت جس طرح پیش کی ہے۔ اس میں انہوں نے دجل و فریب کے ماہرین کو مات دے دی ہے۔ حضرت ابوبکرہؓ کے حوالے سے فرماتے ہیں، ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنا سر مبارک عائشہؓ کی گود میں رکھے ہوئے استراحت فرما رہے تھے کہ مصر سے ایک پیغام رساں داخل ہوا۔ اور اس نے بتایا کہ اہل مصر نے ایک عورت کو سربراہ مملکت بنایا ہے۔ چنانچہ یہ خبر سنتے ہی آپ نے جھٹکا دے کر عائشہؓ کی گود سے اپنا سر مبارک اٹھایا اور کھڑے ہو کر تین بار فرمایا۔ ہلاک ہوگئے۔ مرد عورت کی اطاعت کرکے ہلاک ہوگئے۔ مرد عورت کی اطاعت کرکے ہلاک ہوگئے۔ مرد عورت کی اطاعت کرکے ہلاک ہوگئے [1]

جناب رحمت اللہ طارق نے روایت نقل کرنے کے بعد جس کمال چابکدستی اور فریب کاری کا مظاہرہ

---

[1] مسئلہ امارت اور عورت بحوالہ مسند احمد جلد ۵ ص ۴۵۔ میزان الاعتدال جلد ا ص ۱۲۳۱۔

کیا ہے۔ اس کا محاسبہ انشاء اللہ بعد میں ہوگا۔ سر دست مسند احمد کی عربی روایت نقل کرکے اس کا ترجمہ کیا جاتا ہے تاکہ معلوم ہو سکے کہ دوسروں کو مضامین کہنے والے کا اپنا کیا حال ہے؟

ثنا ابوبکرة بکار بن عبدالعزیز بن ابی بکرةؓ قال سمعت ابی یحدث عن ابی بکرة شهد النبی صلی الله علیه وسلم اتاه بشیر یبشر بظفر جند له علی عدوهم و رأسه فی حجر عائشة فقام فخر ساجدا ثم انشأ یسأل البشیر فاخبره فیما اخبره انه ولی امرهم امرأة فقال النبیّ صلی الله علیه وسلم الآن هلکت الرجال اذا اطاعت النساء هلکت الرجال اذا اطاعت النساء ثلاثا [1]

"ابوبکرہؓ بکار بن عبدالعزیز نے ہم سے بیان کیا کہ اس نے کہا کہ میں نے اپنے باپ کو ابوبکرہؓ سے حدیث بیان کرتے ہوئے سنا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ آپ کے ہاں ایک بشارت دینے والا آیا اس نے آپ کو آپ کے ایک لشکر کی ان کے دشمن پر فتحیابی کی خبر دی آپ کا سر حضرت عائشہؓ کی گود میں تھا پس آپ کھڑے ہوئے اور سجدہ میں گر گئے پھر آپ نے خوشخبری سنانے والے سے سوال کرنے شروع کئے۔ پس اس نے آپ کو جو خبریں سنائیں ان میں یہ بھی تھی کہ ان کی والی ایک عورت ہو گئی ہے پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اب مرد ہلاک ہونگے جب وہ عورتوں کی اطاعت کرینگے ہلاک ہونگے مرد جب وہ عورتوں کی اطاعت کریں گے۔ آپ نے تین مرتبہ یہ فرمایا [1]

---

[1] مسند احمد جلد ۵ ص ۴۵۔ فتح الربانی۔ جلد ۲۳ ص ۳۵۔ نیل الاوطار۔ جلد ۳ ص ۱۱۲ (بحوالہ جلد ۱ تک) حاشیہ سنن دار قطنی جلد ۲ ص ۱۱۲ (ایضاً)

یہی روایت معمولی سی کمی بیشی کے ساتھ امام حاکمؒ، امام صدیؒ اور امام العجلونیؒ نے بھی نقل کی ہے [1]
امام حاکمؒ نے روایت کے بارے میں یہ بھی فرمایا ہے۔

هذا حديث صحيح الاسناد ولم يخرجاه　　"یہ حدیث صحیح الاسناد ہے لیکن شیخین نے اس کو نقل نہیں کیا"

امام العجلونی نے لکھا ہے کہ اس کی شاہد حدیث لن یفلح قوم ہے۔

ائمہ حدیث کا کہنا ہے کہ امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے بہت سی احادیث کو اس لئے چھوڑ دیا کہ ان کی کتابیں ضخیم نہ ہو جائیں، اگرچہ وہ ان کے قائم کردہ معیار کے مطابق تھیں۔ امام حاکمؒ نے اپنی المستدرک میں اس قسم کی احادیث کو جمع کیا ہے جن میں سے ایک مذکورہ حدیث بھی ہے۔

امام ذہبیؒ نے پوری روایت کی بجائے اتنا نقل کیا ہے۔

ان النبي صلى الله عليه وسلم　　"بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
اتاه بشير بنصر فقام وخر　　کے پاس ایک خوشخبری دینے والا مدد کی خبر کے
ساجدا [2]　　ساتھ آیا، آپ کھڑے ہوئے اور سجدے میں گر گئے۔"

حافظ ابن قیمؒ نے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بشیر بن سعد انصاری کو دو مرتبہ امیر بنا کر جنگی مہموں پر بھیجا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ انہی بشیر کا ذکر ہو [3]

جن کتابوں میں بکار بن عبدالعزیز والی روایت منقول ہے۔ ان میں کسی ایک میں بھی محض پیغام رساں کے آنے کا ذکر موجود نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت دیکھئے کہ لوگوں کو دھوکہ اور مغالطہ دینے والے خود اپنے ہی

---

[1] المستدرک۔ جلد ۴ ص ۲۹۱۔ الکامل لابن عدی۔ جلد ۲ ص ۴۷۵۔ کشف الخفاء جلد ۲ ص ۳۲۲

[2] میزان الاعتدال۔ جلد ۱ ص ۳۴۱۔

[3] زاد المعاد۔ جلد ۲ ص ۱۶۴۔ ۱۶۵۔ ۱۶۶۔

جال میں پھنس گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں نہ مصر پر چڑھائی ہوئی اور نہ ہی وہاں کوئی عورت حکمران بنائی گئی۔ معلوم ہوتا ہے کہ ظفر یا نصر کو مصر پڑھ کر جھوٹ کا تانا بانا بن لیا۔ چنانچہ "اہلِ بصیرت" تنقید نگار لکھتے ہیں۔

مخالفین عائشہؓ اپنے طور بدل بدل کر اگر یہی تاثر دینا چاہتے ہیں کہ آپ کا عمل سراپا نمونہ خطا تھا۔ اور آپ نے جو کچھ کیا وہ وحیِ الٰہی کے نقطۂ نظر سے کفرِ صریح تھا۔ تو میرے خیال میں شریف قسم کے دھنا مین کو پہلے اپنے دماغ کی خیر منانی چاہیئے کہ جھوٹ بولنے کے لئے بھی ایک سلیقہ ہوتا ہے۔ کم از کم واقعات کی منطقی تطبیق تو درست ہونی چاہیئے۔ اوٹ پٹانگ باتوں کا ذاتِ رسالت کو ذمّہ دار گردانا اس سے زیادہ جُرم ہے جو کہ صدیقہ بنتِ صدیق کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ مصر میں کب اور کس وقت عورت کو سربراہ بنایا گیا۔ جس پر آپ نے اظہارِ غصّہ فرمایا؟ اور بنایا جاتا تو بھی مصر اسلامی عملداری میں شامل نہیں تھا۔ وہاں کے باشندوں کی ہلاکت سے آپ کو کیا دلچسپی ہو سکتی تھی اور کیوں ان کافروں پر ترس کھا رہے تھے؟ میرا خیال ہے کہ واقعات کا تانا بانا ترتیب دیتے وقت دروغ گو را حافظہ نباشد کے اصول کو فراموش نہیں کیا گیا۔ جبھی تو اتنی فاش غلطی سرزد ہوتی چلی گئی اور آنے والے مُتبعینِ سنّت انہی سازشوں اور کذابوں کی ہیرا پھیری کو وحیِ الٰہی تسلیم کرتے رہے۔ پھر دیکھئے کہ مشاہدے کی گواہی یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں مصر اور شام پر بیزنطینی امپائر کے آخری تاجدار ہرکولیس ۶۱۰ء-۶۴۱ء فرمانروا تھے۔ جس کے آخری دورِ حکومت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ۶۳۲ء میں اس جہاں سے رخصت ہو گئے اور دوسرے الفاظ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی میں مصر پر عورت کو سربراہ بننے کا موقع ہی نہیں ملا۔ ایسے میں راویانِ حدیث کو بتانا چاہیئے کہ کب اور کس وقت اور کس نام سے اہلِ مصر نے عورت کو منصبِ سربراہی تفویض کیا! اور پیغام رساں کا نام کیا تھا جو بن پوچھے خلوت کدۂ نبوّت میں داخل ہوا۔ تاکہ حدیث کی واقعات سے کچھ نہ کچھ تطبیق کی صورت نکل سکے۔ اُمید ہے کہ زیرِ بحث روایت پر فنی علمی اور جان لیوا تنقیدوں کے بعد رہی سہی رمق

بھی جاتی رہی ہوگی اور جن حضرات نے جذبات کے تابع ہو کر زوجۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ایک گہری سازش کو وحی الٰہی سے تعبیر کر کے منکرین پر کفر کے فتوے دیئے۔ ان کا پہلا فرض یہ ہے کہ رسوائے عالم نام نہاد عربی فقرے کو حدیث نبوی ثابت کر دکھلائیں۔ وحی الٰہی کا معاملہ تو بعد کا مرحلہ ہے۔

اپنے کھودے ہوئے گڑھے میں گرنا

اللہ تعالیٰ کا یہ قانون ہے کہ جو دوسروں کے لئے گڑھا کھودتا ہے وہ خود اس میں گرتا ہے۔ مصر کے بارے میں سب کچھ جانتے ہوئے ایک لفظ سے دھوکا کھایا یا دھوکہ دینے اور طعنہ زنی کا پروگرام بنایا لیکن سبحانہ وتعالےٰ نے اس کا اس طرح پول کھولا کہ دجل و فریب کے سہارے بنائی گئی عمارت دھڑام سے زمین پر آگری۔ چونکہ حدیث میں مصر سے پیغام رساں کے آنے کا کوئی ذکر ہی نہیں۔ لہٰذا اس کا جواب تو وہی دے گا کہ جس کے ذہن کی یہ اختراع ہے۔ جب کہ ایران کے تخت پر عورت کا بیٹھنا ایک تاریخی حقیقت ہے۔ اور اسی کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی گئی تھی۔

جہاں تک ایک خوشخبری دینے والے کا تعلق ہے کہ وہ آپ کے پاس پردہ کرائے بغیر اندر داخل ہوا تھا۔ تو اس کا بھی حدیث میں کوئی ذکر نہیں۔ " اتاہ " سے یہ لازم نہیں ہوتا کہ وہ سیدھا حجرے میں داخل ہو گیا۔ بلکہ معمول کے مطابق اُس نے اجازت لی ہوگی۔ ویسے بھی حضرت عائشہؓ کا حجرہ چھوٹا سا تھا جو مسجد کے ساتھ بنایا گیا تھا۔ مسجد اور حجرے کے درمیان صرف ایک پردہ حائل تھا۔ آخری مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کو امامت کراتے ہوئے اسی پردہ کو ہٹا کر دیکھا تھا[1] آج کل کے ایوانوں جیسا معاملہ نہ تھا۔ قرآن پاک میں ایسے بہت سے واقعات بیان ہوئے کہ جن میں بہت سی عبارتیں

---

[1] صحیح بخاری۔ ص ۹۴۔

محذوف ہیں۔

اس کی مثال سُورۃ نمل میں بلقیس کے واقعہ میں اس طرح ہے کہ ہُدہُد کو حکم ملتا ہے کہ میرا یہ خط لے جاؤ اور ان کی طرف پھینک دینا۔ پھر اُن سے ہٹ کر دیکھنا کہ وہ کیا کرتے ہیں۔ بلقیس نے کہا۔ اے سردارو! میری طرف عزت والا خط بھیجا گیا ہے۔ قرآن حکیم میں یہ تو بتاتا ہے کہ ہُدہُد کو ایک حکم ملا۔ لیکن یہ نہیں بتایا کہ ہُدہُد بلقیس کے پاس کیسے آیا اور کس طرح اس نے حضرت سُلیمان علیہ السّلام کے خط کو اس تک پہنچایا۔ بلکہ ہُدہُد کو ملنے والے حکم کے بعد بلقیس نے جو اپنے سرداروں سے بات کی اس کا ذکر کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح بلقیس نے جو تحائف حضرت سُلیمان علیہ السّلام کے پاس بھیجے تھے۔ قرآن ان کے بارے میں بھی خاموش ہے۔ حضرت سُلیمان علیہ السّلام جب بلقیس کے تحائف کو لوٹا کر کہتے ہیں کہ ہم تم پر ایسے لشکر کے ساتھ حملہ آور ہوں گے کہ جس کا مقابلہ نہیں کیا جا سکے گا اور بلقیس اور اس کی رعایا کو ان کے شہر سے ذلیل و رسوا کر کے نکال دیں گے۔ اس کے بعد فوراً حضرت سُلیمان علیہ السّلام کا اپنے سرداروں سے خطاب ہوتا ہے کہ بلقیس اور اس کے ساتھیوں کے مسلمان ہو کر ہمارے پاس آنے سے پہلے اس کا عرش کون لا سکتا ہے؟ یعنی حضرت سلیمان علیہ السّلام کے تحائف قبول نہ کرنے پر بلقیس اور اس کے سرداروں کے درمیان کیا گفتگو ہوئی۔ اور انہوں نے حضرت سُلیمانؑ کے پاس جانے کا کس طرح پروگرام بنایا اور اس پر عمل کیسے ہوا؟ قرآن میں یہ سب کچھ واضح طور پر موجود نہیں۔ یہ عربی زبان کی خوبصورتی ہے۔ لہٰذا خوشخبری دینے والے کے بارے میں اگر کچھ عبارت محذوف ہے تو وہ عقلمند کو بتانے کی ضرورت نہیں۔ تو اس وجہ سے اعتراض کج بحثی کے علاوہ اور کچھ نہیں۔

تیسرا اعتراض یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم طیش میں آکر کچھ فرما گئے۔ بمقصد یہ کہ عورت کی سربراہی کو ہلاکت کا موجب آپ نے اس وقت ٹھہرایا جب کہ عائشہ صدیقہؓ کی گود میں سر رکھے ہوئے تھے اور عائشہ صدیقہ کو وحی الٰہی کا منشا معلوم ہو چکا تھا کہ عورت نمائندہ حیثیت اختیار نہیں کر سکتی لیکن اس کے

باوصف ہوا یہ کہ آپ نے جنگ جمل میں جو کردار انجام دیا۔ وہ وحی الٰہی کی مخالفت کے باعث عسکرِ عائشہؓ کی تباہی پر ہی منتج ہوا یعنی انکارِ وحی کی وجہ سے آپ کو اہلِ جہنم کا پیشوا بننا پڑا [۱]

اس اعتراض میں بھی جھوٹ کا سہارا لیا گیا ہے۔ عورت کی سربراہی کی خبر سن کر آپ نے مردوں کی ہلاکت کے بارے میں جو فرمایا۔ اس وقت آپ کا سر مبارک حضرت عائشہؓ کی گود میں نہ تھا اور نہ ہی طیش میں آنا حدیث میں مذکور ہے۔ بلکہ شکرانے کا سجدہ کرنے کے بعد کی یہ بات ہے۔

رہی بات یہ کہ حضرت عائشہؓ کو اس کی خبر تھی کہ جو کچھ آپ نے فرمایا لیکن اس کے باوجود انہوں نے جنگِ جمل میں حصّہ لیا۔ اس میں حیرت کی کونسی بات ہے۔؟ سورۃ الاحزاب میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر اُمّہات المؤمنین کو حکم دیا ہے۔

وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ [۲] "تم اپنے گھروں میں رہنا"

کیا قرآن کا حکم ان کے سامنے نہ تھا؟ اُمّ المؤمنین حضرت اُمِّ سلمہؓ نے ان کو روکنے کے لئے کیا خط نہ لکھا تھا؟ حج سے واپسی پر حضرت عائشہؓ کے علاوہ سب اُمّہات المؤمنین مدینہ واپس کیوں لوٹ آئیں؟

امام ابن ابی شیبہؒ نے عبید بن سعد سے نقل کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ سے بصرہ جانے کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ مقدر تھا [۳]

یہ بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہؓ جب سورۃ احزاب کی یہ آیت پڑھتیں

---

[۱] عورت اور مسئلہ امارت : ص ۲۴

[۲] سورۃ الاحزاب : آیت ۳۳

[۳] مصنف ابن ابی شیبہ : جلد ۱۰، ص ۲۸۱ ۔

تو جنگِ جمل میں حصّہ لینے پر اتنا روتیں کہ ان کی اوڑھنی آنسوؤں سے بھیگ جاتی۔ ویسے بھی حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سننے کے باوجود جنگ جمل میں حصّہ لیا تو اس میں پریشان اور حیران ہونے کی ضرورت نہیں۔ اس لئے کہ حضرت عائشہؓ مکّہ سے امارت و خلافت کے حصول کا قصد کر کے بصرہ نہیں پہنچی تھیں۔ ان کی جدّوجہد صرف حضرت عثمان غنیؓ کے قصاص تک محدود تھی۔ لیکن اس کے باوجود ان کو یہ احساس رہتا تھا کہ جنگِ جمل میں ان کا شریک ہونا قرآنی تعلیم کے مطابق نہ تھا۔

حضرت عائشہؓ کے بارے میں آخری جملہ لکھنے والا شخص اہل سُنّت میں سے نہیں ہو سکتا۔ کیوں کہ اہل سُنّت کا ایمان ہے کہ حضرت عائشہؓ جنّت میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی زوجہ مطہرہ ہوں گی۔ جیسا کہ حضرت عمارؓ بن یاسرؓ نے کوفہ کی مسجد کے منبر پر کھڑے ہو کر اعلان کیا تھا۔

مُحدّثین اور ائمہ رجال کا طریقہ کار

محدّثین کا معمول ہے کہ جب کسی روایت کے راوی کو ضعیف کہہ دیتے ہیں تو پھر اس کی روایت کی طرف التفات نہیں کرتے۔ لیکن "اہل بصیرت" تنقید نگار نے فنّی، علمی اور جان لیوا تنقیدوں میں جان بوجھکر دجّالوں اور کذّابوں کا طریقہ اپنایا ہے۔ یعنی عورت کی سربراہی کی نفی کرنے والی روایت کو جھٹلانے کی خاطر کوئی ایسا حربہ نہیں چھوڑا جسے اُنہوں نے استعمال نہ کیا ہو۔ حالانکہ جن ائمہ رجال کی کتابوں کے حوالے دیئے گئے ہیں اُنہوں نے جس راوی پر بحث کی تو جرح کے ساتھ اس کی تعدیل کو نظر انداز نہیں کیا ہے۔ اگر کسی راوی کے ضعیف یا ثقہ ہونے کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے تو اس کی ثقاہت یا ضعف میں سے کچھ بھی چھپانے کی کوشش نہیں کی بلکہ پوری دیانتداری کے ساتھ اس کے بارے میں پوری معلومات مہیّا کر دی ہیں۔ جب کہ "اہل بصیرت" تنقید نگار اور "روشن خیال" حضرات کا عمل اس کے خلاف رہا ہے۔

بکار بن عبدالعزیزؒ کے بارے میں بھی ائمہ رجال ان کی عدالت و ثقاہت پر متفق نہیں۔ اگرچہ ان کے

حق میں جو اقوال منقول ہیں۔ ان کا ذکر کر دیا گیا ہے۔ اور ان سے مروی روایت پر جو اعتراضات وارد ہوتے تھے۔ ان کا بھی کافی شافی جواب دے دیا گیا ہے لیکن اس کے باوجود بکاّر بن عبدالعزیز والی روایت کو بخاری مسلم کی روایات جیسا مقام حاصل نہیں ہوگا۔ لہٰذا ان کی روایت کو بھی اصل کی بجائے تائیدی روایت کے طور پر قبول کیا جائے گا۔

تنقید سے محفوظ اسناد

معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ بصیرت "تنقید نگار" فنی، علمی اور جان لیوا تنقیدوں کی وجہ تھک گئے تھے، کہ مسند احمد کی تین روایات کے راویوں کو معاف کر دیا یا دجل و فریب کی ایسی انتہاء ہو چکی تھی کہ یہاں درگزر سے کام لیا۔ لیکن ان کا ذکر ضروری اس لئے ہے کہ واضح ہو جائے کہ محدثین کس طرح ایک روایت کو شک و شبہ سے بلند کرنے کے لئے مختلف طرق سے نقل کرتے ہیں۔ تینوں روایات میں عیینہ اپنے باپ عبدالرحمٰن کے حوالے سے اپنے دادا ابو بکرہؓ سے روایت کرتے ہیں مسند احمد میں عیینہ کے باپ کا نام نہیں دیا گیا ہے۔ لیکن مصنف ابن ابی شیبہ میں مذکور ہے۔ مسند احمد میں عیینہ کے نیچے ایک روایت میں محمد بن بکر، دوسری میں یزید بن ہارون اور تیسری میں یحییٰ راوی ہیں۔ جب کہ مصنف ابن ابی شیبہ میں ابو داؤد ہیں۔ عبدالرحمٰن بن ابی بکرہؓ بصرہ میں پیدا ہونے والے پہلے بچے تھے۔ اور ان کی پیدائش پر ایک اونٹ ذبح کیا گیا تھا۔

ابن سعدؒ نے ان کے بارے میں لکھا ہے:۔

کان ثقة ولہ احادیث ورواية	"وہ ثقہ تھے اور ان کے لئے احادیث ہیں اور روایت ہے"[1]

---

[1] طبقات ابن سعد: جلد ۷، ص ۱۹۰۔ تہذیب التہذیب: جلد ۶، ص ۱۴۸۔

حافظ ابن حجرؒ عسقلانی نے نقل کیا ہے کہ ابن حبان نے ثقات میں ان کا ذکر کیا ہے اور العجلی نے کہا کہ وہ بصری تابعی ثقہ تھے[1]

دوسرے جن راویوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان میں سے کسی ایک کے بارے میں بھی ائمہ رجال نے کلام نہیں کیا۔ یعنی سارے ثقہ اور معتبر ہیں جس سے ثابت ہو جاتا ہے کہ مسند احمد میں عورت کی نفی کرنے والی کسی روایت کے کسی راوی کو اگر ضعیف کہا گیا ہے تو مضبوط سند والی روایات سے اس کا ازالہ بھی کر دیا گیا ہے۔

چنانچہ حضرت ابو بکرہؓ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا۔

لن یفلح قوم اسندوا امرھم الی امرأة[2] "وہ قوم کبھی فلاح نہیں پائے گی جس نے اپنا معاملہ عورت کے سپرد کر دیا"

اس حدیث کے راویوں میں حضرت ابو بکرہؓ سے روایت کرنے والا ایک بھی راوی ایسا نہیں کہ جس کے بارے میں "اہلِ بصیرت" تنقید نگار نے کوئی تنقید کی ہو۔ انہوں نے زیادہ تر عوف الاعرابی اور حسن بصری کو اپنی تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ چنانچہ "حسن بصری کا سیاسی مذہب" کے تحت لکھتے ہیں کہ سابقہ سطور میں ہم نے عوف اعرابی اور حسن بصری کے نظریاتی کردار کا تجزیہ کیا اور ان شخصیتوں کو قابلِ احترام سمجھتے ہوئے بھی اس قابل نہیں جانا کہ ان کی ہر بات قابلِ قبول ہے۔ اب ہم کہتے ہیں اور واشگاف الفاظ میں کہتے ہیں کہ زیرِ بحث حدیث کے ذمہ دار جناب ابو بکرہؓ نفیع بن الحارث نہیں۔ عوف اعرابی یا پھر خود جناب حسن بصری صاحب ہی ہیں[3]

---

[1] تہذیب التہذیب جلد ۶ ص ۱۴۸۔ تقریب التہذیب ص ۱۹۹۔

[2] مسند احمد جلد ۵، ۴۷ مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱۵ ص ۲۶۶ (حدیث: ۱۹۶۳۳) کنز العمال: جلد ۶ ص ۷۹۔

[3] عورت اور مسئلہ امارت: ص ۳۴۔

اب بحث یہ نہیں کہ اُنہوں نے عوف الاعرابی اور حسن بصری کا کتنا احترام کیا یا ان کی کتنی توہین کی ۔ بات صرف اتنی ہے کہ حضرت ابوبکرہؓ کا عورت کی سربراہی کی نفی کرنے والی حدیث گھڑنے میں کوئی ہاتھ نہیں تھا ۔ واشگاف الفاظ میں یہ اعلان کر دیا گیا ہے ۔ تو اب بات ابوبکرہؓ سے روایت کرنے والے راویوں کی رہ جاتی ہے ۔ مسند احمد اور مصنّف ابن ابی شیبہ میں جن اسناد کے ساتھ مذکورہ روایت مروی ہے ۔ ان میں نہ کوئی مدلّس ہے کہ اپنے استاد کا واسطہ چھوڑ کر روایت نقل کرنے یا بیان کرنے والا ہے ۔ اور نہ ہی کوئی ضعیف ہے ۔ لہٰذا ان اسناد کے ذریعے عورت کی سربراہی کی نفی ہونے میں کوئی شک وشبہ باقی نہیں رہتا ۔

مختلف اسناد

اسناد کی بحث کو سمیٹنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عورت کی سربراہی کی نفی کرنے والی حدیث کی تمام اسناد کا ذکر کر دیا جائے تاکہ واضح ہو سکے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ مبارک کو نقل کرنے والوں کی تعداد کتنی ہے ۔

حدیث کے الفاظ ہیں :۔

لن یفلح قوم ولوا امرھم امرأۃ

لن یفلح قوم تملکھم امرأۃ

لن یفلح قوم اسندوا امرھم الی امرأۃ

ھلکت الرجال حین اطاعت النساء

ما افلح قوم یلی امرھم امرأۃ

معنی ومفہوم سب کا ایک ہی بنتا ہے کہ جو قوم اپنا معاملہ عورت کے سپرد کر دے گی ۔ وہ فلاح نہیں پائے گی ۔

(۱) حدثنا عثمان بن الهیثم قال حدثنا عوف عن الحسن عن ابی بکرۃؓ [1]

(۲) حدثنا محمد بن المثنی ثنا خالد بن الحارث نا حمید الطویل عن الحسن عن ابی بکرۃؓ [2]

امام ترمذیؒ نے اس سند کے ساتھ عورت کی سربراہی کی نفی کرنے والی حدیث کو نقل کرکے اس کو صحیح کہا ہے۔

(۳) حدثنا ابو العباس ثنا بکار بن قتیبۃ القاضی بمصر حدثنا صفوان بن عیسیٰ القاضی ثنا عوف بن جمیلۃ عن الحسن عن ابی بکرۃؓ [3]

اس سند میں دو قاضی ہیں اور امام حاکم نے اس سند سے مروی حدیث کو صحیح الاسناد کہا ہے۔

(۴) اخبرنا ابو عبداللہ محمد بن یعقوب ثنا یحییٰ بن محمد بن یحییٰ ثنا مسدد ثنا خالد بن الحارث عن حمید عن الحسن عن ابی بکرۃؓ [4]

اس سند کے ساتھ روایت ہونے والی حدیث کو بھی امام حاکم نے امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کی شرط پر صحیح فرمایا ہے۔

(۵) حدثنا عبداللہ حدثنی ابی ثنا اسود بن عامر ثنا حماد بن سلمۃ عن

---

[1] صحیح بخاری: کتاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی کسریٰ وقیصر، ص ۶۳۷۔ کتاب الفتن، ص ۱۰۵۲۔

[2] جامع الترمذی: کتاب الفتن جلد ۲ ص ۶۱۔ سنن النسائی: کتاب آداب القضاۃ۔ النہی استعمال النساء فی الحکم جلد ۲ ص ۳۰۱۔
(بخاری، ترمذی اور نسائی میں "لن یفلح قوم ولوا امرھم امرأۃ" کے الفاظ ہیں)

[3] المستدرک: کتاب الفتن والملاحم: جلد ۴ ص ۵۲۴ - ۵۲۵۔

[4] المستدرک وتلخیص للحافظ الذہبی: کتاب الادب جلد ۴ ص ۲۹۱۔

حمید عن الحسن عن ابی بکرۃؓ [1]

(۶) حدّثنا عبداللہ حدّثنی ابی ثنا یزید بن ھارون ثنا مبارك بن فضالۃ عن الحسن عن ابی بکرۃؓ [2]

(۷) حدّثنا عبداللہ حدّثنی ابی ثنا عفان ثنا مبارك بن فضالۃ عن الحسن عن ابی بکرۃؓ [3]

مذکورہ پانچ اسناد کے ساتھ حدیث کا متن "لن یا لا یفلح قوم تملکھم امرأۃ" مروی ہے۔

(۸) حدّثنا عبداللہ حدّثنی ابی ثنا یزید بن ھارون أنا عیینۃ عن ابیہ عن ابی بکرۃؓ [4]

(۹) حدّثنا عبداللہ حدّثنی ابی ثنا محمّد بن بکر ثنا عیینۃ عن ابیہ عن ابی بکرۃؓ [5]

(۱۰) حدّثنا عبداللہ حدّثنی ابی ثنا یحییٰ عن عیینۃ حدّثنی عن ابی بکرۃؓ [6]

(۱۱) حدّثنا ابوداؤد عن عیینۃ بن عبدالرحمٰن عن ابیہ عن ابی بکرۃؓ [7]

---

[1] مسند احمد۔ جلد ۵ ص ۴۳۔

[2] مسند احمد۔ جلد ۵۔ ص ۴۷۔

[3] مسند احمد۔ جلد ۵ ص ۵۱

[4] مسند احمد۔ جلد ۵ ص ۴۷

[5] مسند احمد۔ جلد ۵ ص ۴۷

[6] مسند احمد۔ جلد ۵ ص ۳۸

[7] مصنف ابن ابی شیبہ: کتاب الجمل۔ جلد ۱۵ حدیث ۱۹۶۳۳ ص ۲۶۶۔

ان چار سندوں کے ساتھ " لن یا لا یفلح قوم اسند وا امرھم الی امرأۃ" منقول ہے۔

۱۲۔ حدثنا عبد اللہ حدثنی ابی حدثنا احمد بن عبد الملک الحرانی ثنا ابوبکرۃ بکار بن عبد العزیز ابن ابی بکرۃ قال سمعت ابی یحدث عن ابی بکرۃؓ [1]

۱۳۔ اخبرنا عبد اللہ بن الحسین القاضی بمرو ثنا الحارث بن ابی اسامۃ ثنا محمد بن عیسٰی بن الطباع ثنا بکار بن عبد العزیز بن ابی بکرۃ قال سمعت ابی یحدث عن ابی بکرۃؓ [2]

امام حاکمؒ نے اس سند کے ساتھ مروی حدیث کو صحیح الاسناد کہا۔ امام ذہبیؒ نے بھی تلخیص میں صحیح قرار دیا۔ اور امام حاکمؒ نے سند نمبر ۴ والی حدیث کو شاہد بنایا۔ ان دو سندوں کے ساتھ "ھلکت الرجال اذا اطاعت النساء" مذکور ہے۔

۱۴۔ حدثنا عبد اللہ حدثنی ابی ثنا عفان ثنا حماد بن سلمۃ انا علی بن زید عن عبد الرحمٰن بن ابی بکرۃ اور دوسری سند میں ھوذۃ بن خلیفۃ بھی ہے۔

یہی وہ دو سندیں ہیں کہ جو نو روایات کے مجموعہ کے ساتھ منکر ہیں۔ ان نو میں سے ایک روایت کے الفاظ ہیں " ما افلح قوم یلی امرھم امرأۃ [3]

اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ عورت کی سربراہی کی نفی کرنے والی روایات کے راویوں کی تعداد اتنی ہے کہ ایک دو راویوں کے ضعف سے ان کی مضبوطی میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

---

[1] مسند احمد : جلد ۵ ص ۴۵۔

[2] المستدرک : کتاب الادب ، جلد ۴ ص ۲۹۱۔

[3] مسند احمد : جلد ۵ ص ۵

امام حافظ الہیثمی المتوفی ۸۰۷ کی تحقیق

"باب ملك النساء" کے تحت امام الہیثمی نے جابرؓ بن سمرۃ کے حوالے سے نقل کیا ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس قوم نے اپنی رائے کا مالک عورت کو بنایا وہ کبھی فلاح نہیں پائے گی۔ طبرانی نے "الاوسط" میں اپنے شیخ ابوعبیدہ عبدالوارث بن ابراہیم سے اس کو روایت کیا ہے۔ امام الہیثمیؒ کا قول ہے کہ ابوعبیدہ کو میں نہیں جانتا لیکن اس کے باقی رجال ثقہ ہیں۔

انہوں نے دوسری روایت عبداللہ بن البجنع سے یوں نقل کی ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت عائشہؓ (بصرہ) تشریف لائیں تو ہم حضرت ابوبکرۃؓ کے پاس آئے اور اُن سے کہا کہ عائشہؓ بصرہ پہنچ چکی ہیں۔ اور آپ کہا کرتے تھے۔ عائشۃ۔ عائشۃ هی ذی عائشۃ۔ لہٰذا اب ہمارے ساتھ چلیں۔ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے ایک حدیث سُنی تھی۔ وہ مجھے یاد آ گئی ہے۔ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سُنا کہ آپ نے سبا کی ملکہ بلقیس کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا! اللہ تعالیٰ اس قوم کو مقدس نہیں بنائے گا کہ جس کی قیادت عورت کرے گی۔ اس کو بھی طبرانی نے روایت کیا ہے۔ اور اس میں ایک جماعت ہے کہ جسے میں نہیں پہچانتا۔

امام الہیثمیؒ نے فرمایا ہے کہ میں کہتا ہوں کہ ابوبکرہؓ کی صحیح (بخاری) میں اس کے علاوہ حدیث ہے[1] یعنی اُنہوں نے خود جو دو روایتیں نقل کیں۔ ان کے مقابلے میں صحیح بخاری کی روایت کو ترجیح دی۔

محدثین کا یہی معمول رہا ہے کہ جو حق بات ہے اس کو اپنایا جائے اور جہاں کہیں کسی روایت

---

[1] مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۰۹

میں بات واضح نہ ہو تو اس کو ٹھکرا دیا جائے۔ اگرچہ مجمع الزوائد کی روایات کو بھی تائید کے طور پر قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں لیکن ہمارے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ امام حافظ الہیثمی نے صحیح بخاری کی روایت کو ترجیح دی ہے۔

عورت کی سربراہی کے تاریخی ثبوت کی حقیقت

جناب رحمت اللہ طارق نے عورت کی سربراہی کو ثابت کرنے کے لئے چند مسلم اور غیر مسلم حکمران عورتوں کے حوالے بھی دیئے ہیں جس سے ان کا مقصد یہ ہے کہ اگر ماضی میں مسلم و غیر مسلم ممالک کی عورتیں حکمران رہ چکی ہیں اور اب بھی کئی غیر مسلم ملکوں میں حکمرانی کر رہی ہیں۔ تو پاکستان میں ایک مسلم خاتون حکمران کیوں نہیں ہو سکتی۔؟

اس کی وضاحت پروفیسر محمد اسلم صاحب کے مضمون کے جواب میں کر دی گئی ہے کہ چند تاریخی واقعات کو دلیل بنا کر قرآن و سنّت کی تعلیم کو منسوخ نہیں کیا جا سکتا۔ ویسے بھی جن مسلم خواتین حکمران کے حوالے دیئے گئے ہیں۔ ان کی حکمرانی کسی حادثہ یا مخصوص حالات کا نتیجہ تھی۔ اور ان کا انجام بھی اسی کے تابع تھا۔

ستّ الملک

جناب رحمت اللہ طارق نے احادیث کے راویوں کے بارے میں کذب و دجل کا جو مظاہرہ کیا ہے۔ اپنے اسی معمول کو تاریخی حوالوں میں بھی اپنایا ہے۔ چنانچہ ان کا کہنا ہے۔

خلیفہ العزیز باللہ کی لڑکی ستّ الملک ۱۰۲۴ء میں جب مصری تخت و تاج کی ملکہ بنی تو علماء نے اس کے خطبے پڑھے۔ اعیان مملکت نے بغیر کسی ذہنی تحفّظ کے بیعت اور اعلان وفاداری کیا۔ اور

ملکہ نے بھی اپنی تمام توانائیاں رعایا کی فلاح و بہبود کے لئے وقف کر کے عدل و انصاف کی حسب منشا ایک مثال قائم (مقریزی۔ الدرالمنثورہ۔ تاریخ ابن اثیر)

رحمت اللہ طارق صاحب نے لکھا ہے۔

غور فرمائیے۔ عورت اگر زیرکی، فرزانگی اور صلاحیت جہاں بانی سے عاری ہوتی تو مسلمانوں کا یہ جم غفیر اس کی غیر مشروط اطاعت پر کیسے متفق ہو سکتا تھا؟ نیز اسلام اگر عورت کی سربراہی کی نفی کرتا تو یہ لوگ عورت کو سربراہ بنا کر اسلام کی نفی کیسے کر سکتے تھے؟ حقیقت یہ ہے کہ عدل و انصاف چونکہ مملکت کے لئے ریڑھ کی ہڈی ہوتی ہے۔ اور اس کا صدور ایک رحم دل انسان ہی سے ممکن ہے۔ لہٰذا عورت ہی اگر اس منصب پر فائز کر دی جائے تو وہ اپنی رحملی کی نفسیات کو عدل و انصاف کا جزو بنا سکتی ہے۔

محاسبہ

ست الملک کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے۔ اس کی حقیقت کو واضح کرنے کے لئے ضروری ہے کہ تاریخ ہی کو دیکھا جائے۔ تاکہ معلوم ہو سکے کہ وہ خود ملکہ بنی تھی یا اس نے اپنے بھتیجے علی بن حاکم کی بیعت کروائی تھی اور وہ کتنی رحم دل اور عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے والی تھی۔

علامہ ابن خلدون نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ مصر کے بادشاہ حاکم بامر اللہ کو خبر ملی کہ اس کی بہن (ست الملک) کے پاس اجنبی مرد آتے جاتے ہیں۔ لہٰذا اس نے اپنی بہن کو ڈانٹا۔ لیکن بہن نے ناراض ہو کر کتامہ کے سپہ سالاروں میں سے ابن دواس کو بلا بھیجا اور اس کو اپنے بھائی کے قتل پر ابھارا۔ حالانکہ ابن دواس حاکم سے ڈرتا تھا۔ ابن دواس کے معاملے کو آسان بنانے کے لئے ست الملک نے اس کو بتایا کہ لوگوں کے نزدیک وہ بدعقیدہ ہو گیا ہے (اگر اس کو قتل نہ کیا گیا) تو لوگ اس کو ہلاک کریں گے اور ان کے ساتھ ہم بھی مر جائیں گے۔ ست الملک نے ابن دواس سے وعدہ کیا کہ

اگر وہ اس کام کو کردے گا تو وہ بہت بڑے عہدے پر فائز کر کے اس کو جاگیریں بھی عطا کرے گی۔ پس ابنِ دوّاس نے دو آدمیوں کو بھیجا اور انہوں نے خلوت میں حاکم بامراللہ کو قتل کر ڈالا۔

جب لوگوں کو حاکم بامراللہ کے قتل کئے جانے کا یقین ہو گیا تو وہ اس کی بہن ستّ الملک کے پاس جمع ہوئے۔ اس نے علی بن دوّاس کو بلا کر تخت پر حاکم کے بیٹے علی کو بٹھا دیا۔ جو کہ ابھی نابالغ لڑکا تھا۔ لوگوں نے اس کی بیعت کر لی۔ اور اس نے "الظاھر لاعزاز دین اللہ" کا لقب اختیار کیا۔ ستّ الملک نے دوسرے شہروں میں علی بن حاکم کی بیعت لینے کے لئے خطوط بھیجے۔

ابنِ دوّاس اگلے دن جب حاضر ہوا اور اس کے ساتھ دوسرے سپہ سالار بھی تھے تو ستّ الملک نے اپنے ایک خادم کو اشارہ کیا جس نے سب سپہ سالاروں کے سامنے ابن دوّاس کو قتل کر دیا اور وہ خادم یہ بھی کہتا رہا کہ یہ حاکم کے خون کا بدلہ ہے۔ ابن دوّاس کے قتل پر کسی نے احتجاج نہ کیا اور چار سال ستّ الملک امورِ سلطنت کی نگرانی کرتی رہی[1]

علّامہ ابن اثیر نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ ستّ الملک نے ریاست کا کچھ انتظام ابن دوّاس کے سپرد کر دیا اور اس سے کہا کہ ہم ارادہ رکھتے ہیں کہ مملکت کا سارا انتظام تمہارے حوالے کر کے تمہاری جاگیروں میں اضافہ کر دیں اور تمہیں خلعت سے نوازیں۔ پس تم اس کے لئے کوئی دن مقرر کر لو۔ ابن دوّاس نے زمین کو بوسہ دیتے ہوئے ستّ الملک کے لئے دُعاء کی اَور یہ خبر لوگوں میں مشہور ہو گئی۔ پھر ستّ الملک نے ابن دوّاس کو بلایا اور اس کے ساتھ دوسرے سپہ سالار بھی حاضر ہوئے۔ ستّ الملک نے محل کے دروازے بند کروا دیئے۔ اور ابن دوّاس کی طرف ایک خادم بھیجا اور اس کو حکم دیا کہ وہ سپہ سالاروں سے کہے کہ ابن دوّاس نے تمہارے بادشاہ کو قتل کیا ہے۔ پھر تلوار سے ابنِ دوّاس کو قتل کر دے۔ چنانچہ

---

[1] تاریخ ابن خلدون۔ جلد ۴ ص ۶۱۔

خادم نے حکم کی تعمیل کر دی [1]

جو کچھ علامہ ابن خلدون نے ستّ الملک کے بارے میں لکھا ہے۔ علامہ ابن اثیر نے اس سے بھی زیادہ تفصیل کے ساتھ حاکم بامر اللہ کے قتل کے منصوبے پر روشنی ڈالی ہے۔ اور حاشیے میں النجوم الزاہرہ کے حوالے سے یہ بھی منقول ہے کہ اس کے اس راز سے جو کوئی بھی واقف تھا، ستّ الملک نے ان سب کو قتل کرا دیا۔

سیّدہ زینب نے ستّ المُلک اور ابن دوّاس کے خونی معاہدے کے بارے میں جو کچھ نقل کیا ہے۔ وہ جناب رحمت اللہ طارق کو نظر نہیں آیا اور حاکم کے بیٹے علی کی جگہ ستّ الملک کو تخت و تاج کی مالکہ بھی بنا دیا۔ حالانکہ الدرالمنثور کے الفاظ ہیں۔ اس کے بعد ہم اس کے بیٹے کو تخت پر بٹھا دیں گے۔ تم ہی مدیر الدولہ ہو گے اور میں تمہارے وظیفے میں ایک لاکھ دینار کا اضافہ کر دوں گی۔ پھر اس نے ان آدمیوں کو ایک ہزار دینار دیئے جو قتل پر مامور ہوئے تھے [2]

عمر رضا کحالہ نے ستّ الملک اور ابن دواس کے خونی منصوبے پر اس طرح روشنی ڈالی ہے کہ ستّ المُلک نے اپنے بعض خاص خدمت گزاروں کے ذریعے ابن دواس کے پاس پیغام بھیجا کہ ہماری ملاقات ضرور ہونی چاہیئے اگر تم نہیں آسکتے تو میں آجاؤں گی۔ چنانچہ رات کے وقت بھیس بدل کر وہ اکیلی اس کے گھر گئی۔ جب وہ اس کے پاس پہنچی تو ابن دواس نے کئی مرتبہ زمین بوسی کی اور اس کی خدمت میں کھڑا ہو گیا۔ لیکن ستّ الملک نے اس کو گھر کے اندر بیٹھنے کا حکم دیا۔ پھر کہا۔ اے سیف الدولہ! میں ایسے معاملے میں تیرے پاس آئی ہوں۔ جو میرے، تیرے اور مسلمانوں کے بچاؤ کا سبب اور ذریعہ ہو گا۔ اس میں تیرا سبب زیادہ حصّہ ہو گا اور میں اس میں تیری مدد چاہتی ہوں۔

---

[1] تاریخ الکامل۔ جلد ۷ ص ۳۰۷۔

[2] الدرالمنثور: ص ۲۴۰۔

ابنِ دواس نے کہا۔ میں آپ کا غلام ہوں۔ ست الملک نے رازداری پر اس سے وعدہ لیا، اور اس کو قسم دی۔ پھر اس سے کہا۔ کہ تو جانتا ہے کہ میرا بھائی تیرے بارے میں کیا ارادہ رکھتا ہے؟ وہ جب موقع پائے گا تو تجھے نہیں چھوڑے گا۔ اسی طرح میں اور تم بہت بڑے خطرے میں ہیں۔ اس پر طرّہ یہ کہ وہ الوہیت کا مدعی ہے۔ اس نے شریعت اور اپنے آباء و اجداد کی ناموس کو تار تار کر دیا ہے اور اس کا جنون زیادہ ہو گیا ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ مسلمان اس پر حملہ کر دیں گے اور اس کے ساتھ ہمیں بھی قتل کریں گے اور یہ حکومت بُری طرح ختم ہو جائے گی۔

سیف الدولہ ابن دواس نے کہا۔ آپ نے سچ فرمایا۔ آپ کی کیا رائے ہے؟ ست الملک نے جواب دیا۔ اس کو قتل کر دیا جائے تاکہ ہم اس سے راحت پائیں۔ جب معاملہ ٹھیک ہو جائے گا تو اس کی جگہ ہم اس کے بیٹے کو بٹھا کر مال خرچ کریں گے۔ تم سپہ سالار، شیخ الدولہ اور مدبّر و منتظم ہو۔ جب کہ میں پردے کے پیچھے رہنے والی ایک عورت ہوں۔ میری غرض صرف سلامتی ہے۔ تاکہ تمہارے درمیان ذلّت و رسوائی سے بچتے ہوئے چین سے رہوں۔ پھر اس نے ابن دوّاس کو بہت سی جاگیریں عطا کیں۔ مال و خلعت اور سالانہ سواریاں مہیّا کرنے کا وعدہ بھی کیا۔

پروگرام کے مطابق دو غلاموں کے ہاتھوں اپنے بھائی حاکم کو قتل کروا دیا۔ ابن دوّاس اور دونوں غلام حاکم کی لاش لے کر جب ست الملک کے پاس پہنچے تو اس نے اپنے بھائی کو اپنی ہی بیٹھک میں دفن کروا کر اس پر راز کا پردہ ڈال دیا۔ ابن دوّاس اور دونوں غلاموں کو بہت سے مال اور کپڑوں سے نوازا۔ اس کے بعد رئیس الرؤساء خطیر الملک الوزیر کو اطاعت و وفا کی شرط پر قسم دیتے ہوئے راز میں شریک بنا لیا۔ لیکن جب اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئی تو ابن دوّاس، وزیر اور ہر اس شخص کو قتل کروا دیا جو اس کے خونی پروگرام سے واقف تھا۔[1]

---

[1] اعلام النساء: جلد ۲ ص ۱۶۶ تا ۱۷۰۔

یہ تھی وہ رحم دل اور عدل وانصاف کرنے والی ست الملک کہ جس کا حوالہ دے کر عورت کی سربراہی کو ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ حالانکہ جن کتابوں کے حوالے دیئے گئے۔ ان میں سے کسی ایک میں بھی یہ منقول نہیں کہ اس نے لوگوں سے اپنی بیعت لی تھی یا خود تخت نشین ہوئی تھی بلکہ خونی ڈرامے کے بعد اس نے اپنے بھتیجے کو تخت پر بٹھایا تھا۔

شجرۃ الدر

مؤرخین نے لکھا ہے کہ یہ عورت مصر کے سلطان صالح نجم الدین ابو الفتوح ایوب کی ترکی لونڈی تھی۔ اور سلطان کے لئے اس کے بطن سے سلطان خلیل پیدا ہؤا۔ جب کہ رحمت اللہ طارق صاحب نے اسے بادشاہ نجم الدین کی بیٹی بنا دیا ہے۔ اور صرف ان باتوں کا ذکر کیا جو اُن کے مطلب کی تھیں۔

مؤرخین کے مطابق جب ملک صالح نجم الدین فرانسیسی فوج کے خلاف منصورہ کے قرب میں لڑائی کے دوران میں فوت ہو گیا تو شجرۃ الدر نے اس کی موت کو پوشیدہ رکھا۔ یہاں تک کہ اس کا بیٹا توران شاہ شجرۃ الدر کے بلانے پر پہنچ گیا۔ لیکن ستر دنوں کے بعد ۶۴۸ھ کے آغاز میں توران شاہ کو قتل کر دیا گیا۔

عمر رضا کحالہ نے نقل کیا ہے کہ جب توران شاہ منصورہ پہنچا تو اس نے شجرۃ الدر کو بلایا اور ڈرایا۔ اور اس سے اس مال کا مطالبہ کیا جو اُس نے چھپا رکھا تھا۔ اسی وجہ سے شجرۃ الدر نے اپنے بعض ممالیک کو بھیجا جنہوں نے اس کو سات محرم ۶۴۸ھ میں قتل کر دیا[1]

بنو ایوب کی حکومت کے خاتمہ کے ساتھ ترک ممالیک نے حکومت شجرۃ الدر کے حوالے کر دی اور

---

[1] اعلام النساء جلد ۲ ص ۲۸۷ (عمر رضا کحالہ) اعلام لزرکلی جلد ۳ ص ۲۳۱۔

عزالدین ایبک ترکمانی کو افواج کا سربراہ بنادیا۔

مقریزی اور سیدہ زینب نے نقل کیا ہے:۔

خلعت على المماليك البحرية وانفقت فيهم الاموال ولم يوافق اهل الشام على سلطنتها وطلبوا الملك الناصر صلاح الدين يوسف حلب فسار الى دمشق وملكها فانزعج العسكر بالقاهرة [1]	"اس نے ترک ممالیک کو خلعتیں عطا کیں اور ان پر مال خرچ کیا۔ لیکن اہل شام نے اس کی سلطنت سے موافقت نہ کی اور انہوں نے حلب کے امیر ملک ناصر صلاح الدین یوسف کو بلا لیا۔ چنانچہ وہ دمشق گیا۔ اور وہاں کی حکومت سنبھال لی۔ قاہرہ میں فوج بے چین و بے قرار ہو گئی"

السلطان الملک المعز عزالدین ایبک کے ترجمہ کے تحت مقریزی نے یہ بھی لکھا ہے:۔

فلما مات الصالح وقدمته البحرية عليهم في سلطنة شجرة الدر كتب اليهم الخليفة المعتصم من بغداد يذمهم على اقامة امرأة [2]	"جب سلطان صالح فوت ہو گیا اور ترکی ممالیک نے عزالدین کو شجرۃ الدر کی حکومت میں اپنا سپہ سالار بنالیا، تو خلیفہ معتصم نے بغداد سے ایک ایسا خط لکھا کہ جس میں اس نے عورت کو حکمران بنانے پر ان کی مذمت کی"

---

[1] الدر المنثور: ص ۲۵۵۔ الخطط المقریزیۃ: جلد ۲ ص ۲۳۷۔

[2] الخطط المقریزیۃ: ص ۲۳۸۔

ڈاکٹر فرید ایم شافعی کے الفاظ ہیں :۔

The accession of Shagaret-Ad-Durr to the throne aroused the anger of Muslims not only in Egypt but in all Muslim Countries. The Abbassid Caliph sent word to the Mamluks saying: if there is no man among you fit to rule I shall send one to you. As a compromise, Shagaret-Ad-Durr was married to Izz-Ad-Din Aybak, the Commander-in-Chief of the army. He was called Aybak or Father of the soldiers. He became Sultan under the name of The King Al-Muizz. [1]

شجرۃ الدر کے تخت نشین ہونے پر نہ صرف مصر میں بلکہ تمام اسلامی ممالک میں غصّے کی ایک لہر دوڑ گئی ۔ عباسی خلیفہ نے ممالیک کو کہلا بھیجا کہ اگر تمہارے پاس حکومت کرنے کی صلاحیت رکھنے والا کوئی مرد نہیں تو میں تمہاری طرف ایک روانہ کئے دیتا ہوں۔ سمجھوتے کے طور پر شجرۃ الدر کی شادی افواج کے سربراہ عزّالدین ایبک سے کر دی گئی جس کو ایبک یا فوجیوں کا باپ کہا جاتا تھا وہ ملک المعز کے نام سے مصر کا سلطان بن گیا۔

خلیفہ بغداد کا عورت کی حکمرانی کو ختم کرنا

عمر رضا کحالہ نے لکھا ہے :۔

---

[1] Egypt An Islamic Heritage. P.107

ولما بلغ الخليفة المستنصر بالله
ابا جعفر وهو ببغداد ان اهل
مصر سلطنوا عليهم امرأة
ارسل يقول لامراء مصر
اعلمونا ان كان ما بقي
عندكم في مصر من الرجال
من يصلح للسلطنة
فنحن نرسل لكم من
يصلح لها اما سمعتم في
الحديث عن رسول الله
صلى الله عليه وسلم انه
قال : لا افلح قوم ولوا
امرهم امرأة وانكر
عليهم انكارا عظيما وهددهم
وحضهم على الرجوع من
توليتها مصر. فلما بلغ
شجرة الدر ذلك خلعت
نفسها من السلطنة برضاها
من غير اكراه بعد ان

"خلیفہ مستنصر باللہ ابوجعفر کو بغداد
میں جب یہ خبر ملی کہ اہل مصر نے اپنے
اوپر ایک عورت کو حکمران بنا لیا ہے تو
اس نے مصر کے اُمراء کے پاس پیغام
بھیجا۔ اگر تمہارے پاس مصر میں مردوں
میں سے کوئی ایسا باقی نہیں بچا، جو
حکمرانی کی صلاحیت رکھتا ہو۔ تو ہمیں
بتا دو تاکہ ہم تمہارے اس کو بھیجیں
جو حکمرانی کر سکتا ہے۔ کیا تم نے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی حدیث نہیں سُنی کہ آپ نے فرمایا
اُس قوم نے فلاح نہیں پائی جس نے
عورت کے سپرد اپنا معاملہ کر دیا۔
خلیفہ نے زبردست ناپسندیدگی کا
اظہار کیا اور ان کو ڈرایا اور مصر
پر عورت کی حکمرانی کو ختم کرنے کی
تلقین کی۔ جب شجرۃ الدر کو یہ بات پہنچی
تو بلا جبر و اکراہ وہ اپنی مرضی
سے حکومت سے الگ ہوگئی، حالانکہ

حكمت بالديار المصرية   وہ مصری علاقوں پر تین مہینے سے کچھ دن
نحو ثلاثة اشهر الا اياما [1]   کم حکومت کر چکی تھی۔"

مقریزی اور سیدہ زینب نے واضح کیا ہے کہ عزالدین ایبک ترکمانی نے شجرۃ الدر سے شادی کر لی۔ اور وہ اس کے لئے حکمرانی سے دستبردار ہو گئی۔ اس کی حکومت کی مدت اسّی دن تھی [2]

اس عورت کی ذہانت و فطانت کا پتہ اسی بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب اس کے خاوند عزالدین نے موصل کے امیر کی بیٹی سے شادی کرنے کا ارادہ کیا۔ تو شجرۃ الدر نے اس کو غفلت میں قتل کرنے کا پروگرام بنا کر خدام کو ساتھ ملا لیا اور ان کو مال کثیر دینے کا وعدہ کیا۔ چنانچہ عزالدین جب چوگان کھیلنے کے بعد تھکا ہوا حمام میں نہانے کے لئے داخل ہوا۔ تو خدام نے اس کو زمین پر لٹکا کر اس کا گلا دبا دیا۔

ممالیک میں سے عزالدین مصر کا پہلا حاکم و بادشاہ تھا۔ جس کے بارے میں ابوالفلاح عبدالحی بن العماد الحنبلی نے لکھا ہے کہ وہ حرام اور غیر مستحسن کاموں سے رُکنے والا اور پاک دامن انسان تھا کسی کی حاجت و ضرورت کو نہ ردّ کرتا اور نہ ہی شراب پیتا تھا۔ اُمراء کی بہت زیادہ مدارات کیا کرتا تھا۔ اس نے دریا کے کنارے مدرسہ بنوایا۔ اور اس کے لئے خوب مال وقف کیا [3]

شجرۃ الدر کے انجام کے بارے میں ڈاکٹر فرید ایم شافعی نے لکھا ہے:۔

عزالدین ایبک نے موصل کے امیر کے ساتھ تعلقات بہتر بنانے کے لئے اس کی بیٹی سے

---

[1] اعلام النساء جلد ۲ ص ۲۸۸۔

[2] الخطط المقریزیۃ: جلد ۲ ص ۲۳۸ - الدر المنثور: ص ۲۵۵ - اُردو دائرۃ المعارف: جلد ۱ ص ۶۵۹

[3] شذرات الذہب: جلد ۵ ص ۲۶۷ - ۲۶۸۔

شادی کرنے کا ارادہ کیا۔ جس پر شجرۃ الدر نے ناراض ہو کر اس کو حمام میں قتل کرنے کا منصوبہ بنا لیا۔ ممالیک نے اس کے خلاف بغاوت کر کے اس کو قلعہ میں قید کر دیا۔ پھر عزالدین کی پہلی بیوی کو جسے شجرۃ الدر نے طلاق دلوادی۔ اُس کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس نے اپنے خدام کو حکم دیا کہ شجرۃ الدر کو لکڑی کی کھڑاؤں اور جوتوں کے ساتھ مار مار کر ختم کر دیا جائے۔ شجرۃ الدر کی جب اس سزا کی وجہ سے موت واقع ہوگئی، تو اس کی ننگی لاش کو قلعہ کے باہر گڑھے میں پھینک دیا گیا۔[1]

رضیہ سلطانہ

پروفیسر محمد اسلم کے مضمون کے جواب میں رضیہ سلطانہ کی حکمرانی پر تفصیلاً بحث ہو چکی ہے کہ وہ کن حالات میں ملکہ بنی اور قرآن و سنت کی مخالفت کرنے کا نتیجہ کیا نکلا؟ یہاں صرف یہ بات سامنے رہنی چاہیئے کہ قرآن و سنت کے قانون کو انسانوں کی کثرت رائے سے نہ ختم کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس میں کوئی ترمیم ہو سکتی ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اچھائی اپنانے یا ٹھکرانے کا اختیار دے رکھا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر جبر نہیں کرتا بلکہ ان کے اعمال کے مطابق جزا یا سزا دیتا ہے۔ ماضی میں جہاں جہاں حکمرانی مسلمان عورتوں کو ملی یا اُنہوں نے حاصل کی تو نتیجہ وہی سامنے آیا جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش گوئی فرمائی تھی۔

ملکہ یمن فاطمہ

اس ملکہ کے بارے میں جناب رحمت اللہ طارق نے لکھا ہے کہ اس نے زیدی مذہب کی

---

[1] Egypt An Islamic Heritage P. 108 ایضاً اعلام لزرکلی: جلد ۳ ص ۲۳۱

اشاعت کے لئے صنعاء سے لے کر ظفار اور صعدہ سے لے کر نجران تک کے دُور دراز علاقے فتح کر کے اپنی قائدانہ صلاحیتوں کا ڈنکا بجا دیا تھا۔ رحمت اللہ طارق صاحب نے اپنے معمول کے مطابق یہاں بھی حوالہ اتنا ہی دیا کہ جتنا ان کے مطلب کا تھا۔ جہاں سے بات ان کے خلاف جاتی ہے۔ اس کے آگے نہیں گئے۔

چنانچہ خیرالدین الزرکلی نے نقل کیا ہے کہ امام الناصر لدین اللہ صلاح الدین نے اس سے شادی کر لی۔ اور وہ صعدہ ہی میں رہی۔ مؤرخ الضمدی نے ۸۵۷ھ کے حوادث کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اسی سال الشریفہ فاطمہ بن الحسن نے حسن بن محمد مداعس کو باپ سویدان کے پیچھے قتل کرنے کا حکم دیا۔ جس کی وجہ سے حسن کا بھائی عبداللہ اپنے بھائی کے قتل کا بدلہ لینے کے لئے میدان میں آگیا۔ اور وہ اپنے ساتھ امام الناصر کو بھی لے آیا۔ پس اس نے ایک مدت تک صعدہ کا محاصرہ کر کے شوال ۸۶۰ھ میں اس پر قبضہ کر لیا۔ الشریفہ فاطمہ کے ملکوں اور اس کے وزراء پر امام الناصر غالب آگیا اور تمام وزراء کو قید کر کے صنعاء کی طرف ان کو بھیج دیا۔ اُسی وقت الشریفہ مذکورہ کی حکومت ختم ہو گئی۔

الضمدی نے دوسری جگہ کہا ہے کہ امام الناصر نے الشریفہ کو صنعاء منتقل کر دیا۔ پس اس کی وہیں موت واقع ہوئی۔ اور وہیں اس کی قبر ہے[1]

قائدانہ صلاحیتوں کا ڈنکا بجانے والی کا حشر بھی وہی ہوا جس کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی دے دی تھی۔

چاند بی بی

جناب رحمت اللہ طارق کا کہنا ہے کہ چاند بی بی حسین نظام شاہ والی احمد نگر کی بیٹی و علی عادل شاہ

---

[1] اعلام قاموس تراجم۔ جلد ۵ ص ۳۲۶ (خیرالدین الزرکلی)

اول بیجاپور کی ملکہ تھی۔ ۱۵۴۷ء میں پیدا ہوئی۔ شادی کے بعد علی عادل کی ۱۵۸۰ء میں فوتگی ہوئی اور اس کی وصیت کے مطابق اس کی بیگم چاند بی بی امورِ مملکت کی منتظم ٹھہری۔ بلکہ بدھ اور جمعہ کے علاوہ ہر روز قلعہ میں دربار لگایا کرتی تھی۔

رحمت اللہ طارق صاحب کا یہ بھی کہنا ہے کہ اس نامور عورت نے پانچ سال حکومت کر کے اپنی ہمہ صلاحیتوں کا بھرپور مظاہرہ کیا۔ جب کہ علماء میں سے کوئی بھی اس کے منصب و مقام کو زیرِ بحث نہیں لایا[1]

محاسبہ

رحمت اللہ صاحب کا یہ کہنا کہ چاند بی بی کو اس کے خاوند کی وصیت سے امورِ مملکت کی منتظم بنایا گیا۔ اور وہ بدھ اور جمعہ کے علاوہ ہر روز دربار لگایا کرتی تھی۔ درست نہیں۔ کیوں کہ محمد قاسم فرشتہ نے واضح طور پر لکھا ہے کہ علی عادل شاہ (چاند بی بی کا خاوند) کے گھر میں کوئی بیٹا پیدا نہیں ہوا تھا اس لئے اس نے اپنے بھائی کے بیٹے شہزادہ ابراہیم طہماسپ کو ماہِ شوال ۹۸۷ھ میں اپنا ولی عہد مقرر کیا۔ اسی مہینے شہزادہ ابراہیم کی رسمِ ختنہ عمل میں آئی اور ایک بہت بڑا جشنِ مسرت منعقد ہوا[2]

مؤرخ محمد قاسم فرشتہ نے ابراہیم عادل ثانی کے ابتدائی حالات میں مزید وضاحت یوں کی ہے کہ شہزادہ ابراہیم اپنے چچا علی عادل کی وصیت کے مطابق تخت و سلطنت کا وارث ہوا۔ اور سارے ملک میں اس کے نام کا خطبہ اور سکہ جاری ہو گیا[3]

---

[1] عورت اور مسئلہ امارت۔ ص ۶۲-۶۳

[2] تاریخ فرشتہ۔ جلد ۲ ص ۲۰۶ [3] ایضاً۔ ص ۲۴۲۔

یہ بھی منقول ہے کہ ابراہیم کی حکومت کے ابتدائی زمانے میں چند درباریوں نے اقتدار حاصل کر کے سلطنت کے تمام امور کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ چونکہ اُمراء کا تذکرہ اس قابل ہے کہ اس کتاب میں درج کیا جائے۔ لہٰذا مختصر بیان کیا جاتا ہے کہ مشہور عادل شاہی امیر کامل خان دکنی علی عادل شاہ کے عہدِ حکومت میں برسرِ اقتدار آیا۔ اس نے قلعہ مرج کی تسخیر کے سلسلے میں نمایاں خدمات انجام دیں اور تمام ملکی وسیاسی امور کا مختار ہو گیا۔

کامل خان دکنی نے اپنے اعتباری مقربین کو ابراہیم عادل شاہ ثانی کے گرد مقرر کیا۔ قلعے کے تھانیدار کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا۔ اس نے بادشاہ کی تعلیم وتربیت کا فریضہ علی عادل کی بیوی چاند بی بی کو سونپا۔ بدھ اور جمعہ کے علاوہ ہر روز وہ ابراہیم کو شاہی محل سے نکال کر دربار میں لاتا اور تمام لوگوں کو بادشاہ کے حضور میں آنے کا موقع دیتا۔ اور بڑی خوش اسلوبی اور دیانتداری کے ساتھ تمام اُمورِ سلطنت کو انجام دیتا۔ دو ماہ تک تو کامل خان دکنی کا یہی انداز رہا۔ لیکن بعد میں نشۂ اقتدار جادُو کی طرح سر چڑھ کر بولا۔ وہ اپنی قوت پر نازاں ہو کر عجیب وغریب حرکتیں کرنے لگا۔ یہاں تک کہ اس نے چاند بی بی سے بھی بے ادبی کی، چاند بی بی، کامل خان کی اس حرکت کو برداشت نہ کر سکی۔ اور اس نے غصّہ میں آکر حاجی کشور ولد کمال خان کو یہ پیغام بھیجا۔ کامل خان دکنی اب منصب وکالت کے قابل نہیں رہا۔ میری خواہش ہے کہ یہ خدمت اب تم سنبھال لو۔ لہٰذا جس طرح بھی ممکن ہو۔ کامل خان کو ٹھکانے لگا دُو۔ اس معاملے میں عجلت سے کام لینا۔ اگر ذرا بھی تاخیر ہو گئی تو پھر کامل خان کی قوّت پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ جائے گی۔ اور اس سے چھٹکارا حاصل کرنا مشکل ہو جائے گا[1]

چنانچہ چاند بی بی کی خواہش کے مطابق کامل خان کو قتل کر دیا گیا۔ اور حاجی کشور خان نے تمام

---

[1] تاریخ فرشتہ۔ جلد ۲ ص ۲۰۹ - ۲۱۰ -

امورِ سلطنت کو اپنے ہاتھ میں لیا اور چاند بی بی کے مشورے کے مطابق بڑی مستقل مزاجی سے اپنے فرائض انجام دینے لگا۔ لیکن حاجی کشور خان نے ایک سیّد زادے امیر مصطفیٰ خان کو اپنے اقتدار کے لئے خطرہ سمجھتے ہوئے جب قتل کروا دیا۔ تو چاند بی بی اس سے ناراض ہوگئی۔ اور اس نے بھی چاند بی بی پر الزام لگا دیا کہ اپنے بھائی مرتضیٰ شاہ کو سلطنت کے تمام رازوں سے آگاہ کرتی رہتی ہے۔ کشور خان نے ابراہیم عادل شاہ ثانی کو چاند بی بی کے خلاف بھڑکایا۔ اور مشورہ دیا کہ اس کو کچھ عرصہ کے لئے قلعہ ستارا میں قید کر دینا چاہیئے۔ جب نظام شاہی جھگڑوں سے چھٹکارا حاصل ہو جائے تو اُسے شاہی محل میں واپس بلا لیا جائے۔ کشور خاں کی چال کامیاب ہوئی اور چاند بی بی کو قلعہ ستارا میں نظر بند کر دیا گیا [1]

اِس سے معلوم ہوا کہ چاند بی بی اپنے خاوند علی عادل شاہ کی وفات کے بعد تخت نشین نہیں ہوئی تھی اور نہ ہی اس کے ہاتھ میں امورِ سلطنت تھے۔ بلکہ بادشاہ کی تعلیم و تربیت کا فریضہ اس کو سونپا گیا تھا۔ لیکن مرتضیٰ نظام کی بہن اور علی عادل کی بیوہ ہونے کے ناطے اس کا اُمراء میں اثر و رسوخ ضرور تھا۔ جس کی بنا پر اس نے اپنے خاوند کے معتمد علیہ کو اس لئے قتل کروایا کہ اس نے اس کی بے ادبی کی تھی۔ اور اگر سلطنت کے امور کی وہ منتظم ہوتی تو ہفتے میں پانچ دن اُس کا دربار لگا کرتا تھا تو اس کو ابراہیم عادل کے حکم سے نظر بند نہ کیا جاتا۔

جب اخلاص خان حبشی کو وکیل السّلطنت مقرر کیا گیا۔ اور ملکی و مالی امور اس کی نگرانی میں آگئے، تو اسی دوران میں چاند بی بی شاہی فرمان کے مطابق قلعہ ستارا سے محل واپس آگئی۔ اخلاص خان نے حسب دستور بادشاہ کی تعلیم و تربیت کا فریضہ چاند بی بی کے سپرد کیا [2]

---

[1] تاریخ فرشتہ: جلد ۲ ص ۲۱۳ - ۲۱۴۔

[2] تاریخ فرشتہ: جلد ۲ ص ۲۱۶۔

چاند بی بی شادی ہونے کے بعد بیجاپور میں ہی مقیم رہی تھی اور اپنے بھائی مرتضیٰ نظام شاہ سے ملے ہوئے مدت ہوگئی تھی۔ لہٰذا وہ احمد نگر جانے کی خواہشمند تھی۔ ابراہیم عادل شاہ کی بہن خدیجہ کی شادی چاند بی بی کے بھتیجے اور مرتضیٰ نظام کے بیٹے میراں شاہ کے ساتھ جب ہوئی تو چاند بی بی بھی دلہن کے ساتھ احمد نگر آگئی[1]

مورخ محمد قاسم فرشتہ کے مطابق ان دنوں احمد نگر کے بادشاہ مرتضیٰ نظام شاہ کی دماغی حالت اچھی نہ تھی۔ جب اُسے بتایا گیا کہ اُمراء اور رعایا اس کے بیٹے میراں شاہ کو بادشاہ بنانا چاہتے ہیں۔ تو اس نے اپنے بیٹے کے قتل کا پروگرام بنایا۔ بیٹے نے بادشاہ کے داؤ سے بچ کر اپنے باپ کو مروا دیا لیکن ایک سال بھی گزرنے نہ پایا تھا کہ میراں شاہ بھی قتل ہوگیا۔ اس کے بعد مرتضیٰ نظام شاہ کے بھائی کے بیٹے اسمٰعیل نظام شاہ کو تخت پر بٹھا دیا گیا۔ لیکن برہان نظام شاہ جو کہ اس وقت اکبر بادشاہ کی پناہ میں تھا۔ اس نے احمد نگر آکر بیٹے کو ہٹا کر خود بادشاہت سنبھال لی۔ برہان نظام شاہ کی وفات کے بعد اس کے بڑے بیٹے ابراہیم نظام شاہ کو بادشاہ تسلیم کر لیا گیا۔ وہ بھی عادل شاہ کی طرف سے سرحدی محافظ حمید خان کے خلاف لڑائی میں اپنی ناسمجھی اور بے وقوفی کی وجہ سے قتل ہوگیا۔ ابراہیم کے مارے جانے کے بعد چاند بی بی اس کے بیٹے بہادر شاہ کو بادشاہ بنانے کے حق میں تھی۔ جس کی عمر ایک سال سات مہینے تھی۔ جب کہ اُس وقت کے وکیل السلطنت میاں منجوی اور عسکری سرداروں نے باہمی مشورہ سے ۱۰۰۳ھ میں احمد شاہ کو تخت پر بٹھا دیا۔

ریاست احمد نگر میں ایسی ہی صورتِ حال تھی کہ مغل بادشاہ اکبر کے بیٹے شہزاد مراد نے احمد نگر کو فتح کرنے کے لئے ریاست پر چڑھائی کر دی۔ چاند بی بی نے قلعے میں بہادر شاہ بن ابراہیم شاہ کے نام کا غائبانہ خطبہ پڑھوا کر قلعہ کے دفاع کا عزم کر لیا اور بیجاپور کے عادل شاہ سے امداد کی درخواست

---

[1] تاریخِ فرشتہ جلد ۲ ص ۲۲۴ - ۲۹۳ -

کردی۔ آہنگ خان کو بھی پیغام بھیجا کہ وہ احمد نگر کی حفاظت کے لئے فوراً پہنچ جائے۔

مغلوں نے جب قلعے پر حملہ کر کے ایک دیوار میں شگاف کر دیا تو چاند بی بی گھوڑے پر سوار ہو کر وہاں پہنچی اور نہ صرف اس شگاف کو پُر کروایا بلکہ اہلِ قلعہ کی ہمت افزائی کرتی رہی۔ شہزادہ مراد اور اس کے ساتھی اپنے مقصد کو پانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اور فریقین میں اس شرط پر صلح ہو گئی کہ چاند بی بی مغلوں کے حوالے برار کا قلعہ کر دے گی اور باقی حصہ نظام شاہی کے قبضے میں رہے گا۔ چاند بی بی کی اسی بہادری کی وجہ سے اسے چاند سلطان کا لقب دیا گیا۔ اور چاند بی بی کی کوششوں سے بہادر شاہ احمد نگر کے تخت پر جلوہ افروز ہوا۔ چاند بی بی نے آہنگ خان کو منصب پیشوائی پر فائز کر دیا۔ لیکن تھوڑے ہی عرصے میں آہنگ خان نے چاہا کہ بہادر شاہ کو اپنے قبضے میں لے کر چاند بی بی کو کسی قلعے میں نظر بند کر دے اور خود سیاہ و سفید کا مالک بن جائے۔ چاند بی بی کو جب آہنگ خان کے ارادے کی خبر ملی تو اس نے آہنگ خان کا قلعے میں آنا جانا بند کر دیا۔ لیکن وہ سرکشی پر اتر آیا اور قلعے کا اس نے محاصرہ کر لیا۔ یہی صورتِ حال تھی، کہ شہزادہ مراد کا انتقال ہو گیا اور اس کی وفات کے بعد اس کے بھائی دانیال نے احمد نگر کو فتح کرنے کا پروگرام بنا لیا۔ آہنگ خان کے ساتھ پندرہ ہزار سواروں کا لشکر تھا۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ چاند بی بی اور بہادر شاہ سے مل کر مغلوں کے خلاف لڑتا۔ لیکن جب اس کو مغلوں کی آمد کی خبر ملی تو اپنے سامان کو آگ لگا کر جنیر بھاگ گیا۔

دانیال نے جب احمد نگر کا محاصرہ کیا تو اندرونی ہنگامہ خیزی اور اُمراء کی سرکشی کی وجہ سے پہلے جیسے حالات نہ تھے۔ لہٰذا چاند بی بی کے لئے دفاع کرنا ممکن نہ رہا۔ چنانچہ جب جیتہ خان سے چاند بی بی نے یہ کہا کہ میری رائے میں قلعہ شہزادہ دانیال کے سپرد کر کے اپنی عزت اور جان بچائی جائے۔ اور جنیر جا کر اللہ کی مدد کا انتظار کیا جائے تو جیتہ خان نے اہلِ قلعہ کو جمع کر کے بآوازِ بلند کہا۔ چاند بی بی نے اکبری اُمراء سے ساز باز کر کے قلعہ شہزادہ دانیال کے حوالے کر دینے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اہلِ دکن یہ سنتے ہی حرم سرا میں داخل ہو گئے۔ اور انہوں نے چاند بی بی کو بڑی بے رحمی سے قتل کر ڈالا[1]

---

[1] [illegible] جلد ۲ ماخوذ [illegible] ص ۳۴۵ [illegible]

رحمت اللہ طارق صاحب کی تاریخی غلطی

جناب رحمت اللہ طارق نے اپنی "انقلاب آفرین" کتاب میں لکھا ہے۔ ۱۵۸۵ء میں چاند بی بی نے اپنے بھائی مرتضیٰ نظام شاہ کو امورِ سلطنت سپرد کر کے بقیہ عمر یادِ الٰہی میں صرف کرنے کا ارادہ کر لیا۔ اس کے باوصف کہ وہ امورِ سلطنت سے دست بردار ہو چکی تھی حمید خان نے دغا کی اور بھاری فوج لے کر محل میں داخل ہوا۔ چاند بی بی نے ذاتی طور پر مقابلہ کیا۔ مگر اس ناگہانی حملہ کی تاب نہ لا سکی اور حمید خان نے اس کا سر قلم کر دیا۔ جب عباس خان کو پتہ چلا کہ حمید خان نے غداری کر کے بے خبری میں اس کی والدہ کو قتل کر دیا ہے تو وہ دیوانہ وار دوڑتا ہوا آیا اور حمید خان کا تعاقب کر کے پسرانہ محبت کی بھڑاس نکال لی۔

عجیب اتفاق ہے کہ محمد قاسم فرشتہ اسی دور کا مؤرخ اور اسی علاقے کا رہنے والا تھا۔ احمد نگر اور بیجاپور ریاستوں سے اس کا گہرا تعلق تھا۔ اس نے کہیں یہ نہیں لکھا کہ چاند بی بی کا عباس خان نامی کوئی بیٹا تھا۔ رحمت اللہ طارق صاحب جیسے "اہلِ بصیرت" کو اتنی سی بات بھی سمجھ نہ آئی کہ اگر چاند بی بی کا بیٹا ہوتا تو علی عادل شاہ کے بعد اس کا بھتیجا ابراہیم عادل شاہ بیجاپور کے تخت پر نہ بیٹھتا اور چاند بی بی بھی اپنی والدہ کی طرح اپنے بیٹے کے ذریعے حکومت کا شوق پورا کرتی۔ اس لئے دیوانہ وار دوڑنے والے کی کوئی حقیقت نہیں۔

محمد قاسم فرشتہ کا بیان ہے کہ راقم الحروف اسی بادشاہ (مرتضیٰ نظام شاہ) کے عہدِ حکومت میں جوان ہو کر شاہی گروہ میں داخل ہوا۔ مرتضیٰ نظام جس وقت تخت نشین ہوا۔ وہ زمانہ اس کے شباب کا تھا۔ اس لئے چھ سال تک انتظامِ حکومت اس کی والدہ کے ہاتھ رہا۔ ملکہ نے اپنے بھائیوں مسمی تاج خان اور عین الملک کو نیز ایک خواجہ سرا اعتبار خان نامی کو امرائے کبار میں شامل کر لیا۔ اور انہیں ہر طرح کے سیاہ و سفید کا مالک بنا دیا۔ ملکہ نے ملا عنایت اللہ کو پیشوائی کے منصب پر سرفراز کیا۔ وہ روزانہ پردے کے

پیچھے بیٹھ کر قاسم بیگ حکیم کے مشورے سے امورِ سلطنت انجام دیا کرتی تھی۔ مرتضیٰ نظام شاہ کی مصروفیات کھیل کود تک محدود تھیں۔ وہ عربوں اور حبشیوں کے گروہ کے ساتھ بے فکری سے وقت گزارتا تھا۔ اور سلطنت کے کاموں میں قطعاً دخل نہ دیتا تھا۔ ملکہ یعنی مرتضیٰ نظام شاہ کی والدہ کا نام خونزہ ہمایوں تھا[۱]۔

مورخ فرشتہ نے خونزہ ہمایوں کے بارے میں لکھا ہے کہ اس نے نظام شاہی سلطنت کا تقریباً نصف حصہ اپنے بھائیوں اور دیگر رشتہ داروں کو جاگیر میں دے رکھا تھا۔ جب مرتضیٰ نظام شاہ سے خونزہ ہمایوں کی شکایت کی گئی تو اُس نے کہا کہ حکومت کے تمام کارندے دربار کے تمام ملازم اور سارے شاگرد پیشہ ملکہ کے طرفدار ہیں۔ ایسی صورت میں اس کے اقتدار سے نجات حاصل کرنا بہت مشکل ہے۔ مصاحبین نے کہا۔ اگر حضورِ والا اجازت دیں تو ہم فرہاد خان، اخلاص خان اور حبشی خان جیسے نامی گرامی امیروں کو اپنے ساتھ ملا کر ملکہ کے اقتدار سے نجات حاصل کر سکتے ہیں۔ مرتضیٰ نظام شاہ نے ان لوگوں کو اجازت دے دی۔ لیکن راز افشا ہو گیا۔ اور ملکہ نے پردے کے پیچھے بیٹھ کر دشمنوں کے منصوبے کو وقتی طور پر کچل دیا[۲]۔ لیکن ۹۸۰ھ میں منصوبہ کامیاب ہو گیا۔ اور مرتضیٰ نظام شاہ نے حبشی خان کو اپنی والدہ کی گرفتاری کے لئے بھیجا۔ چنانچہ حبشی خان ملکہ کے سراپردہ کے قریب پہنچا۔ ملکہ کو اس کے ارادے کی خبر ہو گئی تھی لہٰذا اس نے ترکش، خنجر اور تلوار وغیرہ سے اپنے آپ کو آراستہ کیا اور گھوڑے پر سوار ہو گئی۔ حبشی خان بھی گھوڑے پر سوار تھا۔ اسی عالم میں وہ ملکہ کے قریب گیا اور کہا۔ بادشاہ نے یہ حکم دیا ہے کہ آپ بھی دوسری عورتوں کی طرح پردے میں بیٹھ جائیں اور حکومت کے کاموں میں بالکل دخل نہ دیں۔ یہ سُن کر خونزہ ہمایوں کو بہت غصّہ آیا۔ اور اس نے کہا۔ اے غلام تیری یہ ہمت۔ یہ مجال کہ آج تو اس انداز سے

---

[۱] تاریخ فرشتہ جلد ۲، ص ۳۵۳ - ۳۵۴۔

[۲] ایضاً۔ ص ۳۵۵ - ۳۵۶۔

مجھ سے مخاطب ہے۔ حبشی خان نے ملکہ کا بازو پکڑ کر گھوڑے سے اتارنے کی کوشش کی۔ ملکہ نے اپنا خنجر نکال لیا۔ اور حبشی خان پر وار کرنا چاہا۔ حبشی خان نے ملکہ کا ہاتھ پوری قوت کے ساتھ پکڑ کر مروڑا اور خنجر ملکہ کے ہاتھ سے گر گیا۔ اگرچہ عین الملک اور تاج خان وہاں موجود تھے۔ لیکن انہوں نے اپنی بہن کی کوئی مدد نہ کی۔ اور اپنی جان کی خیر مناتے ہوئے وہاں سے بھاگ گئے۔ حبشی خان نے بڑے اطمینان کے ساتھ ملکہ کو گرفتار کر کے پالکی میں بٹھایا۔ اور مرتضیٰ نظام کے پاس لے گیا۔ بادشاہ نے اپنی ماں کو نگہبانوں کے سپرد کر دیا[1] حکمرانی کا شوق ہی ایسا ہے۔ کوئی بھی اپنی مرضی سے اقتدار سے الگ ہونا پسند نہیں کرتا۔ جوان بیٹے کو کھیل کود میں لگا کر امورِ سلطنت اپنے ہاتھ میں رکھے۔ جب اسلامی تعلیم کو اپنانے کے لئے کہا گیا تو خنجر نکال لیا۔ خونزہ کی یہ بدنصیبی تھی کہ اس کو رحمت اللہ طارق اور رفیع اللہ شہاب جیسے اہلِ بصیرت "روشن خیال" نہ ملے تھے۔

خونزہ ہمایوں جیسی ماں کی بیٹی چاند بی بی کے بارے میں یہ کہنا کہ اُس نے اپنے بھائی مرتضیٰ کے سپرد امورِ سلطنت کر کے یادِ الٰہی میں بقیہ عمر گزارنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ حقائق کے بالکل خلاف ہے۔ کیونکہ اپنی عمر کے آخری لمحہ تک بھی وہ اپنے بالواسطہ اقتدار کو چھوڑنے پر تیار نہ تھی۔ جب بیجاپور میں تھی تو ابراہیم عادل شاہ کی تعلیم و تربیت پر مامور تھی۔ لیکن امورِ سلطنت میں مداخلت کرنے کی کوشش کرتی تھی۔ ابراہیم عادل شاہ کے خود مختار ہونے پر احمد نگر چلی آئی۔ اور جب بہادر شاہ کو تخت پر بٹھا کر حکومت کرنے کا موقع ملا تو ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ یہاں تک کہ قتل کر دی گئی۔

رحمت اللہ طارق صاحب کی اس سے بڑھ کر کیا غلطی ہو سکتی ہے کہ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ چاند بی بی کے بھائی مرتضیٰ نظام شاہ کے بعد اس کا بیٹا میراں شاہ، اس کا بھتیجا اسمٰعیل۔ اس کا بھائی

---

[1] تاریخ فرشتہ۔ جلد ۲، ص ۲۵۸۔ ۲۵۹۔

برہان، اس کا بڑا بھتیجا ابراہیم، احمد شاہ اور ابراہیم کا بیٹا بہادر شاہ احمد نگر کے تخت پر جلوہ افروز ہوئے اور چاند بی بی کے مقتول ہونے کے وقت مرتضیٰ نظام نہیں بلکہ اس کے بھتیجے کا بیٹا بہادر شاہ احمد نگر کے تخت پر چاند بی بی کی کوشش سے بٹھا دیا گیا تھا اگر اس کو یادِ الٰہی کا کوئی خیال ہوتا تو حکمرانی کا شوق اس کے دل میں پیدا نہ ہوتا اور ایک سال سات مہینے کے بچہ کو تخت پر نہ بٹھاتی۔

واقعات کچھ بھی ہوں لیکن بات پھر وہیں آتی ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کی حکمرانی کے بارے میں جو فرمایا۔ ویسا ہی چاند بی بی کے ساتھ ہوا۔

ترکمان خاتون

اس خاتون کے بارے میں جناب رحمت اللہ طارق کا فرمان ہے کہ سلجوقی حکومت ڈیڑھ سو سال تک رہی۔ اس کا رقبہ دیوارِ چین سے قسطنطنیہ کی فصیل تک اور انتہائے شمال سے لے کر یمن کی آخری سرحدوں تک پھیلا ہوا تھا۔ شاہانِ رُوم اس کے باجگذار تھے۔ اپنے دَور کی یہ سلطنت ترکمان خاتون، (۱۰۹۳ء) کو ورثے میں ملی تھی۔ یہ ترکوں کے قدیم بادشاہ افراسیاب کی نسل سے تھی۔ ملک شاہ سلجوقی سے اس کی شادی ہوئی تھی۔ جب شہ ۳۸ سال کی عمر پاکر ۱۰۹۱ء میں فوت ہوا تو ترکمان خاتون نے اس کی موت کو مخفی رکھا اور لاش کو لے کر اپنے نواسے کے ہمراہ بغداد روانہ ہوئی۔ اور وقت کے پرٹوکول کے مطابق خلیفہ بغداد سے اپنے بیٹے محمود کی سلطنت کی توثیق کرانا چاہی لیکن چونکہ کم سن تھا بنا بریں اس کے لئے بیعت کا مسئلہ اُلجھن کا باعث بن گیا۔ لہٰذا طے یہ ہوا کہ نمبر ۱ سلطنت محمود کی ہوگی۔ نمبر ۲ خطبہ خلیفہ کا، کیونکہ ان دنوں ہر مسلم سلطنت کے لئے ضروری ہوتا تھا کہ وہ آزاد و خود مختار ہوکر بھی خطبہ خلیفہ کا پڑھائے گی۔ ہندوستان کے سلاطین کے دَور میں بھی پہلے بغداد اور بعد میں قسطنطنیہ سے بادشاہ کے لئے خلعت اور عصا بھیج دیئے جاتے تھے اور اس کے عوض سلاطینِ ہند خطبہ بنام خلیفہ پڑھا کرتے

تھے۔ یہاں اسی پروٹوکول کے مطابق ہی ترکمان خاتون نے اپنے بیٹے کی سلطنت کی توثیق کرائی۔ بنابریں تیسری شرط تحریر ہوئی۔ کہ نمبر۳ حکمرانی کے مکمل اختیارات، مناصب کے عزل اور نصب کی مجاز صرف ترکمان خاتون ہوں گی [1]

جناب رحمت اللہ طارق نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس طرح خلیفہ عباسی کے علماء مجتہدین اور فقہاء نے ترکمان کو منصبِ امارت پر فائز کرکے شرعِ حنیف سے قابلِ اعتراض نہیں سمجھا۔ اب اگر کہا جائے کہ وہ درباری علماء تھے تو ہمارا مطالبہ ہے کہ ان علماء کی نشاندہی کردی جائے جو اس فیصلہ کے خلاف تھے۔ اور درباری نہ تھے۔

محاسبہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں نے پہلی نبوت کے کلام میں سے جو پایا ہے۔ اس میں سے ہے۔

اذا لم تستحی فاصنع ما شئت [2] "جب تو بے حیا ہو جائے تو پھر جو چاہے کر"

یہی معاملہ جناب رحمت اللہ طارق صاحب کا ہے کہ انہوں نے جھوٹ لکھتے اور دھوکہ و فریب کا جال پھیلاتے ہوئے ایسی ڈھٹائی اور دلیری کا مظاہرہ کیا ہے کہ گوئبلز کی روح ضرور ان کو داد دیتی ہوگی۔

جب ترکمان خاتون کو اپنے خاوند ملک شاہ سلجوقی کی سلطنت ورثے میں مل گئی تھی تو اس کی

---

[1] عورت اور مسئلہ امارت: ص ۶۴۔

[2] ابوداؤد: ص ۶۶۱۔

موت کو مخفی رکھ کر اپنے بیٹے محمود کی سلطنت کی توثیق کروانے کی کیا ضرورت تھی؟ خلیفہ وقت نے اس کی حکمرانی کو تسلیم کرنے کی بجائے اس کے بیٹے کی سلطنت کی توثیق کیوں کی؟ شرط نمبر ۳ کے بارے میں جو کچھ انہوں نے فرمایا ہے۔ اس کی حقیقت کو پانے کے لئے چند تاریخی حوالے پیش کئے جاتے ہیں، تاکہ معلوم ہو سکے کہ اہلِ بصیرت روشن خیال یہ بزرگ دجل و فریب میں کیسے ماہر ہیں؟ -

عمر رضا کحالہ کے الفاظ ہیں۔

انه لما توفي السلطان	"نصف شوال ۴۸۵ھ میں جب
ملك شاه في منتصف شوال	سلطان ملک شاہ فوت ہوا تو (ترکمان)
٤٨٥ھ كتمت خبر موته لكي	نے اس کی موت کی خبر کو پوشیدہ رکھا
لا يتولى اكبر اولاد ابن	تاکہ یاقوتی ملک کی بیٹی زبیدہ کے بطن سے
زبيدة بنت ياقوتي الملك	اس کا بالغ بیٹا ملک شاہ کے بعد تخت کا والی نہ بن
من بعده وسارت الى بغداد	جائے اور وہ بغداد گئی اس حال
ومعها جثة زوجها و	میں کہ اس کے خاوند کی لاش اس کے
هناك بذلت الاموال للامرآء	ساتھ تھی اور وہاں اس نے امرآء پر
سراً وحملتهم على تولية	پوشیدہ طور پر خوب مال خرچ کیا اور اپنے بیٹے
ابنها محمود سرير الملك [1]	محمود کو تخت کا مالک بنانے میں ان کو آمادہ کیا"

علامہ ابن اثیرؒ نے لکھا ہے:-

فارضتهم واستحلفتهم	"اس نے اُمراء کو راضی کر لیا۔ اور ان

---

[1] اعلام النساء، جلد ۱ ص ۱۶۹ -

لولدھا محمود وعمرہ	سے اپنے بیٹے محمود کے لئے حلف لیا جبکہ
اربع سنین وشھور [1]	اس کی عمر چار سال اور چند ماہ تھی "

یہی مفہوم علامہ ابن خلدون اور سیدہ زینب سے منقول ہے [2]
مورخین نے الفاظ کی کمی بیشی کے ساتھ نقل کیا ہے۔

وأرسلت الی الخلیفة المقتدی	" ترکان خاتون نے خلیفہ مقتدی سے اپنے
فی الخطبة لولدھا ایضًا	بیٹے کے نام کا خطبہ پڑھنے کی اجازت
فاجابھا و شرط ان یکون	چاہی خلیفہ نے یہ شرط عائد کرتے ہوئے
اسم السلطنة والخطبة	اجازت دے دی کہ سلطنت اس کے بیٹے
له و یکون المدبر لزعامة	کی ہوگی۔ اور خطبہ بھی اس کے بیٹے کے نام کا
الجیوش و رعایة البلد	پڑھا جائے گا۔ فوج اور عام رعایا کا منتظم و
ھو الامیر انز ویصدر عن	نگران امیر انز ہوگا۔ اور تاج الملک
رأی تاج الملك و یکون	صیغہ مال اور عمال کے نصب و عزل
ترتیب العمال وجبایة	کا مختار ہوگا۔ تاج الملک ہی ترکان خاتون
الاموال الی تاج الملك ایضًا	کے سامنے امورِ سلطنت کی نگرانی کرتا تھا۔
و کان تاج الملك ھو الذی	لیکن جب خلیفہ کا حکم آیا تو ترکان
یدبر الامر بین یدی	خاتون نے اس کو قبول کرنے سے انکار

---

[1] تاریخ الکامل: جلد ۸ ص ۱۶۴-۱۶۵۔

[2] تاریخ ابن خلدون: جلد ۵ ص ۱۳-۱۰ الدر المنثور ص ۱۰۷۔

خاتون فلما جاءت رسالة	کر دیا۔ اس سے کہا گیا کہ تمہارا بیٹا نابالغ
الخلیفة الی خاتون بذلك	ہے۔ اور اس کے لئے شرع میں
امتنعت من قبوله فقیل لها	حکمرانی کی اجازت نہیں۔ اور یہ
ان ولدك صغیر ولا یجیز	بات کہنے والے امام غزالیؒ
الشرع ولایته وکان المخاطب	تھے۔ چنانچہ ان کی حق بات کو خاتون نے
لها فی ذلك الغزالی فاذعنت	تسلیم کرتے ہوئے خلیفہ کی بات کو مان
له واجابت الیه فخطب	لیا۔ پھر اس کے بیٹے کا خطبہ پڑھا
لولدها ولقب ناصر الدنیا	گیا۔ اور اس کا لقب دین و دنیا کا
والدین [1]	ناصر رکھا گیا"

حافظ ابن کثیرؒ سے منقول ہے:۔

وارسلت امه الی الخلیفة	"اس کی ماں نے خلیفہ کو لکھا کہ عمال پر
تسأله ان تکون ولایات	حکمرانی کی اس کو اجازت دی جائے۔ خلیفہ
العمال الیه فامتنع الخلیفة	نے انکار کر دیا۔ اور امام غزالیؒ نے خلیفہ
ووافقه الغزالی علی ذالك [2]	کی موافقت کی"

یہاں یہ بھی خیال رہے کہ خلیفہ ترکمان خاتون کا داماد بھی تھا۔ سیّدہ زینب کے مطابق ترکمان خاتون اپنی خوبصورت بیٹی کو لے کر خلیفہ کے گھر اکثر آیا جایا کرتی تھی۔ خلیفہ نے اس کی بیٹی کی خوبصورتی کی وجہ سے اس سے شادی کرنے کا پروگرام بنایا اور وزیر فخر الدولہ کو پروگرام دے کر سلطان ملک شاہ

---

[1] تاریخ الکامل جلد ۸ ص ۱۶۵۔ ابن خلدون۔ جلد ۵ ص ۱۳۔ الدر المنثور: ص ۱۰۷۔

[2] البدایۃ والنہایۃ: جلد ۱۲ ص ۱۳۹۔

کے پاس بھیجا۔ سلطان کو جب خلیفہ کا پیغام پہنچا تو اُس نے کہا کہ یہ میرے لئے باعثِ شرف و افتخار ہوگا۔ لیکن یہ معاملہ اس کی ماں ترکمان خاتون کے ہاتھ میں ہے۔ اس لئے اس کے پاس جاؤ۔ جب ترکمان خاتون کو خلیفہ کا پیغام سنایا گیا۔ تو اس نے کہا کہ غزنہ، خانیہ اور ماوراء النہر کے بادشاہ اور ان کے بیٹے میری بیٹی سے شادی کرنے کے خواہشمند ہیں۔ اور انہوں نے چار لاکھ دینار خرچ بھی کر دیئے ہیں۔ اگر خلیفہ اتنا مال مہر میں دیں تو وہ میری بیٹی کے زیادہ حقدار ہیں۔ خلیفہ کی ماں کو جب یہ خبر پہنچی تو اس نے ترکمان خاتون کو لکھا کہ خلیفہ سے شادی کرنے سے تمہاری بیٹی کو جو شرف و فخر حاصل ہوگا وہ کسی اور سے نصیب نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ وہ سب اس کے غلام اور خدمت گزار ہیں۔ لہٰذا خلیفہ سے مال طلب نہیں کیا جانا چاہیئے۔ لیکن ترکمان خاتون نے اپنی بیٹی کی شادی اس شرط پر خلیفہ سے کرنے پر رضامندی کا اظہار کر دیا کہ پچاس ہزار دینار مہر معجّل ہوگا۔ اور میری بیٹی کے علاوہ خلیفہ کی کوئی لونڈی یا اور بیوی نہ ہوگی۔ اور ہر رات خلیفہ اسی کے پاس رہا کرے گا۔ چنانچہ ان شرائط پر سلطان ملک شاہ نے اپنی بیٹی کا خلیفہ مقتدی سے بیاہ کر دیا [1]

اس کے باوجود ترکمان خاتون نے خلیفہ مقتدی بامر اللہ سے اپنے خاوند کی وفات کے بعد حکومت کا انتظام جب اپنے ہاتھ میں لینے کی اجازت چاہی۔ تو خلیفہ نے انکار کر دیا۔ اور امام غزالیؒ جیسے جلیل القدر عالم نے خلیفہ کے حکم کے مطابق عمل کرنے کا ترکمان خاتون کو مخلصانہ مشورہ دیا۔ جو شرع کا نام آجانے پر قبول کر لیا گیا [2]

معلوم نہیں کہ رحمت طارق صاحب نے ترکمان خاتون کو مکمل اختیارات اور مناصب کے

---

[1] الدر المنثور: ص ۱۰۶۔

[2] تاریخ الکامل جلد ۸ ص ۱۶۵، البدایۃ والنہایۃ جلد ۱۲ ص ۱۳۹، ابن خلدون جلد ۵ ص ۱۳، الدر المنثور ص ۱۰۷، ۱۰۸۔

عزل ونصب کا مجاز کس تاریخی حوالے سے بنا دیا۔ ان کی یہ بھی خواہش تھی کہ اس عالم کا نام بتایا جائے کہ جو ترکمان خاتون کو حکمرانی اختیارات دینے کے خلاف تھا۔ لیجئے امام غزالیؒ کا نام پیش کیا جاتا ہے۔ عورت کی حکمرانی تو ایک طرف۔ اُنہوں نے ترکمان خاتون کو یہ بھی بتایا کہ تمہارا بیٹا نابالغ ہونے کی بناء پر بااختیار حکمران بھی نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ترکمان خاتون کو یہ تسلیم کرنا پڑا۔

رحمت اللہ طارق صاحب نے خود اعتراف کیا ہے کہ ترکمان خاتون کو ورثے میں ملنے والی حکومت کا رقبہ دیوارِ چین سے قسطنطنیہ کی فصیل تک اور انتہائے شمال سے لے کر یمن کی آخری سرحدوں تک پھیلا ہوا ہے۔ اور شاہانِ رُوم اس کے باجگزار تھے۔

اتنی عظیم الشان حکومت کا حال ترکمان خاتون کی وفات کے وقت جو تھا۔ اس کے بارے میں مورّخین نے لکھا ہے۔

لم يكن بقي بيدها سوى	اُس کے ہاتھ میں اصبہان کے قصبے
قصبة اصبهان ومعها عشرة	کے علاوہ کچھ نہ تھا اور اس کے ساتھ
آلاف فارس اتراك [1]	دس ہزار ترکی سوار تھے۔"

حافظ ابن کثیرؒ نے ترکمان خاتون کے اس بیٹے محمود کے بارے میں خلیفہ کے حکم کے نفاذ کے بعد لکھا ہے کہ سلطان ملک شاہ کی فوج کا اکثر حصّہ اس کے دوسرے بیٹے برکیارق کے ساتھ مل گیا (یہ جوان بیٹا خاتون زبیدہ کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ اور اپنے باپ سلطان ملک شاہ کے بعد حکمرانی کا حق اسی کو پہنچتا تھا۔ لیکن ترکمان خاتون نے اپنا ذاتی اثر و رسُوخ استعمال کر کے خلیفہ سے اپنے بیٹے کا خطبہ پڑھنے کی اجازت لے لی تھی) چنانچہ فوج نے اس کی بیعت کر لی اور رَی میں اس کے نام کا خطبہ پڑھا

---

[1] اعلام النساء: جلد ۱ص ۱۷۱۔ الدر المنثور: ص ۱۰۹۔ تاریخ الکامل۔ جلد ۸ص ۱۴۷۔

گیا۔ ترکمان خاتون کے ساتھ اس کا بیٹا اور فوج کا تھوڑا ساحصّہ اور لڑکے باقی رہ گئے۔ ترکمان خاتون نے ملک شاہ کے بیٹے برکیارق کے خلاف لڑنے کے لئے اپنی فوج پر تین کروڑ دینار خرچ کئے۔ ذوالحجۃ میں دونوں فوجوں کے درمیان لڑائی ہوئی۔ جس میں ترکمان خاتون کو شکست ہوئی۔ اور اس کا بیٹا اس کے ساتھ تھا۔ اور صحیح بخاری میں ہے۔

لن یفلح قوم ولوا امرھم امرأۃ [1] "وہ قوم کبھی فلاح نہیں پائے گی جس نے اپنا معاملہ عورت کے ہاتھ میں دے دیا۔"

غور طلب بات یہ ہے کہ ترکمان خاتون کی شکست پر حافظ ابن کثیر المتوفی ۷۷۴ھ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی حدیث کا حوالہ دیا جو آج "روشن خیال" حضرات کے نزدیک قابلِ قبول نہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عورت کی سربراہی کی نفی ہر دور میں ہوتی رہی ہے۔ کیونکہ اسلام میں اس کا کوئی تصوّر نہیں۔ اگر ایسا کوئی تصوّر ہوتا تو امام غزالیؒ ترکمان خاتون کو ضرور مشورہ دیتے کہ چھوٹا بچّہ حکمران نہیں ہو سکتا۔ اس لئے تم خود ہی تخت پر بیٹھ جاؤ۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ترکمان کو بھی معلوم تھا کہ وہ حکمران نہیں ہو سکتی۔ اسی لئے اس نے اپنے نابالغ بیٹے کی حکمرانی کی اجازت لے کر خود حکومت کرنے کا شوق پورا کیا۔ جس کا نتیجہ امام ابن کثیرؒ کے الفاظ میں نقل کر دیا گیا ہے۔

ملکہ سبا کی سربراہی

پروفیسر محمّد اسلم صاحب کے مضمون کے جواب میں ملکہ سبا کی سربراہی پر مفصل بحث ہو چکی ہے۔ لیکن یہاں صرف اتنا عرض کر دینا مناسب ہوگا کہ قرآن میں ملکہ سبا کی حکومت کے ذکر سے عورت

---

[1] البدایۃ والنہایۃ: جلد ۱۲ ص ۱۳۹۔

کی سربراہی ثابت نہیں بلکہ اس کی نفی ہوتی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سُلیمان علیہ السلام کے حالات و واقعات میں اس کا ذکر کرکے اُمتِ محمدیہ پر واضح فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو شرک کی کوئی بھی صورت پسند نہیں۔ جیسے ہی حضرت سُلیمان علیہ السلام کو معلوم ہوا کہ ان کے قریب ایک عورت اور اس کی قوم شرک میں مبتلا ہے تو فوراً اُس کو حاضر ہونے کا حکم دے دیا۔ چنانچہ جب وہ حاضر ہو کر مسلمان ہوگئی تو قرآن حکیم میں ان الفاظ کے ساتھ اس واقعہ کو ختم کر دیا گیا ہے۔

قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَیْمٰنَ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ [1]

"اُس نے کہا اے میرے رب! بے شک میں نے اپنی جان پر ظلم کیا اور میں سُلیمان علیہ السلام کے ساتھ اللہ ربّ العالمین کے لئے فرمانبردار ہوگئی۔"

اگر اس کی زمانہ شرک والی حکومت کو تسلیم کر لیا جائے تو لازماً اس کے عمل شرک کو بھی تسلیم کرنا ہوگا۔ ظاہر ہے کہ قرآن کا یہ مقصد نہیں بلکہ بتانا یہ مقصود ہے کہ شرک کرنے والا چھوٹا ہو یا بڑا، ہر حال میں مسلمان صاحبِ اقتدار و اختیار پر واجب ہے کہ شرک کو ختم کرکے مشرک کو راہِ راست پر لائے۔ اگر عورت کی سربراہی کا کوئی تصوّر قرآن میں موجود ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی ازواجِ مطہرات اور مسلمان عورتوں کو گھروں میں رہنے اور پردہ کرنے کا حکم نہ دیا جاتا۔ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ کسی نبوّت پانے والی عورت کا بھی ضرور ذکر کیا جاتا۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے بعد حضرت فاطمہؓ میراث کی بجائے اپنی خلافت کی بات کرتیں نہ اور ائمہ شیعہ میں ان کا نام سب اماموں سے اُوپر ہوتا۔

اگر عورت کی سربراہی کا کوئی تصوّر اسلام میں ہوتا تو اس کو مردوں کی طرح مسجد میں جا کر نماز ادا کرنے کا پابند بناتا اور اس کی امامت میں مردوں کو نماز پڑھنے کا حکم دیا جاتا۔ حیض و نفاس سے اسے

---

[1] سورہ النمل: آیت ۴۴۔

پاک رکھا جاتا۔ جب ایک عورت جو بڑی عالمہ اور فاضلہ ہو۔ اپنے تمام تر علم وفضل کے باوجود جمعہ کا خطبہ نہیں دے سکتی۔ خود اپنا نکاح نہیں پڑھا سکتی۔ تو وہ اسلامی ملک کی سربراہ کیسے ہو سکتی ہے؟

ملکہ سبا کا ذکر قرآن پاک میں ضرور ہوا ہے۔ لیکن ائمہ تفسیر میں سے کسی نے اس سے یہ استدلال نہیں کیا کہ عورت اسلامی ملک کی سربراہ ہو سکتی ہے۔ بلکہ انہوں نے واضح کر دیا ہے کہ اس واقعہ سے اسلامی ملک میں عورت کی سربراہی ثابت نہیں ہوتی۔ جیسا کہ علامہ آلوسی کے حوالے سے عرض کیا جا چکا ہے۔

وادی نمل کی ہشیار ملکہ

حدیث و معجزات کا انکار کرنے والے اس وقت بڑی مشکل کا شکار ہو جاتے ہیں۔ جب قرآن حکیم میں کسی معجزے کا ذکر ہوتا ہے۔ حالانکہ بات بڑی سیدھی سادھی یہ ہے کہ رب العالمین ہی کل کائنات کا خالق و مالک ہے اور جو چاہتا ہے۔ جہاں چاہتا ہے اور جس طرح چاہتا ہے۔ کرتا ہے، اس کو کسی سہارے یا مدد کی کوئی ضرورت نہیں۔ جس نے طرح طرح کی مخلوق بنائی اور ان کو ان کی بولیاں سکھائیں۔ وہ اس پر قادر ہے کہ اپنے نبیوں میں سے جس کو چاہے ان سب کی بولیوں کو سمجھنے کی صلاحیت عطا فرمائے۔

قرآن و سنّت کی حقانیت پر یقین رکھنے والوں کا ایمان ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے یا اس کے حبیب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمّت تک پہنچایا ہے۔ اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔

جناب پرویز کے مفہوم القرآن کی ایک جھلک

سورۂ نمل میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

قَالَ يَاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ[1] — "اُنہوں نے کہا۔ اے لوگو! ہمیں پرندوں کی بولیاں سکھائی گئی ہیں"

عربی زبان کے مطابق یہ لفظی ترجمہ ہے۔ لیکن جناب پرویز صاحب نے اس کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ ہمارے پاس بڑا مستعد گھوڑوں کا لشکر ہے۔ جس کے قواعد وضوابط کے ہم خوب واقف ہیں۔

تفسیر یا مفہوم بیان کرنے سے پہلے مفسّر کے لئے ضروری ہے کہ وہ پہلے لفظی ترجمہ کرے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ سے مروی تفسیر کی روشنی میں مفہوم بیان کرے۔ پرویز صاحب نے مفہوم القرآن میں اپنی مرضی کا مفہوم بیان کرنے کے لئے لفظی ترجمہ کو ترک کر دیا ہے۔ کیونکہ عربی زبان سے معمولی سی واقفیت رکھنے والا بھی جانتا ہے کہ پرویز صاحب کا مفہوم درست نہیں۔ اس لئے کہ مَنْطِقَ الطَّيْرِ کا معنی مستعد گھوڑوں کا لشکر نہیں ہو سکتا۔ لیکن پرویز صاحب کی مشکل یہ تھی۔ اگر وہ اُمّتِ مُحمدیہ کے عام عقیدہ کے مطابق ترجمہ "پرندوں کی بولیاں" کر دیتے۔ تو اس سے حضرت سلیمان علیہ السلام کا معجزہ ثابت ہو جاتا تھا۔ یعنی اللہ تعالےٰ نے نبوّت کے ساتھ معجزانہ طور پر یہ بھی عطا فرمایا تھا کہ وہ سب جانوروں کی بولیاں سمجھتے تھے لیکن یہ اُن کی سوچ کے خلاف تھا۔ لہٰذا اپنی غلط سوچ کو صحیح ثابت کرنے میں اُنہوں نے اللہ تعالیٰ کے کلام میں اُردو ترجمہ کرتے ہوئے تحریف کر دی اور قرآنی مقصد کو مسخ کر دیا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:۔

وَحُشِرَ لِسُلَيْمَانَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ[2] — "اور سلیمان علیہ السلام کے لئے جنوں انسانوں، پرندوں سے لشکر جمع کئے گئے۔ پس ان کو الگ الگ کھڑا کر دیا گیا"

---

[1] مفہوم القرآن۔ سورہ نمل: ص ۸۶۳۔

[2] ایضاً آیت ۸۔

جب کہ جناب پرویز صاحب کا مفہوم ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے لشکروں میں شہروں کے مہذب باشندے، جنگلوں اور پہاڑوں کے دیو ہیکل وحشی اور قبیلہ طیر کے شاہسوار سب شامل تھے۔ انہیں کیمپوں میں روک رکھا جاتا تھا۔ تاکہ مناسب تربیت اور ٹریننگ سے اُن سے مفید کام لئے جائیں [1]

یہاں اُنہوں نے "جن" کا معنی جنگلوں اور پہاڑوں کے دیو ہیکل وحشی کر کے طیر کو قبیلہ بنا دیا۔ چونکہ وہ جنوں کی مخلوق کے مُنکر ہیں۔ اِس لئے "انس" سے مہذب باشندے اور "جن" سے وحشی ہونا بیان کر دیا۔

قرآن حکیم میں ایک سُورت کا نام "الجن" ہے۔ اس میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

وَاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ [2]

"جنوں کا کہنا ہے کہ ہم میں نیک صالح اور غیر صالح بھی ہیں"

پرویز صاحب نے یہاں معنی و مفہوم صحیح لکھا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب جنگلوں اور پہاڑوں کے دیو ہیکل وحشیوں میں بھی صالح لوگ ہیں تو پھر ان میں تفریق کی کیا ضرورت ہے۔ انسان مہذب ہے اور جن وحشی تو انسانوں میں جو فاسق و فاجر اور ظالم و کافر تھے جو لوگوں کی عزتوں پر ہاتھ ڈالتے اور مال لوٹتے تھے۔ دینی اور دنیاوی اخلاق سے ان کا دُور کا واسطہ نہ تھا۔ تو کیا ان کو مہذب کہا جائیگا۔ اور وحشیوں میں سے جو صالح تھے۔ ان کو غیر مہذب سمجھا جائے گا؟

اس قسم کی بے شمار مثالیں مفہوم القرآن میں موجود ہیں۔ لیکن یہاں مفہوم القرآن پر بحث مقصود نہیں بلکہ حدیث و معجزات کا انکار کرنے والوں کی سوچ کی نشاندہی کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

---

[1] مفہوم القرآن۔ سورہ نمل۔ آیت ۱۷۔

[2] سورۃ الجن: آیت ۱۱۔

بات اصل مقصد کی طرف یُوں آتی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے ۔

حَتّٰىٓ اِذَآ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ	" جب وہ چیونٹیوں کی ایک وادی میں آگئے
قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰٓاَيُّهَا النَّمْلُ	تو ایک چیونٹی نے کہا۔ اے چیونٹیو! اپنے گھروں
ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ	میں داخل ہو جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ بے خبری
سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ وَهُمْ	میں سلیمان علیہ السّلام اور اُن کا لشکر تمہیں
لَا يَشْعُرُوْنَ [1]	روند ڈالے "

پرویز صاحب کا کہنا ہے ۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ سلیمان علیہ السّلام کو معلوم ہوا کہ سبا کی مملکت اس کے خلاف سرکشی کا ارادہ رکھتی ہے ۔ چنانچہ وہ بطورِ حفظ ماتقدم اس کی طرف لشکر لے کر روانہ ہوا۔ راستے میں وادی نمل پڑتی تھی ۔ ملکہ سبا کی طرح اس مملکت کی سربراہ بھی ایک عورت تھی ۔ جب اُس نے لشکر کی آمد کی خبر سُنی تو اپنی رعایا کو حکم دیا کہ اپنے اپنے گھروں میں جا کر پناہ گزیں ہو جائیں ۔ ایسا نہ ہو کہ یہ لشکرِ جرار اتنا معلوم کئے بغیر کہ تم اس کے دشمن کی قوم سے کسی قسم کا تعلق رکھتے ہو یا نہیں ۔ تمہیں یُوں ہی کچل ڈالے ۔ فوجیں یہی کچھ کیا کرتی ہیں ۔ ان کے راستے سے ہٹ جانا ہی قرینِ مصلحت ہوتا ہے [2]

پرویز صاحب نے چیونٹیوں کی وادی کو انسانوں کی وادی بنا کر ان کی بادشاہت ایک عورت کو سونپ دی اور وہ اتنی عقلمند تھی کہ حضرت سلیمان علیہ السّلام سے کوئی رابطہ قائم کرنے کی بجائے اپنی رعایا کو لے کر گھروں میں پناہ گزیں ہو گئی ۔ جیسا کہ لشکر کشی کرنے والوں سے گھروں

---

[1] سورۃ النمل : آیت ۱۸ ۔

[2] مفہوم القرآن : سورۃ النمل ، آیت ۱۸

یں چھپنے والے محفوظ ہو جاتے ہیں۔ اور حضرت سُلیمان علیہ السلام جیسے جلیل القدر نبی بادشاہ میں اتنی بھی سوجھ بوجھ نہ تھی کہ اُن کے ہمسائے میں بسنے والے ایک قوم کے کیا حالات تھے۔ ان کو ملکہ سباء کی سرکشی کی خبر تو ہو گئی۔ لیکن ملکہ نملہ کے بارے میں بے خبر رہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :۔

فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا	"چیونٹی کی بات سُن کر وہ مُسکرائے اور ہنس
وَقَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ	پڑے اور کہا۔ اے میرے رب! مجھے توفیق
أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ	عطا فرما کہ میں تیری اس نعمت کا شکر ادا
عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ وَأَنْ	کروں جس سے تو نے مجھے اور میرے
أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَ	والد کو نوازا۔ اور ایسا عمل صالح کروں کہ جس
أَدْخِلْنِي بِرَحْمَتِكَ فِي	سے تو راضی ہو جائے۔ اور مجھے اپنی رحمت
عِبَادِكَ الصَّالِحِينَ [1]	کے ساتھ اپنے صالح بندوں میں داخل فرما۔"

پرویز صاحب کے مفہوم القرآن کے الفاظ ہیں۔ سُلیمان علیہ السلام نے یہ سُنا تو مسکرایا کہ بیچارے سمجھتے ہیں۔ انہوں نے یہی دیکھا اور سُنا ہے کہ جب شاہی لشکر کہیں سے گزرتا ہے تو اندھا دھند تباہی مچاتے چلا جاتا ہے۔ لیکن اُنہیں یہ معلوم نہیں کہ کسی بادشاہ کا لشکر نہیں۔ خدا کے رسول کی سپاہ ہے۔ جس کا مقصد بے گناہوں کو ستانا نہیں، ان کی حفاظت کرنا ہے۔ پھر اُس نے خدا سے دعا مانگی کہ اے بارِ الٰہ مجھے تو نے اس قدر عظیم مملکت عطائی ہے۔ تو اس کے ساتھ ایسا ضبط اور اپنے آپ پر کنٹرول کی توفیق عنایت فرما کہ میں تیری اس نعمتِ عظمیٰ کو جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر ارزاں فرمائی ہے اس طرح صرف کروں کہ یہ نوع

---

[1] سورۃ النمل : آیت ۱۹۔

انسان کے لئے تباہی کا موجب بننے کے بجائے ان کے معاملات کو سنوارنے کا ذریعہ بنے۔ اور میرا ہر قدم تیرے قوانین سے ہم آہنگ ہو۔ اس طرح میں تیرے قانونِ ربوبیت و مرحمت کی بنا پر تیرے ان بندوں کے زمرے میں شامل ہو جاؤں جن کی صلاحیتیں نشوونما پالیتی ہیں۔ اور جن کے ہاتھوں انسانیت کے معاملات سنورتے ہیں۔

پرویز صاحب نے لکھا ہے کہ حضرت سُلیمان علیہ السّلام نے عورت حکمران کی آواز سُنی تو مسکرا پڑے۔ اب دیکھنے اور سوچنے کی بات یہ ہے کہ حکمران عورت کی آواز انہوں نے کیسے سُنی؟ دُور سے سُنی یا قریب آ کر۔ اگر قریب سے سُنی تو اس کی رعایا کو محفوظ جگہوں میں پہنچنے کا وقت کیسے مل گیا؟ اگر شکر کے پہنچنے سے پہلے سُنی تو اس کا ذریعہ کیا تھا؟ ظاہر ہے کہ جب کوئی شخص حقیقت کو مسخ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ تو وہ خود بھی ذہنی انتشار کا شکار ہو جاتا ہے۔[1]

حضرت سُلیمان علیہ السّلام کے شُکرانے کے الفاظ سے عیاں ہوتا ہے کہ نملہ کی آواز سُننا کوئی عام معمول کی بات نہ تھی بلکہ یہ ایسی نعمت تھی کہ جس پر ان کے منہ سے وہ الفاظ نکلے کہ جنہیں قرآن حکیم کا حصّہ بنا دیا گیا۔ وہ نعمت یہ تھی کہ عام یا خاص انسان کو اللہ تعالیٰ نے جانوروں کی بولیاں سمجھنے کی صلاحیت عطا نہیں فرمائی۔ یہ معجزہ حضرت سلیمان علیہ السّلام کے حصّے میں آیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب انہوں نے سنا کہ ایک چیونٹی دوسری چیونٹیوں کو اپنے مساکن میں گھس جانے کی تلقین کر رہی ہے تو حضرت سلیمان علیہ السّلام مسکرائے اور ہنسے پھر اُنہوں نے اس معجزہ کا شُکر ادا کیا۔

قرآن پاک کے بیشتر حصّے کے بارے میں مفہوم القرآن میں ایسی تحریف پائی جاتی ہے کہ جس سے وہ مسخ القرآن یا تحریف القرآن بن جاتا ہے۔ پروفیسر مُحمّد اسلم کے مضمون کے جواب میں ملکہ سبا کے

---

[1] مفہوم القرآن: سورۃ النمل: ص ۸۶۴۔

بارے میں قرآنی آیات کا لفظی ترجمہ نقل کر دیا گیا اُسے دیکھ کر یا علمائے حق کے کسی اور اُردو ترجمے کو سامنے رکھ کر جناب پرویز صاحب کے مفہوم القرآن کو دیکھیں کہ اُنہوں نے کیا گُل کھلائے ہیں ؟

ہُد ہُد کے بارے میں ائمہ لغت کا کہنا ہے۔

اَلْھُدْھُدُ طَائِرٌ معروف [1] "ہُد ہُد ایک معروف پرندہ ہے۔"

طائر ذو خطوط والوان کثیرۃ [2] "ہُد ہُد دھاری دار اور بہت سے رنگوں والا پرندہ ہے۔"

لیکن پرویز صاحب نے اُسے گھوڑ سوار ہرکاروں کا سردار بنا دیا [3]

قرآن حکیم میں حضرت سُلیمان علیہ السّلام کے بارے میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ انہوں نے سرداروں سے کہا کہ ملکہ سبا کے مطیع و فرمانبردار ہونے سے پہلے کون اس کا تخت لائے گا ؟ لیکن مفہوم القرآن میں اس کا معنیٰ "پایۂ تخت" کیا گیا ہے۔ عِفْرِيتٌ مِّنَ الْجِنِّ کو وحشی قبائل کا ایک قوی ہیکل سردار بتایا گیا ہے جس کے پاس کتاب کا علم تھا۔ اُس نے عرض کیا تھا کہ میں تخت کو پلک جھپکنے سے پہلے حاضر کر دوں گا۔ پرویز صاحب نے باقاعدہ مہم بنا کر اس کے سپرد کر دی اور اس سے نہایت حسن وخوبی سے سر کروایا۔ اس کے تخت میں تبدیلی کرنے والی بات کو اُنہوں نے ایوانِ حکومت پر شدّت کا حملہ بیان کیا ہے یعنی اُنہوں نے ان معجزات کا انکار کیا ہے۔ جو کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السّلام کو عطا فرمائے تھے۔

پرندوں اور جنّوں اور ہوا کو ان کے تابع کر دیا گیا۔ اللہ تعالےٰ نے ان کو ایسے معاون بھی عطا

---

[1] لسان العرب جلد ۳ ص ۴۳۴۔ المصباح المنیر: ص ۸۷۳

[2] المنجد: ص ۸۵۷۔ الرائد: ص ۱۵۵۷۔

[3] مفہوم القرآن: سورۃ النمل: ص ۸۶۵۔

فرمائے تھے ۔ جو ایسے کام ایک لمحہ میں کرنے والے تھے کہ جن کے لئے عام وسائل کے ذریعے عرصہ دراز کی ضرورت تھی ۔

چیونٹی کی آواز سننا بھی ان کا معجزہ تھا ۔ لیکن معجزات کا انکار کرنے والوں نے وادیٔ نمل کو باقاعدہ ایک سلطنت بنا کر اس میں ایک ہشیار عورت حکمران بھی بنا دی ۔ جناب رحمت اللہ طارق بھی انہی میں سے ایک ہیں ۔ کیونکہ انہوں نے وہی بات لکھی ہے جو مفہوم القرآن میں درج ہے ۔ اور وہ قرآن و حدیث پر ایمان رکھنے والوں کے نزدیک لغو اور فضول ہے ۔

ملکہ تدمر زنوبیا

اس ملکہ کے بارے میں جناب رحمت اللہ طارق نے لکھا ہے کہ تدمر (شام) کی ملکہ زنوبیا نے ۲۶۶ء تا ۲۷۲ء اس خوبی اور مہارت سے حکمرانی کی کہ عربی کلاسیکی ادب کا حصہ بن کر رہ گئی ۔ اس نے شام کو رومن ایمپائر کے چنگل سے نجات دلانے کے بعد متعدد جنگیں لڑیں ۔ اور بالآخر بدیسی حکمرانی کو دیس نکالا دے کر شام اور فلسطین کو آزاد کرا لیا ۔ اس کی بابت عرب مورخین لکھتے ہیں کہ اس کے نام کے سکے ڈھالے گئے ۔ مملکت تدمر نے اس کے عہد میں خوش حالی اور بلند نام پایا ۔ پھر ایسا ہوا کہ رومیوں نے دیس نکالا کا انتقام لینے کے لئے لشکر جرار لا کر اچانک حملہ کر دیا ۔ اور زنوبیا کو نہ صرف شکست سے دوچار ہونا پڑا بلکہ اسے گرفتار کر کے روم بھی لے جایا گیا ۔ جہاں ۲۷۲ء میں اس نے وفات پائی [1]

---

[1] عورت اور مسئلہ امارت ۔ ص ۷۱ ۔

محاسبہ

پہلی بات یہاں یہ ہے کہ اسلام سے پہلے یا کسی غیر مسلم عورت کی حکمرانی کسی بھی صورت میں کسی مسلمان عورت کو اسلامی ملک کا سربراہ بنانے میں دلیل نہیں ہو سکتی۔ ہم نے تو قرآن و سنّت کی تعلیم کو دیکھنا ہے اور ہمیں اُسی کے مطابق عمل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ رحمت اللہ طارق نے اپنے حوالے میں خود ہی واضح کر دیا ہے کہ عورت کی حکمرانی فلاح کا سبب نہیں بن سکتی۔ وقتی طور پر زنوبیا نے بدلیسی حکمرانی کو دیس نکالا دے کر شام اور فلسطین کو آزاد کروا لیا لیکن بدلیسی حکمرانی نے جب اپنی منتشر قوت جمع کر کے اس پر حملہ کیا تو وہ قید ہو کر روم پہنچ گئی اور وہیں اس کی موت واقع ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا نتیجہ اسی کے مطابق سامنے آیا۔

جناب رفیع اللہ شہاب کی "روشن خیالی"

یہ "روشن خیال" بزرگ ایسے ہیں کہ ہر نئے حکمران کی مدح سرائی میں پیش پیش رہنا ان کا محبوب شغل ہے۔ چنانچہ پاکستان کی نئی وزیر اعظم کے انتخاب کی حمایت کرتے ہوئے انہوں نے لکھا ہے۔

پاکستان کا قیام اسلام کے نام پر عمل میں آیا تھا۔ اس لئے یہاں ہونے والی حکومتیں اسلامی نظام کے قیام کے سلسلے میں کوئی نہ کوئی قدم اٹھاتی رہی ہیں۔ تاہم ان میں سے کوئی حکومت بھی اسلامی حکومت کے معیار پر پوری نہیں اترتی تھی۔ لیکن ہمارے علماء نے ان کے خلاف اسلام کے حوالے سے کوئی آواز نہ اٹھائی۔ یہاں تک کہ ان میں سے بعض نے سود جیسے حرام کو بھی جائز قرار دے دیا۔ تو یہ حضرات خاموش رہے۔ لیکن محترمہ بے نظیر بھٹو صاحبہ کے وزیر اعظم منتخب ہونے پر انہوں

نے ایک کمزور حدیث کا سہارا لے کر ان کی حکومت کو خلافِ اسلام ثابت کرنا شروع کر دیا۔ پھر انہوں نے صحیح بخاری کی حدیث پر رحمت اللہ طارق کی طرف سے وارد ہونے والے اعتراضات کی روشنی میں اپنی روشن خیالی کا مظاہرہ کیا ہے[1]

عُلمائے پاکستان کا کردار

شکر ہے کہ انہوں نے یہ تو تسلیم کر لیا کہ پاکستان اسلام کے نام پر وجود میں آیا تھا۔ رہی بات یہ کہ عُلمائے کرام نے ان حکومتوں کے خلاف کوئی آواز بلند نہ کی جو اسلامی معیار پر پوری نہ اترتی تھی۔ تو یہ درست نہیں کیونکہ ہر دور میں عُلمائے حق ہر حکومت سے مطالبہ کرتے رہے ہیں کہ پاکستان بناتے ہوئے مسلمانوں کے ساتھ جو وعدہ کیا گیا تھا۔ اس کو پورا کیا جائے بلکہ تمام مکاتبِ فکر کے ۳۱ علماء کرام نے جنوری ۱۹۵۱ء میں متفقہ طور پر اسلامی حکومت کا باقاعدہ بنیادی ڈھانچہ بنا کر اس وقت کی حکومت کو پیش کیا۔ جس میں یہ بھی وضاحت کر دی گئی تھی کہ سربراہِ مملکت مسلمان مرد ہوگا۔ جس عظیم الشان اجلاس میں یہ اہم ترین کام ہوا۔ اس میں حسبِ ذیل علمائے کرام نے شرکت کی تھی۔

۱۔ مولانا سیّد سلیمان ندوی۔ (صدر)

۲۔ مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی۔

۳۔ مولانا مفتی محمد شفیع۔

۴۔ مولانا مفتی جعفر حسین مجتہد۔

۵۔ پروفیسر عبدالخالق۔

---

[1] روزنامہ امروز: ۹ دسمبر ۱۹۸۸ء

۶۔ مولانا محمد ظفر احمد انصاری۔

۷۔ مولانا شمس حق افغانی۔

۸۔ مولانا احتشام الحق تھانوی۔

۹۔ مولانا بدر عالم۔

۱۰۔ مولانا محمد یوسف بنوری۔

۱۱۔ مولانا عبدالحمید قادری۔

۱۲۔ مولانا محمد ادریس۔

۱۳۔ مولانا خیر محمد۔

۱۴۔ حاجی خادم اسلام محمد امین۔

۱۵۔ قاضی عبدالصمد۔

۱۶۔ مولانا مفتی محمد حسن۔

۱۷۔ پیر صاحب محمد امین الحسنات۔

۱۸۔ مولانا اطہر علی۔

۱۹۔ مولانا ابو جعفر محمد صالح۔

۲۰۔ مولانا راغب احسن۔

۲۱۔ مولانا محمد حبیب الرحمٰن۔

۲۲۔ مولانا محمد علی جالندھری۔

۲۳۔ مولانا سید محمد داؤد غزنوی۔

۲۴۔ مولانا مفتی حافظ کفایت حسین مجتہد۔

۲۵۔ مولانا محمد اسمٰعیل سلفی ۔

۲۶۔ مولانا حبیب اللہ ۔

۲۷۔ مولانا احمد علی ۔

۲۸۔ مولانا محمدؒ صادق ۔

۲۹۔ مولانا شمس الحق فرید پوری ۔

۳۰۔ مولانا مفتی محمد صاحب داد ۔

۳۱۔ پیر صاحب محمدؒ ہاشم مجددی [1]

اُن جلیل القدر علمائے کرام کے بعد علمائے حق نے ان کے مشن میں کبھی بھی کمزوری آنے نہیں دی ۔ لیکن ہر حکومت نے ٹال مٹول کی پالیسی کو اپناتے ہوئے اپنا وقت گزار دیا ۔ یہاں تک کہ ۱۹۷۷ء میں نظامِ مصطفیٰؐ کے نام پر چلنے والی تحریک نے ثابت کر دیا کہ علمائے کرام پاکستان میں نفاذِ اسلام کے مشن کو جاری رکھنے کا عزم رکھتے ہیں اور وہ عزم آج بھی اپنی جگہ قائم ہے۔ انشاءاللہ تعالیٰ وہ وقت ضرور آئے گا کہ جب پاکستان میں اسلامی قانون کا دَور دَورہ ہوگا ۔

جہاں تک سُود کی بات ہے تو پاکستان بننے کے بعد سے لے کر آج تک علمائے کرام اس کے خلاف آواز بلند کرتے آئے ہیں اور انشاءاللہ تعالیٰ کرتے رہیں گے ۔ اس موضوع پر بہت سی کتابیں لکھی جا چکی ہیں ۔

اگر فرض کر لیا جائے کہ کسی وقت علمائے کرام سُود کے خلاف آواز اٹھانے میں کوتاہی کے مرتکب ہوئے ہیں تو بھی عورت کی حکمرانی جائز نہیں ہو سکتی ۔ کیوں کہ دو غلطیوں سے ایک اچھائی وجود

---

[1] پاکستان ٹائمز : ہفتہ ۲۳ ، اگست ۱۹۸۰ء ۔

میں نہیں آتی۔ اور جس حدیث کو انہوں نے کمزور اور ضعیف قرار دیا ہے۔ اس کے بارے میں اللہ کے فضل و کرم سے مفصلاً بحث ہو چکی ہے۔

ان کی اپنی تحقیق کا یہ حال ہے کہ حضرت حسن بصری کے بارے میں لکھا ہے کہ اس نام کے کوئی ۱۵۹ راوی تھے جن کی اکثریت غیر ثقہ تھی۔ اس روایت میں جان بوجھ کر ان کے والد کا نام نہیں دیا گیا۔ جو ان کے غیر ثقہ ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ بعض محدثین نے تصریح کی ہے کہ وہ بصری تھے یعنی بصرہ کے رہنے والے تھے۔ جن کے بارے میں محدثین نے لکھا ہے کہ وہ مجہول راوی تھے۔

جناب رفیع اللہ شہاب کے علم حدیث میں ادراک کا یہ حال ہے کہ ان کو اتنا بھی پتہ نہیں کہ امام بخاریؒ جب کسی روایت میں الحسن کا ذکر کرتے ہیں تو اس سے ان کی مراد معروف تابعی الحسن بن ابی الحسن البصری ہوتے ہیں۔ جن کے بارے میں طبقات ابن سعد کے الفاظ ہیں کہ وہ جامع۔ عالم، رفیع، ثقہ، حجہ۔ مامون۔ عابد۔ ناسک۔ بہت علم والے۔ فصیح و جمیل اور وسیم تھے۔ بہت سے صحابہؓ اور تابعینؒ کو انہوں نے پایا۔ ان کے فضائل کا بیان اچھی طرح پہلے ہو چکا ہے۔

رفیع اللہ شہاب صاحب نے بھی اپنے استاد رحمت اللہ طارق کی روش کو اپناتے ہوئے تفسیر مواہب الرحمٰن کا حوالہ دیتے وقت عبارت ہی تبدیل کر دی۔ چنانچہ ان کا کہنا ہے کہ اس عورت یعنی ملکہ سبا نے ایک قومی اسمبلی قائم کر رکھی تھی۔ جس کے اراکین کی تعداد ۳۱۲ تھی۔ وہ ان کے مشورے سے کاروبار چلاتی تھی۔ یوں انہوں نے موجودہ مروجہ نظام اسمبلی سے مماثلت پیدا کرنے کی کوشش کی۔ حالانکہ عبدالرزاق نے معمر عن قتادہ سے روایت کی ہے کہ بلقیس شاہی خاندان سے ملکہ تھی اور اس کی مشورت والے تین سو بارہ وزراء تھے۔ اور ہر وزیر کے تحت دس ہزار کا لشکر جرار تھا۔

ظاہر ہے کہ مروجہ نظام اسمبلی میں تمام وزراء اور ممبران اسمبلی کے تحت فوج نہیں ہوتی۔ بلکہ

دفاع کی وزارت ہی فوجی معاملات کی ذمّہ داری ہوتی ہے ۔

بڑی عجیب بات ہے کہ جناب رفیع اللہ شہاب نے مواہب الرحمٰن کا حوالہ تو دے دیا لیکن صاحب تفسیر نے عورت کی سربراہی کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے۔ اس کو نظرانداز کر دیا۔ چنانچہ مولانا سیّد امیر علیؒ نے وہی حدیث جسے رفیع اللہ شہاب صاحب نے کمزور قرار دیا ہے۔ اسی کو نقل کر کے واضح کیا ہے۔ پس حدیث میں تصریح ہے کہ جنہوں نے اپنے کاموں کا متولی کسی عورت کو کیا وہ فلاح نہ پاویں گے [1]

یہی صراحت مولانا احمد حسن محدّث دہلویؒ۔ علاّمہ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ۔ علاّمہ علی بن محمد بن ابراہیم البغدادیؒ۔ علاّمہ سیّد محمود الآلوسی البغدادیؒ اور مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ نے بھی کی ہے [2]

حضرت علاّمہ شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی المتوفّی ۱۱۷۶ھ کا فرمان

مسلمانوں کے خلیفہ کے لئے جو شرائط ضروری ہیں۔ ان کا ذکر کرتے ہوئے حضرت علاّمہ شاہ ولی اللہ محدّث دہلویؒ نے لکھا ہے۔ واضح ہو کہ خلیفہ کے اندر عاقل، بالغ، آزاد، مرد، شجاع، صاحب رائے، سُننے والا اور دیکھنے والا اور گویا ہونا شرط ہے اور اس کا ایسا شخص ہونا بھی شرط ہے کہ لوگ اس کی اور اس کے نسب کی شرافت کو تسلیم کرتے ہوں۔ اور اس کی فرمانبرداری سے عار

---

[1] تفسیر مواہب الرحمٰن: پ ۱۹ ۔ ص ۲۳۰ ۔

[2] احسن التفاسیر، جلد ۵ ص ۵۰۶ ۔ التفسیر المظہری: جلد ۷، ص ۱۱۰ ۔ تفسیر الخازن جلد ۳ ص ۴۰۶ روح المعانی: پ ۱۹ ص ۱۷۱ ۔ تفسیر ماجدی ۔ پ ۱۹ ص ۷۶۶ ۔

نہ کرتے ہوں اور اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہو کہ وہ سیاست میں حق کا اتباع کرے گا۔ یہ سب باتیں ایسی ہیں کہ جن پر عقل دلالت کرتی ہے اور ملکوں اور دینوں کے اختلاف کے باوجود تمام بنی آدم کا خلیفہ کے اندر ان تمام باتوں کی شرط ہونے پر اتفاق ہے۔ اس لئے کہ سب لوگ اس بات کو جانتے ہیں کہ خلیفہ کے مقرر کرنے سے جو مصلحت مقصود ہے وہ بغیر ان امور کے تمام نہیں ہو سکتی۔ اور ان امور میں سے جب کبھی کوئی امر رہ گیا۔ تو انہوں نے اس کو غیر مناسب خیال کیا اور اس کا خلیفہ ہونا ان کے دلوں کو ناگوار گزرا۔ اور غصہ کی حالت میں بظاہر سکوت کیا۔ چنانچہ جب اہلِ فارس نے ایک عورت کو اپنے اوپر ملکہ بنا لیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لن یفلح قوم ولوا علیهم امرأة [1]	"جس قوم نے عورت کو اپنے اوپر حاکم بنایا اس کو ہرگز فلاح نہ ہوگی"۔

اگر اس حدیث میں کوئی ضعف ہوتا تو حضرت شاہ ولی اللہؒ ضرور اس کی نشاندہی فرماتے اور خلیفہ کے مرد ہونے والی شرط کا ذکر نہ کرتے۔

امام حافظ ابن کثیر المتوفی ۷۷۴ھ کا فرمان

امام ابن کثیرؒ نے اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً کے بارے میں لکھا ہے۔

یجب ان یکون ذکرا حرا بالغا عاقلا مسلما عدلا مجتهدا سلیم الاعضا	"واجب ہے کہ وہ آزاد، بالغ، عاقل مسلمان، عادل، مجتہد، سلیم الاعضا اور جنگ کے بارے میں باخبر

---

[1] حجة اللہ البالغة: الخلافة جلد ۲ ص ۱۳۷۔

خبیر بالحروب [1]   مرد ہو۔"

اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآ کی تفسیر میں امام ابن کثیر نے واضح کیا ہے کہ مرد عورت پر قیم یعنی اس کا رئیس، کبیر اور حاکم ہے۔ جب ٹیڑھی ہو جائے تو اس کو مؤدب بنائے۔ کیونکہ مردوں کو عورتوں پر فضیلت حاصل ہے۔ اور مرد عورت سے بہتر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبوت مردوں کے ساتھ خاص رہی ہے۔ اور اسی طرح ملک الاعظم یعنی ملک کا سربراہ بھی مرد ہو گا۔ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس قوم نے اپنا معاملہ عورت کے سپرد کر دیا۔ وہ کبھی بھی فلاح نہیں پائے گی [2]

امام ابو عبداللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی المتوفی ۶۷۱ھ کا فرمان

امام القرطبیؒ نے اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً کی تفسیر میں خلیفہ کے لئے جو شرائط نقل کی ہیں، ان میں سے ساتویں یہ ہے کہ وہ سلیم الاعضاء مرد ہو اور آٹھویں کے الفاظ ہیں۔

واجمعوا علی ان المرأۃ لا	"جمہور کا اس پر اتفاق ہے کہ عورت کا ملک کی
یجوز ان تکون اماما وان	سربراہ یعنی امام ہونا جائز نہیں اگرچہ انہوں نے اس کے
اختلفوا فی جواز کونہا قاضیۃ	ان معاملات میں قاضی ہونے پر اختلاف کیا ہے
فیما تجوز شہادتہا فیہ [3]	کہ جس میں اس کی شہادت مقبول ہوتی ہے۔"

اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ کی تفسیر میں امام القرطبیؒ نے واضح کیا ہے۔

---

[1] تفسیر ابن کثیر: جلد ۱ ص ۴۷۲۔

[2] ایضاً: جلد ۱ ص ۴۹۱۔

[3] تفسیر الجامع لاحکام القرآن: جلد ۱ ص ۲۷۰۔

فان فیھم الحکام والامراء ومن یغزو ولیس ذلك فی النسآء[1]	"بے شک ان ہی میں سے یعنی مردوں ہی میں سے حکام و امراء اور وہ ہوں گے جو جہاد کریں گے اور عورتوں میں یہ عہدے نہیں ہوں گے۔"

امام القرطبیؒ نے سورۃ نمل کی آیت اِنِّیْ وَجَدْتُّ امْرَاَۃً تَمْلِکُھُمْ کی تفسیر میں صحیح بخاری کی روایت "لن یفلح قوم ولوا امرھم امرأۃ" نقل کرکے قاضی ابوبکر ابن عربی کا یہ قول نقل کیا ہے۔

ھذا نص فی ان المرأۃ لا تکون خلیفۃ ولاخلاف فیہ[2]	"یہ نص صریح ہے کہ بے شک عورت خلیفہ نہیں ہو سکتی اور اس میں کوئی اختلاف نہیں۔"

عربی میں نص اس کلام کو کہتے ہیں کہ جس میں تاویل کی کوئی گنجائش نہ ہو۔

امام القرطبیؒ نے مزید وضاحت یوں کی ہے :۔

ونقل عن محمد بن جریر الطبری انہ یجوز ان تکون المرأۃ قاضیۃ ولم یصح ذلك عنہ و لعلہ نقل عنہ کما	"اور محمدؒ بن جریر الطبری سے منقول ہے کہ عورت کا قاضی ہونا جائز ہے۔ اور یہ ان سے صحیح طور پر ثابت نہیں اور شاید یہ اسی طرح ان سے منقول ہو کہ جس طرح ابوحنیفہؒ سے منقول ہے کہ

---

[1] تفسیر الجامع لاحکام القرآن۔ جلد۵ ص ۱۶۸۔

[2] ایضاً۔ جلد ۱۳۔ ص ۱۸۳۔

نقل عن ابی حنیفۃ	عورت ان معاملات میں قاضی بن
انہا تقضی فیما تشہد فیہ	سکتی ہے کہ جن میں اس کی شہادت
ولیس بان تکون قاضیۃ	مقبول ہے اور وہ کُلّی طور پر قاضی نہیں
علی الاطلاق [1]	بن سکتی ۔"

ملکہ سبا کے واقعہ ہی میں امام القرطبیؒ نے یہ بھی نقل کیا ہے ۔

و قال ابوبکرۃ : ذکرت	"اور ابوبکرہؓ نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
بلقیس عند النبیّ صلّی اللّٰہ	کے پاس بلقیس کا ذکر کیا گیا تو آپؐ نے
علیہ وسلّم فقال لا یفلح	فرمایا ۔ وہ قوم کبھی فلاح نہیں پائے گی جس
قوم ولوا امرھم امرأۃ [2]	نے اپنا معاملہ عورت کے سپرد کر دیا ۔"

الرِّجَالُ قَوّٰمُونَ عَلَی النِّسَآءِ مرد عورتوں پر قوام ہیں

ہی کی تفسیر میں علامہ بیضاوی المتوفیٰ ۶۹۱ھ کا قول ہے ۔

ولذلک خصوا بالنبوۃ و	"اسی لئے مردوں کو نبوت و امامت اور
الامامۃ والولایۃ [3]	ولایت سے خاص کیا گیا ہے ۔"

امام جار اللہ محمود بن عمر الزمخشری المتوفیٰ ۵۲۸ھ اور علامہ آلوسی المتوفیٰ ۱۲۷۰ھ کا استدلال ہے ۔

---

[1] تفسیر الجامع لاحکام القرآن : جلد ۱۳ ص ۱۸۳ ۔

[2] ایضاً جلد ۱۳ ۔ ص ۲۱۱ ۔

[3] تفسیر انوار التنزیل : جلد ۱ ص ۲۱۷ ۔

فیھم الامامۃ الکبری والصغری[1] "مردوں ہی میں امامت کبریٰ اور صغریٰ ہوگی"

یعنی نماز میں امامت کرنے اور ملک کا سربراہ بننے کا حق مردوں کو ہوگا۔

امام محمد بن علی بن محمد بن عبداللہ الشوکانی المتوفیٰ ۱۲۵۰ھ کا کہنا ہے کہ مردوں کو عورتوں پر فضیلت اس لئے ہے کہ انہی میں سے خلفاء، سلاطین، حکام، امراء اور مجاہد ہوئے[2]

امام علاؤالدین علی بن محمد ابراہیم البغدادی اور امام ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی الحنفی کا فرمان ہے۔ یہ اس لئے کہ انبیاء علیہم السلام اور خلفاء اور ائمہ مردوں میں سے ہوئے ہیں اور نبوت و خلافت اور امامت مردوں میں رہی ہے[3]

جلیل القدر ائمہ تفسیر نے واضح کر دیا ہے کہ عورت کی سربراہی کا اسلام میں کوئی تصور نہیں۔ اور علامہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی محققانہ صراحت و وضاحت کے بعد کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔

عورت علی الاطلاق قاضی نہیں بن سکتی

"روشن خیال" حضرات نے بدایۃ المجتہد کے حوالے سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ امام ابن جریر طبریؒ اور امام مالکؒ دونوں علی الاطلاق عورت کے سربراہ اور قاضی ہونے کے قائل تھے[4]

---

[1] تفسیر الکشاف، جلد ۱ ص ۵۰۵۔ تفسیر روح المعانی پ ۵ ص ۲۱۔

[2] تفسیر فتح القدیر، جلد ۱ ص ۴۶۰۔

[3] تفسیر الخازن مع تفسیر النسفی، جلد ۱ ص ۳۷۴

[4] عورت اور مسئلہ امارت، ص ۷۶۔ پاکستان ٹائمز ۹ فروری ۱۹۸۹ء

یوں انہوں نے خود ہی تسلیم کر لیا کہ جمہور اس کے خلاف ہے۔ انہوں نے امام ابن جریرؒ اور امام مالکؒ کے بارے میں جو دعویٰ کیا ہے وہ بھی درست نہیں۔

علّامہ ابن رشدؒ کا فیصلہ

علّامہ ابن رشد نے ائمہ کرام کے اقوال "کتاب الاقضیۃ" میں " فی معرفۃ من یجوز قضاءہ" (جس کا قاضی ہونا جائز ہے۔ اس کی پہچان کا باب) کے تحت نقل کر کے واضح کر دیا ہے کہ ساری بحث قاضی اور قضا کے بارے میں ہے۔ اسلامی ملک میں عورت کی سربراہی سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ چنانچہ انہوں نے قاضی بننے کے لئے جو صفات شرط ہیں ان کے بارے میں لکھا ہے

فان یکون حرا مسلما بالغا	"کہ وہ آزاد، مسلمان، بالغ، مرد، عاقل
ذکرا عاقلا عدلا [1]	اور عادل ہو"

پھر انہوں نے قاضی کے مرد ہونے کی شرط میں جو اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس کا ذکر یوں کیا ہے۔

فقال الجمهور هی شرط فی	"جمہور کا کہنا ہے کہ قاضی ہونے کی
صحة الحکم وقال ابوحنیفة	صحت کے لئے یہ شرط ہے اور امام
یجوز ان تکون المرأة قاضیا	ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ عورت کا مالی معاملات
فی الاموال	میں قاضی ہونا جائز ہے۔
قال الطبری یجوز ان	امام طبریؒ کا قول ہے کہ عورت ہر معاملے

---

[1] بدایۃ المجتہد: جلد ۲ ص ۳۴۴۔

تکون المرأۃ حاکما علی الاطلاق فی کل شیءٍ[1] — میں علی الاطلاق قاضی ہو سکتی ہے "

یہاں قاضی کے لئے حاکم کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کا معنی "روشن خیال" حضرات نے سربراہِ مملکت کر دیا ہے ، حالانکہ قاضی کے لئے حکم اور حاکم دونوں ہی لفظ معروف ہیں ۔ علامہ ابن عابدین نے " قولہ فی غیر حد وقود " کی شرح میں لکھا ہے ۔

لانّھا لا تصلح شاھدۃ فلا تصلح حاکمۃ[2] — "اس لئے کہ حدود اور قصاص میں نہ عورت شاہد ہو سکتی ہے اور نہ ہی حاکم "

حاشیہ میں وضاحت کر دی گئی ہے کہ عورت حدود اور قصاص کے علاوہ باقی معاملوں میں قاضی ہو سکتی ہے ۔ اور جو کوئی اس کے سپرد معاملہ کرے گا تو وہ گنہگار ہو گا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس قوم نے اپنا معاملہ عورت کے سپرد کیا وہ کبھی فلاح نہیں پائے گی ۔

علامہ ابن رشد کی پوری بحث کو پڑھ لیا جائے تو کسی قسم کا کوئی اشکال نہیں رہتا ۔ چنانچہ ائمہ کرامؒ کے اقوال پر روشنی ڈالتے ہوئے انہوں نے لکھا ہے ۔

فمن ردّ قضاء المرأۃ شبھۃ بقضاء الامۃ الکبری ومن اجاز حکمھا فی الاموال فتشبیھا بجواز — " پس جس نے عورت کے قاضی ہونے کا انکار کیا تو اس نے امامتِ کبریٰ کے مشابہ سمجھتے ہوئے کیا اور جس نے اس کے حکم کو مالی معاملات میں جائز سمجھا تو اس نے مالی معاملات

---

[1] بدایۃ المجتہد : جلد ۲ ص ۳۴۴ ۔

[2] فتاوی الشامی : جلد ۴ ص ۳۷۰ ۔

شهادتها فی الاموال ومن	میں اس کی گواہی کے جواز سے تشبیہ پائی
رای حکمها نافذا فی کل	اور جس نے اس کے حکم کو ہر معاملے میں جاری
شئ قال ان الاصل هو ان	کیا تو اس نے کہا کہ اس کی اصل یہ ہے کہ
کل من یاتی منه الفصل	جو شخص بھی لوگوں کے درمیان فیصلہ کر سکتا ہے
بین الناس فحکمه جائز	اس کا حکم ہر معاملہ میں جائز ہے سوائے امامت
الا ما خصصه الاجماع	کبریٰ کے کہ اس کو اجماع نے اس اصول سے مستثنیٰ کر
من الامامة الکبریٰ [1]	دیا ہے (یعنی عورت کی امامت کبریٰ جائز نہیں)

علامہ ابن رشد کی بحث سے واضح ہو جاتا ہے کہ یہ امامت کبریٰ کے بارے میں نہیں بلکہ عورت کے قاضی ہونے میں جو اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس کو اجاگر کیا گیا ہے اور انہوں نے اپنا فیصلہ بحث کے آغاز ہی میں دے دیا ہے کہ قاضی کے لئے مسلمان مرد ہونا شرط ہے۔

علامہ بدرالدین العینیؒ کی تحقیق

جناب رفیع اللہ شہاب نے پاکستان ٹائمز میں عورت کے جج ہونے پر چھپنے والے اپنے مضمون میں علامہ بدرالدین العینی کے حوالے سے رقم کیا ہے کہ کوئی مسلم قاضی عورت اگر حدود و قصاص میں کوئی فیصلہ کر دے اور کوئی دوسرا مرد قاضی اس کی تائید کر دے تو اس کا فیصلہ جاری ہو گا۔ انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ قاضی شریحؒ حدود اور ہر قسم کے جھگڑوں میں عورت کی گواہی قبول کیا کرتے تھے۔

---

[1] بدایۃ المجتہد: جلد ۲ ص ۳۴۴۔

رفیع اللہ شہاب صاحب نے بھی یہاں ڈنڈی ماردی ۔کیونکہ علامہ ابن عابدینؒ نے نقل کیا ہے ۔

ان شریحا کان یجوز شھادۃ النسآء مع رجل فی الحدود والقصاص [1]۔

"بے شک قاضی شریح مرد کے ساتھ عورتوں کی گواہی حدود اور قصاص میں جائز قرار دیتے تھے ۔"

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حدود و قصاص میں عورتوں کی مطلقاً گواہی کے مقبول ہونے کے وہ قائل نہ تھے ۔ بلکہ مردوں کے ساتھ حسبِ ضرورت عورتوں کی گواہی کو بھی قبول کر لیا کرتے تھے ۔اس لئے کہ علامہ شمس الدین السرخی نے قاضی شریحؒ کا قول نقل کیا ہے ۔

لا تجوز شھادۃ النساء فی الحدود [2]

"حدود میں عورتوں کی گواہی جائز نہیں"

اس کے بعد انہوں نے امام زہریؒ کے قول کا بھی ذکر یوں کیا ہے ۔

مضت السنۃ من لدن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والخلیفتین من بعدہ [3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد دونوں خلیفوں کے عہدِ مبارک میں یہی سنت رہی ہے ۔

پھر انہوں نے اپنا فیصلہ ان الفاظ میں دیا ہے ۔

ان لا تجوز شھادۃ النسآء فی الحدود وبہ ناخذ [4]

"کہ عورتوں کی گواہی حدود میں جائز نہیں اور اسی پر ہمارا عمل ہے ۔"

---

[1] فتاوی الشامی : جلد ۴ ص ۳۷۱ ۔

[2] المبسوط : جلد ۱۶ ص ۱۱۳ ۔ الہدایۃ : جلد ۲ ص ۱۲۲ ۔

[3] المبسوط : جلد ۱۶ ص ۱۱۳ ۔ ۱۱۴ ۔

[4] ایضاً ۔ ص ۱۱۳ ۔

ویسے بھی رفیع اللہ شہاب صاحب نے عورت کے مُطلقاً جج ہونے کی نفی قبول کر لی۔ جب اُنہوں نے یہ حوالہ دیا کہ عورت کے فیصلے کی تائید اگر دوسرا قاضی کر دے تو اس کا فیصلہ نافذ ہو گا۔ اس سے معلوم ہُوا کہ دوسرے قاضی کی تائید کے بغیر فیصلہ نافذ نہیں ہو سکتا۔

چونکہ حوالہ صحیح بخاری کے شارح علاّمہ بدرالدینؒ کا تھا۔ لہٰذا مناسب ہے جس شرح کا ذکر کیا گیا ہے اُسے بھی دیکھ لیا جائے تاکہ بات اور واضح ہو جائے۔

جو قوم اپنا معاملہ کسی عورت کے سپرد کرے گی وہ کبھی فلاح نہیں پائے گی۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اس ارشادِ مبارک کی شرح میں منقول ہے۔

قال الخطابی فی الحدیث ان	"خطابی کا کہنا ہے کہ حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ
المرأة لا تلی الامارة ولا القضاء[1]	عورت ملک کی سربراہ اور قاضی نہیں ہو سکتی"

یہی عبارت حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی نقل کی ہے[2]

اس سے بڑھ کر صراحت اور کیا ہو سکتی ہے کہ جن کے حوالے کو صحیح بخاری کے شارح ہونے کا ذکر کرنے کے بعد پیش کیا۔ ان کا بھی کہنا ہے۔

واحتج به من منع قضاء	"جو عورت کے قاضی ہونے کے قائل
المرأة وهو قول الجمهور	نہیں۔ انہوں نے اسی حدیث کو دلیل
وخالف الطبری فقال یجوز	بنایا ہے اور یہ جمہور کا قول ہے اور
ان تقتضی فیما تقبل	طبری نے اس کی مخالفت کرتے ہوئے

---

[1] عمدۃ القاری۔ جلد ۱۸ ص ۵۹۔

[2] فتح الباری۔ جلد ۹ ص ۱۲۸۔

شهادتها فيه و	کہا ہے کہ اس کے لئے جائز ہے کہ جس میں اس کی
اطلق بعض المالكية	شہادت مقبول ہے اس میں فیصلہ کرے اور مالکیہ
الجواز ؎۱	میں سے بعض مطلقاً جواز کے قائل ہیں ۔"

علامہ بدرالدین نے بالکل ہی واضح کر دیا کہ جمہور ائمہ وعلمائے کرام کے نزدیک عورت قاضی نہیں ہو سکتی ۔ امام طبری کے بارے میں جناب رحمت اللہ طارق اور جناب رفیع اللہ شہاب نے بدایۃ المجتہد کے حوالے سے جو مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے اس کا بھی ازالہ ہو گیا کہ امام طبریؒ بھی اسی کے قائل تھے کہ جن معاملات میں عورت کی گواہی قابلِ قبول ہے انہی میں عورت فیصلہ بھی کر سکتی ہے ۔ اور مالکیہ میں سے بھی بعض مطلقاً جواز کے حق میں تھے ۔

مشہور محقق السید سابق نے بھی قاضی کے لئے فقہاء کی عائد کردہ شرائط کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ اجتہاد کے درجہ کو پہنچنے والا ۔ احکام کے بارے میں آیات و احادیث اور سلف کے ان اقوال کا جاننے والا ہونا چاہیئے کہ جن میں انہوں نے اتفاق اور اختلاف کیا ۔ وہ لغت اور قیاس کا علم رکھنے والا ۔ مکلف مرد، عادل ، سننے ، دیکھنے اور بولنے والا ہونا چاہیئے ۔

انہوں نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشادِ مبارک "کہ وہ قوم کبھی فلاح نہیں پائے گی جس نے اپنا معاملہ عورت کے سپرد کر دیا" کا حوالہ دے کر واضح کیا ہے کہ عورت قاضی نہیں ہو سکتی ؎۲

علامہ العینی نے عورت کے قاضی ہونے کے بارے میں جو فرمایا ہے وہی عبارت حافظ ابن حجر عسقلانی نے ابن تین کے حوالے سے نقل کی ہے ؎۳

؎۱ عمدۃ القاری ۔ جلد ۲۴ ص ۲۰۴ ۔ ؎۲ فقہ السنۃ ۔ جلد ۳ ۔ ص ۳۹۶ ۔ ۳۹۷ ۔

؎۳ فتح الباری ۔ جلد ۱۳ ص ۵۶ ۔

ملّا قاری علی حنفی المتوفیٰ ۱۰۱۴ھ عورت کی سربراہی کی نفی کرنے والی بخاری کی روایت کی شرح میں لکھتے ہیں۔

فی شرح السنّۃ لا تصلح	"شرح السنہ میں ہے کہ عورت کے لئے
المرأۃ ان تکون اماما	صحیح نہیں کہ وہ سربراہ مملکت یا قاضی ہو۔
ولا قاضیا لانھما محتاجان	کیونکہ یہ دونوں منصب ایسے ہیں کہ مسلمانوں
الی الخروج للقیام بامور	کے امور کو قائم رکھنے کے لئے باہر نکلنا پڑتا
المسلمین والمرأۃ عورۃ	ہے جب کہ عورت پردہ ہے۔ لہٰذا ان
لا تصلح لذلک ؎	منصبوں پر فائز ہونا اس کے لئے درست نہیں۔"

ائمہ ثلاثہ کا فیصلہ

فقہ حنفیہ کی اہم ترین کتاب "الھدایۃ" کے شارح امام ابن ہمام المتوفیٰ ۸۶۱ھ "الہدایۃ" کی عبارت "ویجوز قضاء المرأۃ فی کل شئ الا فی الحدود والقصاص" (حدود و قصاص کے علاوہ عورت کا ہر شئ میں فیصلہ جائز ہے) کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

قال الائمۃ الثلاثۃ لا	"تینوں ائمہ کرام کا فرمان ہے کہ عورت
یجوز لان المرأۃ ناقص	قاضی نہیں ہو سکتی اس لئے کہ عورت
العقل لیست اھلا للخصومۃ	ناقص العقل ہے۔ جھگڑوں کی محفلوں میں

؎ مرقاۃ شرح المشکوٰۃ : جلد ۷ ص ۲۱۵۔

مع الرجال فی محافل	مردوں کے ساتھ جھگڑنے کی اہل نہیں رسول اللہ
الخصوم قال صلی اللہ علیہ	صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو قوم اپنا معاملہ
وسلم لن یفلح قوم ولّوا	عورت کے سپرد کرے گی وہ کبھی فلاح نہیں
امرھم امرأۃ (رواہ البخاری)[1]	پائیگی۔ اس کو بخاری نے روایت کیا ؛

امام عبدالوہاب الشعرانی نے عورت کے قاضی ہونے کے بارے میں ائمہ کرام کے اقوال پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے۔

ومن ذلک قول الائمۃ الثلاثۃ	اس میں سے ائمہ ثلاثہ کا قول ہے کہ
انہ لا یصح تولیۃ المرأۃ	عورت کو قاضی بنانا درست نہیں امام
القضاء مع قول ابی حنیفۃ	ابو حنیفہؒ کا کہنا ہے کہ وہ ہر اس معاملے
انہ یصح ان تکون قاضیۃ	میں قاضی ہو سکتی ہے کہ جس میں عورتوں
فی کل شئ تقبل فیہ	کی شہادت قبول کی جاتی ہے ۔ اور
شھادۃ النسآء وعندہ ان	ان کے نزدیک حدود اور قصاص کے
شھادۃ النسآء فی کل	علاوہ عورتوں کی گواہی ہر معاملے میں
شئ الا الحدود والجراح	مقبول ہے ۔ حدود و قصاص
فانھا لا تقبل عندہ	میں عورت کی گواہی قبول نہیں کی جائیگی۔
ومع قول محمد بن جریر	محمد ابن جریر کا قول ہے کہ
یصح ان تکون المرأۃ	ہر معاملے میں عورت کا قاضی ہونا

---

[1] فتح القدیر شرح الہدایۃ : جلد ۶ ۔ ص ۳۹۱

قاضیة فی کل شئ [1] | درست ہے۔"

امام ابوعبداللہ محمد بن عبدالرحمٰن الدمشقی نے ائمہ کرام کا نام لے کر وضاحت کی ہے۔

قال مالك والشافعي واحمد	"امام مالکؒ، امام الشافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ
لا یصح وقال ابوحنیفة	کا کہنا کہ عورت کا قاضی ہونا صحیح نہیں اور
یصح ان تکون قاضیة فی	امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے کہ جن معاملات
کل شئ تقبل فیه شهادة	میں عورتوں کی گواہی مقبول ہے، ان میں
النساء [2]	عورت قاضی ہو سکتی ہے۔"

اِس سے معلوم ہوا کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک عورت مطلقاً قاضی نہیں ہو سکتی۔ امام مالکؒ کے بارے میں جو منقول ہے کہ وہ عورت کے قاضی ہونے کے حق میں تھے، اُس کی بھی نفی ہو گئی ہے۔

امام ابن ہمّام کی وضاحت

امام ابن ہمامؒ نے جہاں یہ واضح کر دیا کہ ائمہ ثلاثہ کا اتفاق تھا کہ عورت قاضی نہیں ہو سکتی وہاں انہوں نے یہ بھی وضاحت کر دی ہے۔

اما الذکورة فلیست بشرط	"حدود و قصاص کے علاوہ قاضی
الا للقضاء فی الحدود والدماء	کے لئے مرد ہونا شرط نہیں ان دونوں
فتقضی المرأة فی کل شئ	کے سوا عورت ہر شے میں فیصلہ

---

[1] المیزان الکبریٰ: جلد ۲ ص ۱۸۹۔

[2] رحمة الامة فی اختلاف الائمة۔ حاشیہ المیزان الکبریٰ: جلد ۲ ص ۱۹۰۔

الا فیھما [۱] کر سکتی ہے۔"

جس سے فقہائے احناف کے مسلک کی تصریح ہو جاتی ہے۔

جناب رفیع اللہ شہاب کا کذبِ عظیم

عورت کے جج ہونے کی حمایت کرتے ہوئے انہوں نے اپنے مضمون میں مکر و فریب کا جال پھیلاتے ہوئے لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے نقطۂ نظر سے اسلامی ملک میں عورت قاضی ہو سکتی ہے۔ لیکن بعد میں حنفی مکتبہ فکر کے فقہاء نے عورت کے قاضی بنائے جانے کو صرف ان معاملوں تک محدود کر دیا کہ جن میں اس کی شہادت مقبول ہے اور ایسا ہی نقطۂ نظر جمہور سے بھی منسوب کیا جاتا ہے [۲]

رفیع اللہ شہاب صاحب نے جو کچھ لکھا ہے یہ تأثر دینے کی کوشش کی ہے۔ بدائع الصنائع اور احناف کی دوسری کتب میں اس کا کوئی ذکر موجود نہیں بلکہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور فقہائے احناف پر زبردست بہتان و الزام ہے۔ فقہی معاملوں میں اختلاف تو ہو سکتا ہے لیکن اس طرح کی بہتان تراشی کا کوئی جواز نہیں۔

امام علاؤ الدین ابو بکر بن مسعود الکاسانی الحنفی المتوفی ۵۸۷ھ

امام الکاسانی نے قاضی اور قضاء کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ پیش کیا جاتا ہے تاکہ رفیع اللہ شہاب صاحب کی "روشن خیالی" کی حقیقت معلوم ہو سکے۔ چنانچہ امام الکاسانی کے الفاظ ہیں۔

---

[۱] فتح القدیر شرح الہدایۃ: جلد ۶ ص ۳۵۷۔

[۲] بدائع الصنائع: جلد ۷ ص ۳۔

و اما بيان من يصلح للقضاء فنقول الصلاحية للقضاء لها شرائط منها العقل ومنها البلوغ ومنها الاسلام ومنها الحرية ومنها البصر ومنها النطق ومنها السلامة عن حد القذف لما قلنا في الشهادة فلا يجوز تقليد المجنون والصبي والكافر والعبد والاعمى والاخرس والمحدود في القذف لان القضاء من باب الولاية بل هو اعظم الولايات وهولاء ليست لهم اهلية ادنى الولايات وهي الشهادة فلان لايكون اهلية اعلاها اولى واما الذكورة فليست من شرط جواز تقليد في الجملة لان المرأة من

"جہاں تک اس بیان کا تعلق ہے کہ کون قاضی بننے کے لئے صحیح ہے تو ہم کہتے ہیں کہ قضاء کے لئے چند شرائط ہیں ان میں سے عقل، بلوغت، اسلام، حریت، بینائی، قوتِ گویائی اور حدِ قذف سے سلامتی ہے۔ جیسا کہ ہم نے شہادت کے بارے میں کہا ہے۔ پس مجنون، بچے، کافر، غلام، اندھے، گونگے اور حدِ قذف لگے کی تقلید جائز نہیں۔ اس لئے کہ قضا ولایت کا ایک باب ہے، بلکہ ولایتوں میں سے سب سے زیادہ عظیم ہے۔ اور یہ لوگ ایسے ہیں کہ ادنیٰ ولایت کی بھی اہلیت نہیں رکھتے۔ اور وہ شہادت ہے۔ جب ادنیٰ کی اہلیت ان کو حاصل نہیں تو سب سے اونچی کی کیسے ہو سکتی ہے؟ اور جہاں تک مرد ہونے کا تعلق ہے تو تمام معاملوں میں تقلید کے جواز کے لئے شرط نہیں اس لئے کہ جملہ معاملات

اهل الشهادات فى الجملة الا انها لا تقضى بالحدود والقصاص لانه لاشهادة لها فى ذلك واهلية القضا تدور مع اهلية الشهادة[1]

میں عورت اہلِ شہادات میں سے ہے۔ سوائے اس کے کہ وہ حدود و قصاص میں قاضی نہیں ہو سکتی اس لئے کہ اس کی ان میں شہادت مقبول نہیں اور قضا کی اہلیت شہادت کی اہلیت کے ساتھ گھومتی ہے۔"

امام علاؤالدین ابُوبکر بن مسعُود الکاسانی الحنفی کی عبارت میں ایسا کوئی ذکر نہیں کہ جس کا تاثر دینے کی رفیع اللہ شہاب صاحب نے گھناؤنی کوشش کی ہے۔

جناب رحمتُ اللہ طارق کی چابکدستی

"فقہ حنفی کے فیصلے" کے عنوان کے تحت رحمت اللہ طارق صاحب نے لکھا ہے :-

یہ بات کہ سٹیٹ میں اُونچا منصب سربراہی کا ہے یا عدلیہ کا ؟ فقہ حنفی کے عظیم شارح علامہ ابوبکر کاسانی ۱۱۹۱ء اس کی وضاحت میں فرماتے ہیں کہ سٹیٹ کے تمام مناصب سے اعلیٰ اور سب سے اُونچا منصب عدلیہ کا ہے۔ اس وضاحت کی روشنی میں فقہ حنفی کی رُو سے رسمی سربراہی خلافت اور امامت سے اُونچا منصب صرف عہدۂ قضا (عدلیہ) کا منصب ہے۔ جس پر فائز ہونے والا مملکت کا اعلیٰ عہدیدار متصوّر ہوگا۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس منصب پر کون فائز ہو سکتا ہے۔ کاسانی کہتے ہیں۔ ذیل کی شرائط پر پُورا اُترنے والا کوئی بھی فرد عورت ہو خواہ مرد فائز ہو سکتا ہے۔

---

[1] بدائع الصنائع : جلد۷، ص۳۔

۱۔ عقل ۔۲۔ بلوغت ۳۔ اسلام ۴۔ حرّیت ۵۔ قوّتِ گویائی اور کسی عورت پر بدچلنی کی تہمت کے باعث سزایافتہ ہونا۔ (یہاں بینائی کا انہوں نے ذکر نہیں کیا۔)

کاسانی کا مفہوم یہ ہے کہ مذکورشرائط ہر صنفِ بشر کے لئے یکساں معیار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں ۱۔ پاگل ۲۔ بچہ ۳۔ غلام۔ ۴۔ گونگا۔

غیرمسلم اور تہمت بدچلنی میں سزایافتہ سٹیٹ کے اس منصبِ جلیلہ کے اہل نہیں ہوسکتے۔

گویا کاسانی عہدِ اسلامی میں طاقت کا سرچشمہ عہدۂ قضاء کو ٹھہراتے ہیں کہ اس دور میں ہیئتِ حاکمہ اور ہیئتِ مقننہ دو الگ محکمے نہیں تھے اور امیدوار میں چھ شرائط کا پایا جانا لازمی تھا۔ لیکن آپ نے چونکہ عورت و مرد کے امتیاز کو بالائے طاق رکھ کر بات کو عمومی لہجہ میں واضح کیا تھا۔ لہٰذا متشککین کے دل میں خدشات ابھر رہے تھے کہ کیا اتنے اونچے منصب پر عورت بھی فائز ہوسکتی ہے؟ تو اس کی وضاحت میں کاسانی علیہ الرحمہ نے واشگاف الفاظ میں فرمایا۔

" مملکت کے اس اعلیٰ منصب پر فائز ہونے کے لئے مرد ہونا شرط نہیں ہے۔ عورت کے نافذکردہ احکام وفرامین کی حیثیت بھی قانونی ہوگی [1]

رحمت اللہ طارق صاحب نے دجل وفریب کے سلسلہ کو آگے بڑھاتے ہوئے یہاں بھی ایک پورا جملہ اپنی طرف سے علامہ کاسانی کے کھاتے میں ڈال دیا۔

بدائع الصنائع میں سے علامہ کاسانی کی پوری عبارت نقل کردی گئی ہے۔ اس کو سامنے رکھ کر رحمت اللہ طارق صاحب نے جو کچھ لکھا ہے اس کو دیکھا جائے تو ان کی چابکدستی کا پتہ لگ جائے گا۔ چنانچہ ان کا یہ کہنا " کہ کاسانی کہتے ہیں کہ ذیل کی شرائط پر پورا اترنے والا کوئی بھی فرد عورت ہو

---

[1] عورت اور مسئلہ امارت: ص ۱، ۲۰، ۔

خواہ مرد، فائز ہو سکتا ہے؟" یہ جملہ "روشن خیال" کی "روشن خیالی" کا مظہر ہے۔ علامہ کاسانی کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔

"بعض فیصلے عورت نہیں کر سکتی"۔ ان کا کہنا ہے کہ اتنا کہہ لینے کے باوصف کاسانی ایک فقیہ تھے۔ وہ گروہ فقہاء کی افتاد سے اس حد تک مختلف نہ ہو سکتے تھے کہ عورت کے فیصلہ جات کو اس حد تک آزادانہ تسلیم کر لیتے کہ فقہاء کے لگے بندھے ضابطوں کی نفی ہو جاتی۔ کیونکہ عورت کے علی الاطلاق سربراہی یا عہدہ قضا پر فائز ہونے سے حدود و تعزیرات بھی متاثر ہو سکتے تھے۔ جب کہ ان امور کے بارے میں فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ نہ صرف یہ کہ عورت کے فیصلے نافذ نہ ہو سکیں گے۔ ان کی بابت اس کی گواہی بھی قبول نہ ہو سکے گی۔

محاسبہ

جہاں تک علامہ کاسانی کی عبارت کو کھینچ کر اپنے مطلب کا بنایا جا سکتا تھا۔ بنانے کے بعد ان کی اس واضح عبارت کو بالکل ہی گول کر دیا۔ جو رحمت اللہ طارق جیسے ہم خیال حضرات کے خلاف جاتی تھی۔ یعنی عورت حدود اور قصاص میں قاضی نہیں ہو سکتی۔ اور جہاں انہوں نے یہ ترجمہ کیا ہے کہ "مملکت کے اعلیٰ منصب پر فائز ہونے کے لئے مرد ہونا شرط نہیں"۔ یہاں بھی چابکدستی دکھائی ہے۔ کیونکہ علامہ کاسانی کے الفاظ کا یہ ترجمہ و مفہوم نہیں ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ جملہ معاملات میں قاضی کے لئے مرد ہونا شرط نہیں ہے کیونکہ عورت بھی جملہ اہل شہادات میں سے ہے۔ لیکن وہ حدود و قصاص میں قاضی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ ان میں عورت کی گواہی مقبول نہیں۔ علامہ کاسانی کا مقصود وہ نہیں جو کہ رحمت اللہ طارق صاحب نے زبردستی اپنا بنا لیا ہے اس کے باوجود انہوں نے حدود و تعزیرات کے بارے میں اقرار کر لیا ہے کہ فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ نہ صرف یہ کہ عورت کے فیصلے

نافذ نہ ہوسکیں گے بلکہ ان کی بابت اس کی گواہی بھی قبول نہ ہوسکے گی ۔

نتھو بھنگی

رحمت اللہ طارق صاحب نے فقہائے کرام سے یہ سوال کیا ہے کہ نتھو بھنگی کسی پر دس آنے کی چوری کا الزام لگا کر بے گناہ چور کا ہاتھ تو کٹوا سکتا ہے کہ اس کی گواہی معتبر ہے لیکن فاطمہ جناح مرحومہ اعلیٰ تعلیم یافتہ اور اصولِ شہادت کی نفسیات کا علم رکھتے ہوئے اور کسی قاتل کی اچھی طرح شناخت کرنے کے باوصف بھی اگر یہ کہہ دیں کہ یہ شخص قاتل ہے ۔ خاص کر ایسے حالات میں کہ عینی شاہد دوسرا کوئی نہ ہو تو کیا اس قاتل کو کچھ نہ کہا جائے گا کہ حدود و قصاص کے بارے میں فاطمہ جناح کی گواہی معتبر نہیں ہے ۔ یعنی فقہ حنفی کی رُو سے ایک مسلمان کا خون ضائع ہو جائے تو بلا سے مگر اتنی اعلیٰ تعلیم یافتہ خاتون کا چونکہ نتھو بھنگی کی گواہی جتنا اعتبار بھی نہیں ہے ۔ لہٰذا ان خاص صورتوں کے بارے میں سربراہ عورت کے فیصلے بھی نافذ نہ ہوسکیں گے ۔ کیا خوب دینِ فطرت ؟ کاش دین میں اپنی گروہی "انا" کو اتھارٹی بنانے والے اسلام کے جمہوری مزاج کو بگاڑنے کی سعی لاحاصل نہ فرماتے ۔

رحمت اللہ طارق صاحب کی اس عبارت میں شکوہ ہے کہ نتھو بھنگی کے مقابلے میں محترمہ فاطمہ جناح مرحومہ کی گواہی حدود و قصاص میں معتبر کیوں نہیں ؟ ان کے سوال کا جواب دینے سے پہلے ایک سوال ان سے بھی ہے ۔ کیا جمہوریت میں نتھو بھنگی اور محترمہ فاطمہ جناح مرحومہ کے ووٹ میں کوئی فرق ہے ؟ ایک لاکھ محترمہ فاطمہ جناح جیسی اعلیٰ تعلیم یافتہ ایک طرف ہوں اور نتھو بھنگی جیسے ایک لاکھ ایک طرف ہوں تو جمہوریت کا فیصلہ کس کے حق میں ہوگا ؟ ظاہر ہے کہ نتھو بھنگی کی پارٹی کی حکومت قائم ہو جائے گی ۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ جمہوری مزاج رکھنے والوں کو کیا زیب دیتا ہے کہ اُمت کے ائمہ اور

علمائے کرام کی اکثریت کے خلاف دوتین کا حوالہ دے کر اپنی "روشن خیالی" کا مظاہرہ کریں۔

چور اُسے کہتے ہیں جو لوگوں کا مال چراتا ہے اور چوری ایسا فعل ہے کہ اسلام میں چور کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے۔ رحمت اللہ طارق صاحب نے نئی اصطلاح "بے گناہ چور" استعمال کر کے اُلجھاؤ پیدا کر دیا ہے کہ چوروں میں گنہگار اور بے گناہ بھی ہوتے ہیں۔ اگر ان کی مُراد یہ ہے کہ ایک بے گناہ شخص کو نتھو بھنگی دس آنے کی چوری کے الزام میں قاضی کے پاس لے جا کر اس کا ہاتھ کٹوا دیتا ہے۔ تو صحیح اسلامی معاشرے میں ایسا نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ دس آنے کی چوری پر اسلام میں ہاتھ کاٹنے کا کوئی تصوّر نہیں کم سے کم قیمت والی جس چیز کی چوری پر ہاتھ کاٹا گیا۔ وہ ڈھال تھی جس کی قیمت اس وقت دس درہم یا ایک دینار تھی۔

نتھو بھنگی نے چوری کی گواہی اگر مسلمان کے خلاف دی ہے تو اس کی گواہی قابلِ قبول نہیں ہوگی۔ اس لئے کہ گواہ کے لئے مسلمان آزاد اور عادل ہونا شرط ہے۔ یہ جمہوریّت کا کرشمہ ہے کہ عدالت میں جا کر نتھو بھنگی حالات و واقعات کے مطابق جھوٹی گواہی دے تو عدالت کو قبول کرنے میں کوئی امر مانع نہ ہوگا۔ جب تک کہ اس کا جھوٹا ہونا ثابت نہ ہو جائے۔

نتھو بھنگی کا مفروضہ قائم کرنے سے پہلے اگر قرآن و سُنّت اور کتبِ فقہ کا مطالعہ کر لیا ہوتا تو ایسا مفروضہ قائم کرنے کی ضرورت نہ پیش آتی۔

خیال رہے کہ اللہ تعالےٰ نے قرآن پاک میں فرمایا۔

قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ أَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيثِ [1]

"کہدیں کہ خبیث اور طیب برابر نہیں ہو سکتے اگرچہ آپ کو خبیثوں کی کثرت تعجب میں ڈال دے"

---

[1] سورۃ المائدۃ: آیت ۱۰۰۔

لہٰذا ایک لاکھ نتھو بھنگی ایک طرف ہوں۔ اور ایک مومن بندہ ایک طرف تو اسلام کے نزدیک وہ ایک مومن بندہ نتھو بھنگی کی پارٹی کے تابع نہیں ہوگا۔

رہی بات کہ محترمہ فاطمہ جناح مرحومہ کی حدود و قصاص میں گواہی قبول کیوں نہیں؟ تو یہ سلسلہ آج شروع نہیں ہوا۔ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے عہدِ مبارک سے چلا آ رہا ہے جیسا کہ امام الزہریؒ کی روایت ہے۔

مضت السنة من لدن	"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد
رسول الله صلى الله عليه وسلم	دونوں خلیفوں (ابوبکرؓ اور عمرؓ) کے عہدِ مبارک
والخليفتين من بعده [1]	سے یہ سُنّت چلی آ رہی ہے۔"

عورت کی حدود و قصاص میں گواہی کے مقبول نہ ہونے سے پریشان ہونے والی کوئی بات نہیں۔ اس لئے کہ شریعتِ محمدیہ میں باپ کی بیٹے اور بیٹے کی باپ، خاوند کی بیوی اور بیوی کی خاوند، آقا کی غلام اور غلام کی آقا کے حق میں گواہی قبول نہیں ہوتی [2] یہ عمومی بات ہے۔ مخصوص حالات سے نپٹنا قاضی کا کام ہے۔

اسلامی تعلیم کو سمجھ کر اپنایا جائے تو انشاء اللہ اس میں خیر ہوگی۔ نتھو بھنگی والی جمہوریت کو رائج کیا جائے تو عدمِ فلاح کا سامنا ہوگا۔

علامہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کا فیصلہ

علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی نہ صرف صحیح بخاری کے عظیم شارح ہیں بلکہ انہوں نے علم الرجال پر

---

[1] الہدایۃ: جلد ۲ ص ۱۲۲

[2] الہدایۃ: جلد ۲ ص ۱۳۸۔ بدائع الصنائع: جلد ۶ ص ۲۷۹۔

کتابیں لکھ کر علم الحدیث میں نکھار پیدا کیا ہے۔ ان سے منقول ہے۔

اتفقوا علی اشتراط الذکوریۃ	"امام ابو حنیفہؒ کے علاوہ ائمہؒ کا اس پر
فی القاضی الا عن للحنفیۃ	اتفاق ہے کہ قاضی کے لئے مرد ہونا شرط
واستثنوا الحدود واطلق	ہے۔ احناف نے حدود کو مستثنیٰ کیا ہے اور ابن جریرؒ نے
ابن جریر وحجۃ الجمھور	مطلقاً رکھا ہے اور جمہور کی حجت وہ صحیح حدیث
الحدیث الصحیح ما افلح قوم	ہے کہ جس کے مطابق آپ نے فرمایا جس قوم نے اپنا معاملہ
ولوا امرھم امرأۃ [1]	عورت کے سپرد کیا وہ فلاح نہیں پائے گی"

علامہ احمد عبدالرحمٰن البنا الساعاتیؒ

علامہ احمد عبدالرحمٰن البنا الساعاتی، مسند احمد کے شارح ہیں اور ان کی لکھی ہوئی شرح فتح الربانی کے نام سے ۲۴ جلدوں میں قاہرہ سے چھپ چکی ہے۔ انہوں نے باب باندھا ہے۔

الفصل الرابع فی امارۃ النساء [2]	"چوتھی فصل عورتوں کی حکمرانی کے بارے میں"

پھر انہوں نے عورت کی سربراہی کی نفی کرنے والی چار روایات نقل کر کے ثابت کیا ہے کہ عورت حکمران نہیں ہو سکتی۔ جب حکمران نہیں ہو سکتی تو قاضی کیسے بن سکتی ہے۔؟

علامہ ابو العباس شہاب الدین احمد بن محمد القسطلانی المتوفی ۹۲۳ھ

علامہ ابو العباس بھی صحیح بخاری کے شارح ہیں۔ ان کا بیان ہے۔

---

[1] فتح الباری جلد ۱۳ ص ۱۴۶۔۱۴۷۔

[2] فتح الربانی : جلد ۲۳ ص ۳۵۔۳۶۔

مذهب الجمهور ان المرأة	"جمہور کا مذہب ہے کہ عورت حکمران
لاتلی الامارة ولا القضاء و	اور قاضی نہیں ہو سکتی۔ امام طبریؒ نے
اجاز الطبری وهی روایة	اسے جائز رکھا اور یہ امام مالکؒ سے روایت
عن مالك وعن ابی حنیفة	ہے اور امام ابوحنیفہؒ سے مروی ہے کہ عورت
تلی الحکم فیما تجوز شهادة	اس میں حکم ہو سکتی ہے کہ جس میں عورتوں
النسآء [1]	کی گواہی جائز ہے"

امام قسطلانیؒ نے بھی جمہور کا مذہب یہی بیان کیا ہے کہ عورت قاضی اور حکمران نہیں ہو سکتی۔

امام شمس الدین ابو عبداللہ الکرمانی المتوفیٰ ۷۸۶ھ

امام الکرمانی بھی صحیح بخاری کے شارح ہیں۔ ان کا کہنا ہے۔

ان النسآء لا یلین للامارة	"بے شک عورتیں حکمرانی، قضاء اور
ولا للقضاء و للتزویج [2]	تزویج کی والی نہیں ہو سکتیں"

صحیح بخاری کے دوسرے شارحین کی طرح امام الکرمانی نے عورت کی سربراہی، اس کے قاضی ہونے اور کسی کی شادی کرنے یا اس کا ولی ہونے کی نفی کر دی۔

امام محمد بن علی بن محمد الشوکانیؒ

جناب رفیع اللہ شہاب امام الشوکانیؒ کے اکثر حوالے دیتے رہتے ہیں۔ کیونکہ امام الشوکانیؒ

---

[1] ارشاد الساری۔ جلد ۶ ص ۲۶۰۔

[2] الکرمانی: جلد ۱۶ ص ۲۳۲۔

منتقی الاخبار کے شارح ہیں اور ان کی نیل الاوطار بڑی ہی مفید شرح ہے۔ چنانچہ اسی میں انہوں نے باب باندھا ہے۔

باب المنع من ولایۃ المرأۃ والصبی ومن لا یحسن القضاء[1]

"عورت، بچے اور جو اچھا قاضی نہیں بن سکتا۔ ان کو عہدہ دینے کی ممانعت کا باب"

پھر انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث مبارک کو نقل کیا کہ جس میں عورت کی سربراہی کی نفی کی گئی ہے۔

فیہ دلیل علی ان المرأۃ لیست من اھل الولایات ولا یحل لقوم تولیتھا[2]

"کہ اس میں دلیل ہے کہ عورت حکمرانوں میں سے نہیں ہے یعنی حکمرانی میں اس کا کوئی حصہ نہیں اور کسی قوم کے لئے حلال نہیں کہ اس کو حکمران بنایا جائے"

علامہ عبدالرحمٰن مبارک پوری

جامع الترمذی کے شارح علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوری نے بھی عورت کی سربراہی کی نفی کرنے والی حدیث کی شرح میں خطابی کا قول نقل کر کے ثابت کیا ہے کہ عورت سربراہ اور قاضی نہیں ہو سکتی۔

فی الحدیث ان المرأۃ لا تلی الامارۃ والقضاء[3]

"حدیث میں راہنمائی ہے کہ عورت حکمران اور قاضی نہیں ہو سکتی"

---

[1] نیل الاوطار۔ جلد ۸ ص ۲۷۳

[2] ایضاً

[3] تحفۃ الاحوذی۔ جلد ۳ ص ۲۴۶۔

امام عبدالوہاب بن احمد بن علی الشعرانی

امام الشعرانی نے بھی امام الشوکانیؒ کی طرح وہی باب باندھ کر عورت کی سربراہی کی نفی کرنے والی حدیث نقل کرنے کے بعد لکھا ہے۔

وفی هذا دلیل علی اشتراط کون القاضی رجل [1]	"اور اس میں دلیل ہے کہ قاضی کا مرد ہونا شرط ہے"

امام ابو محمد عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ، المتوفی ۶۲۰ھ

ائمہ حنابلہ میں سے جلیل القدر امام ابن قدامہ نے امام ابوالقاسم احمد الخرقی کی مختصر کی شرح میں امام ابوالقاسم کا قاضی کے بارے میں قول نقل کیا ہے۔

ولا یولی قاض حتی یکون بالغا عاقلا مسلما حرا عدلا عالما فقیها ورعا۔	"قاضی وہی بن سکتا ہے جو بالغ، عاقل، مسلم، آزاد، عادل، عالم، فقیہ اور پرہیزگار ہو"

پھر اس کی شرح میں واضح کیا ہے۔

ان یکون بالغا عاقلا حرا ذکرا حکی عن ابن جریر انه لا تشترط الذکوریة لان المرأة	"کہ وہ بالغ، عاقل، آزاد مرد ہو، امام ابن جریرؒ سے مروی ہے کہ قاضی کے لئے مرد ہونا شرط نہیں۔ اس لئے کہ عورت

---

[1] کشف الغمة عن جمیع الامة: جلد ۲ ص ۱۹۹۔

يجوز ان تكون مفتية فيجوز	کے لئے مفتی ہونا جب جائز ہے تو قاضی ہونا
ان تكون قاضية وقال ابوحنيفة	بھی جائز ہے اور امام ابوحنیفہؒ کا کہنا ہے کہ حدود
يجوز ان تكون قاضية	کے علاوہ دوسرے معاملات میں عورت
فى غير الحدود لانه يجوز	قاضی ہو سکتی ہے کیوں کہ ان میں وہ گواہ ہو
ان تكون شاهدة فيه.	سکتی ہے"

اس کے بعد اُنہوں نے اپنا مذہب بیان کیا ہے :۔

ولنا قول النبى صلى الله	"ہمارے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
عليه وسلم ما افلح قوم ولوا	کا ارشاد مبارک حجت ہے کہ جس قوم نے اپنا معاملہ
امرهم امرأة ولان القاضى	عورت کے سپرد کیا وہ کبھی فلاح نہیں پائے
يحضره محافل الخصوم والرجال	گی۔ اس لئے کہ قاضی کو مردوں اور جھگڑنے
ويحتاج فيه الى كمال الرأى	والوں کی محفلوں میں جانا پڑتا ہے اور ان میں
وتمام العقل والفطنة و	کامل رائے، پوری عقل اور فطانت کی
المرأة ناقصة العقل قليلة	ضرورت ہوتی ہے اور عورت ناقص العقل
الرأى ليست اهلا للحضور	اور قلیل الرائے ہے وہ مردوں کی محفلوں میں
فى محافل الرجال ولا تقبل	حاضر ہونے کی اہل نہیں اور نہ ہی اس کی
شهادتها ولو كان معها	شہادت قبول کی جاتی ہے۔ اگرچہ ایک ہزار
الف امرأة مثلها مالم يكن	عورتیں جمع ہو جائیں تو بھی ان کی شہادت
معهن رجل وقد نبه تعالى	اس وقت تک مقبول نہ ہو گی جب ان کے ساتھ
على ضلالهن ونسيانهن	مرد نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے گمراہ ہونے اور

بقوله تعالیٰ (ان تضل احداهما	بھولنے کے بارے میں یوں آگاہ فرمایا ہے
فتذکر احداهما الاخریٰ)	اگر ان میں سے ایک بھول جائے تو دوسری
ولا تصلح للامامة العظمیٰ	اس کو یاد کرا دے۔ امامت عظمیٰ پر مامور ہونا اور
ولا لتولیة البلدان و لهذا	شہروں میں حاکم بنایا جانا ان کے لئے درست
لم یولی النبی صلی الله علیه	نہیں اس لئے کہ ہماری معلومات کے مطابق
وسلم ولا احد من خلفائه	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء
ولا من بعدهم امرأة قضاء	میں سے کسی ایک نے عورت کو کسی شہر کی قاضی، یا
ولا ولایة بلد فیما بلغنا ولو	حاکم نہیں بنایا اور نہ ہی آپ کے بعد ایسا ہوا۔
جاز ذلك لم یخل منه	اگر اس کی اجازت ہوتی تو سارا عرصہ عورت
جمیع الزمان غالبا [1]	کے حاکم اور قاضی ہونے کے بغیر غالباً نہ گزرتا۔"

امام ابن قدامہؒ کی اس عبارت سے عیاں ہوتا ہے کہ خیر القرون میں عورت کے حاکم یا والی ہونے کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ اسی لئے انہوں نے واضح کر دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک کی روشنی میں اسلامی ملک میں عورت کے سربراہ ہونے کی تو دُور کی بات ہے وہ کسی ایک شہر پر بھی حکمران نہیں ہو سکتی اور نہ ہی قاضی بن سکتی ہے۔

الاحکام السلطانیہ

امام ابو الحسن علی بن محمد بن حبیب الماوردی المتوفی سنہ ۴۵۰ھ کی کتاب ہے جس کے دیباچہ میں

---

[1] المغنی لابن قدامۃ: جلد ۹ ص ۳۹-۴۰۔

انہوں نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے لئے ایک رہبر کو نبوت عطا فرما کر مبعوث فرمایا اور اسی کو مخلوق کے لئے مرکز قرار دیا۔ اسے حکومت بھی عطا فرمائی۔ تاکہ وہ اس کے دین کے احکام نافذ کرے اور سب لوگ اس کی بات مانیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ امامت وہ بنیاد ہے کہ جس پر ملت کے قواعد قائم ہیں۔ اور جس سے اُمت کے مصالح منظم ہیں۔ اسی سے عام قوانین بنتے اور خاص احکام صادر ہوتے۔ اسی بنا پر ضروری ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کو شاہی احکام پر مقدم کیا جائے[1]

امامت

کتاب کے آغاز میں انہوں نے واضح کر دیا کہ نبوت کی جانشینی کے لئے امامت ہے تاکہ دین کی حفاظت ہو اور دنیا کا انتظام برقرار رہے۔[2]

امامت کی اہلیت کے لئے انہوں نے حسب ذیل سات شرائط کی نشاندہی کی ہے۔

۱۔ عدالت اپنی تمام جامع شرطوں کے ساتھ۔

۲۔ علم یعنی امام ایسا عالم ہو۔ جو عام ہدایت اور غیر معمولی واقعات کے وقت اجتہاد کر سکے۔

۳۔ حواس کی سلامتی۔

۴۔ اعضاء کی صحت تاکہ حرکت میں مانع نہ ہو اور بیٹھنے اُٹھنے میں حارج نہ ہوں۔

۵۔ عقل و فراست جو رعیت کی نگہبانی اور مصالح ملکی میں معاون ہو۔

۶۔ شجاعت و دلیری جس سے ملک کی حفاظت اور دشمن سے جہاد کیا جائے۔

---

[1] الاحکام السلطانیہ۔ ص ۳۔

[2] " ص ۵۔

۷۔ نسب یعنی امام قریش میں سے ہو کیوں کہ اس بارے میں نص موجود ہے۔ اور اس پر اُمت کا اجماع ہونا چاہیئے۔

جناب رفیع اللہ شہاب نے پاکستان ٹائمز میں شائع ہونے والے اپنے مضمون میں الاحکام السلطانیہ کی بڑی تعریف کرنے کے بعد لکھا ہے کہ مسلمان حکمران اور قاضی کے لئے امام وردی نے سات شرائط بیان کی ہیں جن میں حکمران کے مرد یا عورت ہونے کا کوئی ذکر نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فقہاء میں حکمران کے مرد یا عورت ہونے میں اختلاف رہا ہے۔ امام ابن جریر طبریؒ اور امام مالکؒ حکمران کے مرد یا عورت ہونے میں کوئی تمیز نہیں کرتے تھے اور ان کا کہنا ہے کہ عورت مردوں کی طرح اسلامی مملکت کی سربراہ اور قاضی ہو سکتی ہے [۱]

محاسبہ

ائمہ و فقہاءِ اُمت کا اس پر اتفاق ہے کہ عورت اسلامی ملک کی حکمران نہیں ہو سکتی۔ اس کے قاضی ہونے کے بارے میں امام ابن جریر طبریؒ اور امام مالکؒ کا قائل ہونا منقول ہے جب کہ جمہور ان سے متفق نہ تھے۔ اس پر مفصّل بحث ہو چکی ہے۔ لیکن اب دیکھنا یہ ہے کہ امام ماوردیؒ نے عورت کے حکمران اور قاضی ہونے کے بارے میں کیا فرمایا ہے؟ اس کی ضرورت اس لئے ہے کہ رفیع اللہ شہاب صاحب نے امامت کے لئے مقررہ شرائط میں مرد ہونے کی شرط نہ پاکر سمجھ لیا ہے کہ امام ماوردی بھی اسی کے قائل تھے۔ یہ ان کی کم فہمی ہے یا زبردست دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے۔ کیونکہ امام ماوردیؒ بھی عورت کو ملک کا سربراہ یا قاضی بنانے کے حق میں نہ تھے۔ اگر رفیع اللہ شہاب صاحب

---

[۱] پاکستان ٹائمز ۹ فروری ۱۹۸۹ء

نے الاحکام السلطانیہ کا مطالعہ وہاں تک محدود نہ رکھا ہوتا کہ جہاں سے ان کی روشن خیالی کو کوئی سہارا میسر آسکتا تھا تو یقیناً اس سے اجتناب کرتے جو انہوں نے پاکستان ٹائمز میں لکھ دیا ہے۔

وزارت

امام ماوردیؒ نے اپنی کتاب کے دوسرے باب میں وزارت کی دو قسمیں بیان کی ہیں۔
وزارتِ تفویض اور وزارتِ تنفیذ۔
وزارتِ تفویض سے مراد امام ماوردیؒ کی یہ ہے کہ امام کسی شخص کو وزیر بنا کر امورِ سلطنت کی باگ اس کے ہاتھ میں دے دے۔ جنہیں وہ اپنی رائے اور صوابدید سے انجام دے۔
ایسے وزیر کے تقرر کے بارے میں ان کا کہنا ہے کہ نسب کے علاوہ اس کے لئے وہی شرائط معتبر ہیں جو امامت کے لئے ضروری ہیں۔ کیونکہ یہ عہدہ نہایت ذمہ داری کا ہے اور اس میں اپنی عقل، اجتہاد اور رائے سے بھی کام لینا پڑتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ مجتہدین کی صفات اس میں موجود ہوں۔ بلکہ اس عہدہ کے لئے امامت کے شرائط کے علاوہ چند اور بھی ضروری ہیں یعنی وزیر کو جنگی اور مالی معاملات سے بخوبی آگاہ ہونا چاہیئے۔ اس لئے کہ بعض مرتبہ یہ کام اس کو خود کرنے پڑتے ہیں۔ اور بعض دفعہ وہ دوسروں سے ان کاموں کو انجام دلاتا ہے۔ لہٰذا جب تک وہ خود ان معاملات سے باخبر نہ ہوگا تو وہ مناسب آدمی کا تقرر نہ کر سکے گا اور نہ ان کی عدم موجودگی میں خود ان کاموں کو انجام دے سکے گا۔
یہ شرط وزارت کی بنیاد ہے جس سے سیاستِ ملک قائم ہوتی ہے [1]
وزارتِ تنفیذ کی وضاحت کرتے ہوئے امام ماوردیؒ نے لکھا ہے۔ جس طرح اس وزارت

---

[1] الاحکام السلطانیہ۔ ص ۲۲۔

کا اقتدار و اختیار کم ہے ۔اسی طرح اس کے لئے شرائط بھی کم ہیں ۔کیونکہ اس منصب کی کارگزاری امام کی رائے اور تدبیر پر موقوف ہے ۔ یہ وزیر امام اور اس کی رعایا اور اس کے والیوں کے درمیان محض ایک ذریعہ یا واسطہ ہوتا ہے ۔اس کا کام صرف یہ ہے کہ امام جو ہدایتیں اور احکام دے انہیں وہ نافذ و جاری کر دے اور دوسرے عہدیداروں کے تقرر ،فوجوں کی تیاری ، واقعاتِ حاضرہ اور اچانک نمودار ہونے والے حادثات سے امام کو مطلع کرتا رہے ۔امام سے ان کے متعلق احکام حاصل کر کے جاری کر دے ۔اس کا کام ہدایت کی تعمیل ہے ، ہدایت نہیں ۔

اس وزیر کے صرف دو فرائض ہیں ۔ایک یہ کہ اہم اخبار خلیفہ تک پہنچا دے ۔ دوسرا یہ کہ جو خلیفہ حکم دے اسے رعایا تک پہنچا دے ۔

اس عہدے کے لئے سات صفات کا لحاظ کیا جاتا ہے ۔

۱۔ **امانت** :۔ تاکہ جو بات اس سے کہی جائے اس میں خیانت نہ کرے اور جس خیر خواہی کی اس سے توقع کی گئی ہے اس میں دھوکہ نہ دے ۔

۲۔ **صدقِ لہجہ** :۔ تاکہ ہر قسم کے احکام میں اس پر پورا بھروسہ کیا جائے ۔

۳۔ **لالچی نہ ہو** :۔ اگر لالچی ہوگا تو رشوت لے کر جانبداری کرے گا یا احکام کی تعمیل میں دیر کرے گا ۔

۴۔ عوام اور اُس کے درمیان بغض و عداوت نہ ہو ۔کیوں کہ عداوت انصاف و عدل دونوں سے روکتی ہے ۔

۵۔ **وہ مرد ہو** :۔ تاکہ وہ ہر بات خلیفہ تک پہنچائے اور ان سے جو احکام ملیں انہیں رعایا تک پہنچا دے ۔اس لئے کہ وہ خلیفہ کی طرف سے اور ان کی طرف سے گواہ ہوتا ہے ۔

۶۔ **ذکاوت و ذہانت** :۔ تاکہ وہ خلیفہ کے احکام کو اچھی طرح سمجھ لے اور اس پر ان کی

غرض وغایت پوری طرح واضح ہوجائے۔ اگر ایسا نہیں ہوگا تو بڑی خرابیاں پیدا ہوجائیں گی۔

۷۔ **نفسی خواہشات کا بندہ نہ ہو:۔** کیونکہ ایسی خواہشات اس کو حق سے باطل کی طرف لے جائیں گی۔ اور اس کے لئے سچ اور جھوٹ میں تمیز مشکل ہوجائے گی۔ اس لئے کہ محبت عقل کو معطل کر دیتی ہے۔ اور صحیح راہ سے ہٹا دیتی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

حبّك الشئ یعمی ویصم — کسی شے کی محبت تجھے اندھا اور بہرہ کر دیتی ہے

اگر یہ وزیر خلیفہ کی رائے میں شریک ہوتا ہے تو وہ آٹھویں صفت کا بھی محتاج ہوگا۔ جو تدبّر اور تجربہ ہے تاکہ صحیح رائے اور تدبیر قائم ہوسکے۔ اس لئے کہ تجربہ نتیجے اور انجام سے مطلع کرتا ہے۔

ولا یجوز ان تقوم بذلك	"اس منصب پر کوئی عورت فائز نہیں
امرأة وان کان خبرها	ہوسکتی۔ اگرچہ اس کی خبر مقبول ہے
مقبولا لما تضمنه معنی	مگر بعض ادر امور اس عہدے کے ساتھ
الولایات المصروفة عن	ایسے ہیں کہ جن پر عمل پیرا ہونے کا رسول اللہ
النساء لقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم	صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے مطابق حق
ما افلح قوم اسندوا امرهم	نہیں دیا گیا ہے جس قوم نے اپنا معاملہ عورت
الی امرأة [1]	کے سپرد کر دیا وہ فلاح نہیں پائے گی"

رفیع اللہ شہاب صاحب نے جس حدیث کو ضعیف ثابت کرنے پر بڑا زور لگایا ہے۔ حکام السلطانیہ کے مصنف ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب الماوردی نے بھی اسی سے استدلال کرتے ہوئے عورت کو

---

[1] الاحکام السلطانیہ۔ ص ۲۵-۲۶-۲۷۔

خلیفہ کی وزیرِ تنفیذ بننے سے روک دیا۔ امام ماوردیؒ کے نزدیک جب عورت وزیرِ تنفیذ نہیں ہوسکتی تو وہ وزیرِ تفویض یا خلیفہ کیسے ہوسکتی ہے؟۔

امام ماوردیؒ نے کیا ہی خوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشادِ مبارک کا ذکر کیا ہے کہ کسی شئی کی محبت تجھے اندھا اور بہرہ کردیتی ہے۔ بعینہٖ "روشن خیال" حضرات کو عورت کی حکمرانی نے اندھا اور بہرہ کردیا ہے۔ جس کتاب کا حوالہ دیتے ہیں۔ وہی ان کے خلاف جاتا ہے۔ اور ان کے دجل و فریب کی عمارت پیوندِ خاک بن جاتی ہے۔

عورت کے قاضی ہونے کی نفی

قاضی کی تقرری پر بحث کرتے ہوئے امام ماوردیؒ نے واضح کیا ہے۔ عہدۂ قضاء پر اسی شخص کا تقرر جائز ہے جس میں اس کی تمام شرائط موجود ہوں تاکہ ان کو قاضی بنانا اور اس کے احکام کو نافذ کرنا صحیح ہو۔ امام رحمۃ اللہ علیہ نے سات شرطوں میں سے پہلی شرط یہ رکھی ہے۔ ان یکون رجلا۔ یہ کہ وہ مرد ہو۔ اور ان کا کہنا ہے کہ اس شرط میں بالغ اور مرد ہونا۔ دو صفتیں جمع ہیں اس لئے کہ نابالغ پر کوئی حکم واجب نہیں ہوسکتا اور نہ اپنے قول سے کوئی حکم اپنے اُوپر واجب کرسکتا ہے چہ جائیکہ کسی دوسرے پر حکم کا نفاذ کرے اور عورتوں کا مرتبہ حکومت کے مراتب سے کم ہے اگرچہ بعض احکام ان کے قول سے متعلق ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ جن امور میں ان کی شہادت درست ہے۔ قضاء بھی درست ہے۔ اور جن میں شہادت درست نہیں ان میں قضاء بھی درست نہیں۔

امام ابن جریرؒ اس مسئلہ میں بالکل منفرد ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ تمام احکام میں عورت کی قضاء جائز ہے۔

ولا اعتبار بقول یردہ الاجماع — اور اس قول کا کوئی اعتبار نہیں جس کو اجماع

مع قول اللہ تعالیٰ الرِّجَالُ	اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے ساتھ ردّ
قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا	کرتا ہے۔ مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس لئے کہ
فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى	اللہ تعالیٰ نے ان کے بعض کو بعض پر
بَعْضٍ یعنی فی العقل والرأی	فضیلت دے رکھی ہے۔ یعنی عقل
فلم یجز ان یقمن علی	اور دانائی میں۔ لہٰذا یہ جائز نہ ہوگا کہ عورتیں
الرجال [۱]	مردوں کی حاکم بنیں۔"

امام جصاصؒ المتوفیٰ ۳۷۰ھ نے بھی یہی تفسیر کی ہے کہ عقل و دانائی میں مرد کو عورت پر اللہ تعالیٰ نے فضیلت دی ہے۔ اور ان کا کہنا ہے کہ مرد ہی عورت کی تدبیر و تأدیب کا ذمہ دار ہے۔ یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ عورت کو اپنے گھر میں رکھنا اور اس کو باہر نکلنے سے روکنا مرد کا حق ہے۔ عورت کا فرض ہے کہ مرد کی اطاعت کرے۔ اور اس کا حکم مانے جب تک کوئی معصیت کا حکم نہ دے [۲]

امام جصاصؒ نے یہ بھی لکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اگر بشر کا بشر کو سجدہ کرنا درست ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ مرد کو سجدہ کرے [۳]

امام ابوالحسن ماوردیؒ نے نہ صرف یہ ثابت کر دیا کہ عورت قاضی بھی نہیں ہو سکتی۔ اور عورتوں کا مرتبہ حکومت کے مراتب سے کم ہے بلکہ انہوں نے امام ابن جریرؒ کے اس قول کا بھی ردّ کر دیا کہ جس پر رفیع اللہ شہاب صاحب اور رحمت اللہ طارق صاحب نے اپنے دلائل کی بنیاد رکھی تھی۔ ساری اسلامی تاریخ

---

[۱] الاحکام السلطانیہ۔ ص ۶۵۔

[۲] تفسیر احکام القرآن للجصاص۔ جلد ۲ ص ۱۸۸۔

[۳] احکام القرآن جلد ۱ ص ۳۷۶ (للرجال علیهن درجة)

میں سے جو مطلب سے کے قول ملے تھے۔ ان کو امام ماوردیؒ، امام قرطبیؒ اور علامہ آلوسیؒ نے ٹھکرا کر واضح کر دیا ہے کہ عورت نہ حکمران ہو سکتی ہے اور نہ ہی قاضی بن سکتی ہے بلکہ اس کو کسی شہر کا حاکم بھی نہیں بنایا جا سکتا۔

شیعہ کتب میں عہدہ قضا

شیعہ کتب کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان کے ہاں بھی عورت کی سربراہی اور اس کے قاضی ہونے کا کوئی تصور نہیں۔ چنانچہ حضرت امام عبداللہ جعفر الصادق سے مروی ہے۔

اتقوا الحکومۃ فان الحکومۃ	"حکومت سے بچو۔ اس لئے کہ حکومت
انما هی للامام العالم بالقضاء	امام کے لئے ہے جو قضاء کا عالم اور نبی یا وصی
العادل فی المسلمین لنبی	کے لئے لوگوں کے درمیان عدل کرنے
او وصی نبی ل‍ہ	والا ہے"

معلی بن خنیس سے مروی ہے کہ میں نے امام جعفر الصادق کی خدمت میں عرض کیا اللہ عزّ وجل کے اس ارشاد کا کیا معنی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا	"بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ
الْاَمَانَاتِ اِلٰى اَهْلِهَا وَ اِذَا	تم جن کی امانتیں ہیں ان کو لوٹا دو اور جب تم
حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ	لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل سے فیصلہ
تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ قال:	کرو۔ امام جعفرؒ نے فرمایا کہ امام پر فرض
علی الامام ان یدفع ما	ہے کہ جو اس کے پاس ہے، اس امام کو

ل‍ہ الفروع من الکافی: جلد ۷ ص ۴۰۶۔ من لا یحضرہ الفقیہ جلد ۳ ص ۵۔ تہذیب الاحکام۔ جلد ۶ ص ۲۱۷

عنده الی الامام الذی بعده	دے دے جو اس کے بعد امام ہوگا اور
وامرت الائمة ان یحکموا	ائمہ کو حکم دیا گیا ہے کہ عدل کے فیصلے
بالعدل و امر الناس ان	کریں۔ اور لوگوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ
یتبعوھم[1]	ان کی اتباع کریں۔"

امام جعفر صادقؒ کا ہی فرمان ہے :۔

ایاکم ان یحاکم بعضکم	"بعض تمہارا بعض کو فیصلے کے لئے
بعضا الی اھل الجور ولکن	اہل جور کے پاس نہ لے جائے۔ بلکہ
انظروا الی رجل منکم یعلم	اپنے درمیان میں سے کسی اس مرد کو
شیئاً من قضایا فاجعلوا	تلاش کرو جو قضاء کے بارے میں کچھ علم
بینکم فانی قد جعلته قاضیا	رکھتا ہو۔ پس اس کو اپنے درمیان قاضی بنا
فتحاکموا الیہ[2]	لو۔ اور اسی سے فیصلہ کراؤ۔"

معلوم ہوا کہ فقہ جعفریہ میں بھی گنجائش نہیں کہ کوئی عورت امام یا قاضی ہو سکے۔ کیونکہ یہ دونوں منصب مرد امام کے لئے مختص ہیں۔ اگر عورت امام یا قاضی ہو سکتی ہوتی تو حضرت فاطمہؓ سب سے پہلے اس عہدے پر فائز ہوتیں۔

امام نسائیؒ کا فیصلہ

"کتاب اداب القضاۃ" میں امام عبدالرحمٰن احمد بن شعیب النسائیؒ المتوفی ۳۰۳ھ نے باب باندھا ہے۔

---

[1] من لا یحضرہ الفقیہ : جلد۳ ص ۳۔ تہذیب الاحکام : جلد۶ ص ۲۲۳۔

[2] الفروع من الکافی جلد۷ ص ۴۱۲۔ من لا یحضرہ الفقیہ جلد۳ ص ۲۔ تہذیب الاحکام جلد۶ ص ۲۱۹۔

النھی عن استعمال النساء فی الحکم — عورتوں کو قاضی بنانے کی ممانعت

پھر اُنہوں نے حضرت ابوبکرہؓ کی روایت نقل کی ہے کہ مجھے اس شئی کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے فائدہ دیا۔ جو میں نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنی۔ جب کسریٰ ہلاک ہوا تو آپ نے دریافت فرمایا۔

من استخلفوا قالوا ابنته قال لن یفلح قوم ولوا امرھم امرأۃ [1]

"انہوں نے کس کو بادشاہ بنایا؟ صحابہؓ نے عرض کیا اس کی بیٹی کو، آپؐ نے فرمایا جس قوم نے اپنا معاملہ عورت کے سپرد کیا وہ ہرگز فلاح نہیں پائے گی۔"

سُنن النسائی کے شارح الاُستاذ حضرت علامہ محمد عطاء اللہ حنیفؒ نے حاشیے میں وضاحت کی ہے۔

فیہ دلیل علی عدم جواز تولیۃ المرأۃ شیئًا من الاحکام العامۃ بین المسلمین [2]

"اُس میں دلیل ہے کہ مسلمانوں کے درمیان احکام عامہ میں سے عورت کو کوئی عہدہ دینے کا کوئی جواز نہیں۔"

امام شمس الدین محمّد بن ابی العباس احمد بن حمزہ ابن شہاب الدین الرملی المتوفی ۱۰۰۴ھ

جناب رحمت اللہ طارق نے کوئی ایسا تنکا نہیں چھوڑا کہ جس سے ان کو کسی سہارے کی اُمید ہوسکتی تھی۔ لہٰذا نظریہ ضرورت کی رُو سے سربراہی کا مطلق جواز" کے تحت فرماتے ہیں۔

عورت کے عدالتی اور سربراہی منصب کے خلاف کافی بحث و تمحیص کے بعد احناف کے شیخ الاسلام علامہ خیرالدین رملی فرماتے ہیں۔ عورت کا سربراہ بنایا جانا اگر ناگزیر بن جائے تو پریشانی کی کوئی بات نہیں۔

---

[1] سُنن نسائی: جلد ۲ ص ۳۰۱۔

[2] حاشیہ سُنن النسائی: جلد ۲ ص ۳۰۱۔

نظریہ ضرورت کی رُو سے وہ سربراہ مملکت بھی بن سکتی ہے اور اس کے فیصلے بھی نافذ ہو سکیں گے۔[1]

محاسبہ

رحمت اللہ طارق صاحب نے جو آخری سہارا تلاش کیا ہے۔ اس کی بھی حقیقت پہلے سہاروں اور دجل و فریب سے مختلف نہیں۔ امام رملیؒ نے نظریہ ضرورت بھی کتاب القاضی میں ہی پیش کیا ہے۔ اور پوری عبارت اس طرح ہے۔

لئلا یتعطل مصالح النّاس	تاکہ لوگوں کے مصالح معطل نہ ہو جائیں اگر
ولو ابتلی النّاس بولایۃ	لوگ عورت یا غلام یا اندھے کے ان معاملوں
امرأۃ او قنّ او اعمی فیما	میں قاضی بنائے جانے کی آزمائش میں ڈالے
یضبطہ نفذ قضاءہ	جائیں کہ جن میں ان کا حکم چلتا ہو تو ضرورت
للضرورۃ کما افتی بہ	کے تحت اس کے فیصلے کو جاری کیا جائیگا
الوالد رحمۃ اللہ تعالیٰ	والدؒ نے یہی فتویٰ دیا ہے اور ابن السّلام
والحق بہ ابن السّلام	عبد السّلام نے عورت کے ساتھ
عبد السّلام الصبی بالمرأۃ	اس کی مثل اور بچے کو بھی ملا دیا ہے، کافر
ونحوھا لا کافر[2]	قاضی نہیں ہو سکتا۔"

پوری عبارت سے عیاں ہوتا ہے کہ ضرورت کے وقت صرف عورت کو ہی قاضی بنائے جانے

---

[1] عورت اور مسئلہ امارت: ص ۷۵۔

[2] نہایۃ المحتاج فی شرح المنہاج: جلد ۸ ص ۲۴۰۔

کا ذکر نہیں بلکہ ایسے غلام کو بھی شمار کیا گیا ہے کہ جس کا باپ بھی غلام ہو۔ اور ساتھ اندھے کو بھی رکھا گیا ہے۔ شیخ عبدالسلام نے بچے کو بھی ساتھ ملا دیا۔ بحث نظریہ ضرورت کی نہیں بلکہ قرآن و سُنت اور فقہ کی روشنی میں امام اور قاضی کے بارے میں ہے۔ ہنگامی حالات میں تو کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ اسلام کی بنیادی تعلیم کی بات ہو رہی ہے۔ علاّمہ رملیؒ کے الفاظ اور رحمتُ اللہ طارق صاحب کے ترجمہ و مفہوم میں زمین و آسمان جیسا فرق ہے۔ "نفذ القضاء" ایسا جملہ ہے کہ اس میں کسی شک و شُبہ کی گنجائش نہیں اسی جملہ سے پتہ چلتا ہے کہ بات قضاء کی ہو رہی ہے۔

مزید وضاحت کے لئے امام رملیؒ کی وہ عبارت بھی نقل کی جاتی ہے جو "شروط القاضی" کے تحت منقول ہے۔ ان کی شروط میں سے ایک شرط یہ بھی ہے۔

(ذکر) فلا تولی امرأة	"مرد ہونا ایس عورت اپنی کمزوری کی وجہ سے
لنقصها ولاحتیاج القاضی	قاضی نہیں بن سکتی کیونکہ قاضی کو مردوں سے
لمخالطة الرجال وھی مامورة	اختلاط کی حاجت ہوتی ہے اور عورت کو
بالتخدر والخنثی فی ذلك	پردہ کا حکم دیا گیا ہے اور مخنث بھی عورت
کالمرأة ولخبر البخاری	کی طرح ہے۔ اس لئے کہ بخاری وغیرہ کی
وغیرہ لن یفلح قوم ولوا	روایت ہے کہ جس قوم نے عورت کے سپرد اپنا
امرھم امرأة [1]	معاملہ کیا وہ کبھی فلاح نہیں پائے گی۔"

علاّمہ المناویؒ نے شرح الجامع الصغیر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ مُبارک کی تشریح میں اس سے ملتی جلتی رائے کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے۔

---

[1] نہایة المحتاج فی شرح المنهاج۔ جلد ۸ ص ۲۳۸۔

فلا یصح ان تولی الامامۃ ولا القضاء [1]

پس عورت کے لئے درست نہیں کہ وہ امامت اور قضا کی والی بنے "

امام رملیؒ نے بھی اسی روایت سے استدلال کیا جو "روشن خیال" حضرات کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ ساری اُمت کے علماء و فقہاء جمہور کی صورت میں ایک طرف اور چند "روشن خیال" ایک طرف۔ لیکن کوشش یہی ہے کہ جمہور کے فیصلے کو قبول نہیں کرنا۔ جمہوریت کے دعویدار جمہور کو جھٹلاتے ہیں۔ اور جمہوریت کا دم بھی بھرتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر دجل و کذب کیا ہو سکتا ہے؟ جس امام اور کتاب کا حوالہ دیا۔ اسی امام اور کتاب سے ثابت ہوتا ہے کہ عورت قاضی نہیں ہو سکتی۔ لیکن اُنہوں نے اس امام اور کتاب کا نام لے کر دھوکہ دیا ہے۔

الشیخ محمد علیشؒ نے بھی "صفات القاضی" کا ذکر کرتے ہوئے قاضی کے مرد ہونے کی شرط امام بخاریؒ کی روایت کردہ حدیث کا حوالہ دے کر عائد کی ہے [2]

عدل کی شرط کی وضاحت کرتے ہوئے اُنہوں نے لکھا ہے کہ قاضی بالغ، عاقل، مسلم، مرد، آزاد، غیر فاسق اور جوانمردی کی صفات سے عاری نہ ہو۔ الشیخ محمد علیش نے علامہ ابن رشد کا حوالہ بھی دیا ہے کہ ان کے نزدیک قاضی کے عہدے کے لئے چھ صفات شرط ہیں۔ یہ کہ وہ بالغ، آزاد، مسلم، مرد، عاقل اور عادل ہو۔ ہمارے مذہب کے مطابق ان چھ مشروط صفات کے بغیر کسی کا قاضی بنایا جانا درست نہیں۔

فقہائے مالکیہ پر بہتان

جس طرح فقہائے احناف پر رفیع اللہ شہاب صاحب نے بہتان لگا دیا کہ امام ابوحنیفہؒ تو

---

[1] فیض القدیر: جلد ۵ ص ۳۰۳۔

[2] شرح منح الجلیل علی مختصر العلامۃ خلیل: جلد ۴ ص

عورت کے قاضی ہونے کا نظریہ رکھتے تھے۔ لیکن بعد میں چند فقہاء نے اس کے قاضی ہونے کو ان معاملات تک محدود کر دیا کہ جن میں اس کی گواہی مقبول ہے۔ اسی طرح امام مالکؒ کے بارے میں رحمت اللہ طارق صاحب نے بھی لکھ دیا کہ "المدونہ" میں عورت کی سربراہی کو کسی شرط سے وابستہ نہ رکھنے کا اگرچہ فتویٰ دیا لیکن محمد بن سعید انصاری عرف ابن زرقون ۱۹۰ھ اپنے دور میں اس کی توجیہ اس طرح پیش کرتے ہیں کہ جن امور میں عورت کی گواہی کا اعتبار ہوگا۔ ان ہی امور کا قلمدان غیر مشروط سربراہی کی تعریف میں آسکے گا۔ اس تاویل کا مضحکہ اڑاتے ہوئے امام عبدالعزیز بن عبدالسلام ۲۶۲ھ نے جو باتفاق اہل تاریخ درجہ اجتہاد پر فائز تھے، فرمایا۔ لاحاجۃ لھذا التاویل اس بوگس توجیہ کے پیش کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ کیونکہ ابن القاسم سے پہلے امام ابن جریرؒ بھی بے قید و بے شرط عورت کے والی (حاکم) اور چیف جسٹس بننے کا فیصلہ دے چکے ہیں۔ یہ بات انہوں نے مواہب الجلیل فی شرح مختصر خلیل جلد ۶ ص ۸۹ کے حوالے سے لکھی ہے [1]

محاسبہ

جناب رحمت اللہ طارق صاحب کو اگر معلوم ہوتا کہ "المدونہ" میں امام مالکؒ کا یہ فتویٰ موجود ہے کہ عورت اسلامی ملک کی سربراہ ہو سکتی ہے۔ اور اس کے لئے کوئی خاص شرط نہیں، تو وہ اس عبارت کو "المدونہ" کے حوالے سے بلاواسطہ ضرور نقل کر کے اپنے موقف کو مضبوط بناتے۔ لیکن دجل و فریب کا جال اس لئے پھیلانا پڑا کہ ایسی کوئی عبارت "المدونہ" میں سرے ہی نہیں۔ امام مالکؒ تو عورت کی گواہی حدود و قصاص اور نکاح و طلاق میں قبول نہیں کرتے تھے۔ تو اس کو وہ اسلامی ملک کا

---

[1] عورت اور مسئلہ امارت۔ ص ۸۷۔

سربراہ کس طرح بنا سکتے تھے۔

"المدونۃ" ان روایات کا مجموعہ ہے جو کہ امام سحنونؒ بن سعید التنوخی نے امام عبدالرحمٰن بن القاسم سے نقل کی ہیں۔ چنانچہ امام سحنونؒ امام عبدالرحمٰن بن القاسم سے پوچھتے ہیں۔

ارایت شھادۃ رجل وامرأتین تجوز علی شھادۃ رجل فی القصاص قال لا تجوز لان مالکا قال لا تجوز شھادۃ النساء فی الحدود ولا فی القصاص ولا فی الطلاق ولا فی النکاح [1]	"کیا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی قصاص میں ایک مرد کی شہادت پر جائز ہوگی۔ ابن القاسم نے کہا جائز نہ ہوگی۔ اس لئے کہ امام مالکؒ اسے جائز نہیں سمجھتے تھے۔ انہوں نے فرمایا۔ حدود، قصاص طلاق اور نکاح میں عورتوں کی گواہی جائز نہیں۔"

یہ بحث پہلے "کتاب الاقضیہ" میں منقول ہے۔ پھر امام مالکؒ کا یہی فتویٰ "شھادۃ النساء فی جراح العمد والحدود والطلاق والنکاح والانساب والولاء والمواریث" کے تحت بھی نقل کیا گیا ہے [2]

ابن شہاب سے یہ بھی مذکور ہے۔

مضت السنۃ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والخلیفتین	کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد دونوں خلیفوں کے عہد مبارک میں یہ

---

[1] المدونۃ۔ جلد ۴ ص ۲۷۔

[2] ایضاً۔ ص ۸۳-۸۴۔

من بعده انه لا تجوز	سنت رہی ہے کہ عورتوں کی گواہی نکاح۔
شهادة النساء فی النكاح	طلاق اور حدود میں جائز نہیں ہوگی۔
والطلاق والحدود الا ان	عقیل نے روایت بیان کرتے ہوئے
عقیلا لم یذکر الخلیفتین	خلیفوں کا ذکر نہیں کیا۔"

اس کے ساتھ ابن مسیب، ربیعہ، مکحول، ابراہیم، سفیان ثوری اور حسن کے اقوال بھی منقول ہیں کہ عورت کی گواہی حدود، طلاق اور نکاح میں مقبول نہیں [1]

امام ابن القاسم جب خود امام مالکؒ کے فتویٰ کو دلیل بناتے ہوئے عورت کی مذکورہ علامات میں جائز نہیں سمجھتے تھے۔ تو وہ عورت کو ان ہیں قاضی یا ملک کا سربراہ بنانے کا حوالہ کس طرح دے سکتے تھے۔

چونکہ مختصر خلیل کی شرح کے حوالے سے بات ہوئی ہے تو کیوں نہ مختصر خلیل کے متن کو دیکھ لیا جائے تاکہ بات بالکل صاف ہو جائے۔ اگرچہ مختصر خلیل کی شرح منح الجلیل کے حوالے سے پہلے بھی وضاحت ہو چکی ہے لیکن مزید صراحت کے لئے فقہ مالکیہ کے شارح علامہ صالح عبد السمیع الابی الازہری نے اس سلسلے میں مختصر خلیل کا جو متن نقل کیا ہے۔ اس کے الفاظ پیش کئے جاتے ہیں۔

بابٌ۔ اهل القضاء عدل	قضاء کی شروط و احکام اور اس کے
ذکر فطن مجتهد فی بیان	متعلقات کا بیان
شروط و احکام القضاء وما	قضاء کا اہل وہ مرد ہے جو عادل فطین اور مجتہد ہو۔
یتعلق به اهل ای مستحق	"اہل القضاء" یعنی قضاء کا مستحق۔

---

[1] المدونة: جلد ۴ ص ۸۴

القضاء عدل ای بالغ عاقل	عدل سے مُراد ہے کہ وہ بالغ، عاقل
مسلم ذکر حر غیر فاسق	مسلم، مرد، آزاد، غیر فاسق ہو اور غیر
ولا مرتکب ما یخل بمروءته	اخلاقی کاموں کا مرتکب ہونے والا ہو۔
قال القرافی وان لم یوجد	قرافی نے کہا اگر عادل نہ ملے تو جو موجود
عادل ولی امثل الموجودین	ہوں ان میں سے سب سے اچھا انسان قاضی بنایا
وقال الامام مالک رضی اللہ	جائے۔ امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ
تعالیٰ عنہ لا اری خصال القضاۃ	آج میں کسی ایک شخص میں قاضیوں کی تمام صفات مجتمع
تجتمع الیوم فی احد فان اجتمع	نہیں دیکھتا ہوں۔ اگر کسی میں دو صفتیں علم اور
فیہا خصلتان العلم والورع	پرہیزگاری جمع ہو جائیں تو اس کو قاضی بنالیا جائے۔
ولی (ذکر) فلا تصح تولیۃ	"ذکر" سے مراد یہ ہے کہ عورت کو والی بنانا درست نہیں
امرأۃ لحدیث البخاری لن	اس لیے کہ بخاری کی حدیث ہے کہ آپ نے فرمایا جس قوم نے اپنا
یفلح قوم ولوا امرھم امرأۃ[1]	معاملہ عورت کے سپرد کیا وہ کبھی فلاح نہیں پائے گی۔"

"المختصر خلیل" میں واضح طور پر موجود ہے کہ قاضی کا مرد ہونا ضروری ہے۔ اور اس کے شارحین میں سے کسی ایک نے بھی اس شرط کو نظرانداز نہیں کیا بلکہ شروح میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ مبارک کا حوالہ دے کر عورت کے قاضی ہونے کی نفی کی ہے۔

علامہ ابوالبرکات احمد الدردیر کی الشرح الکبیر پر علامہ شمس الدین محمد عرفہ الدسوقی نے جو حاشیہ لکھا ہے۔ اس میں "باب فی القضاء" کے تحت منقول ہے۔

---

[1] جواہر الاکلیل شرح مختصر العلامۃ خلیل فی مذہب امام مالکؒ۔ جلد ۲ ص ۲۲۱۔

لا انثی ولا خنثی — ”عورت اور مخنث قاضی نہیں ہو سکتے۔“

شرح میں وضاحت کردی گئی ہے۔

فلا یصح تولیتھا للقضاء ولا — ”اس کا قضاء کی والی بننا درست نہیں اور نہ ہی

ینفذ حکمھا [1] — اس کا اس میں حکم جاری ہوگا۔“

مواہب الجلیل لشرح مختصر خلیل

المختصر کی یہ شرح امام ابو عبداللہ محمد بن عبدالرحمٰن المغربی المعروف بالحطاب المتوفی ۹۵۴ھ کی تالیف ہے۔ اہل علم کا یہ معمول ہے کہ محدثین اور فقہاء کی شروح کا حوالے دیتے وقت شارحین کی آراء سے مستفید ہونے کی کوشش کرتے ہیں اور محققین کا دستور یہ رہا ہے کہ کسی مسئلہ کی تحقیق کرتے ہوئے ”ماله و ماعلیه“ کو سامنے رکھتے ہوئے حق کو واضح کرنے میں کوشاں رہتے ہیں یعنی اس مسئلے کے بارے میں اہل علم کے تمام اقوال کو پہلے نقل کرتے ہیں اور پھر قرآن و سنت کی روشنی میں حق واضح کر دیتے ہیں۔ لیکن عورت کی سربراہی کی حمایت کرنے والے اہلِ بصیرت محققین ”روشن خیال“ حضرات کا اسلوب یہ ہے کہ جو بات ان کے خلاف جاتی ہے۔ اس کو انہوں نے نظر انداز یا مسخ کرنے کی کوشش کی ہے اور جہاں ان کو دجل و فریب کے سہارے اپنے موقف کی تائید کرنے کی گنجائش نظر آئی تو اس کو صحیح ثابت کرنے کے لئے اپنی تمام صلاحیتوں کو بغیر شرم و حیا صرف کر دیا ہے۔

مواہب الجلیل کے حوالے میں بھی اسی کمال کا مظاہرہ ہے۔ امام حطاب نے ” باب القضاء“ میں (ذکر العینی قاضی کے لئے مرد ہونا شرط ہے۔ اس کی شرح میں لکھا ہے۔

---

[1] حاشیہ الدسوقی علی الشرح الکبیر۔ جلد ۴ ص ۱۲۹۔

قال في التوضيح وروى ابن ابي مريم عن ابن القاسم جواز ولاية المرأة قال ابن زرقون اظنه فيما تجوز فيه شهادتها قال ابن عبد السلام لا حاجة لهذا التأويل لاحتمال ان يكون ابن القاسم قال كقول الحسن والطبري باجازة ولايتها القضاء مطلقا۔

"اس نے توضیح میں کہا اور ابن ابی مریم نے ابن القاسم سے عورت کے قاضی ہونے کا جواز روایت کیا ہے۔ ابن عرفہ نے کہا کہ میرا گمان ہے کہ ان معاملات میں عورت کا قاضی ہونا جائز ہے کہ جس میں اس کی شہادت مقبول ہے ابن عبد السلام نے کہا کہ اس تاویل کی ضرورت اس احتمال کی وجہ سے نہیں کیونکہ ہو سکتا ہے کہ ابن القاسم نے حسن اور طبری کے قول جیسی بات کہی ہو کہ عورت کو قاضی بننے کی مطلقاً اجازت ہے۔"

پھر امام حطاب نے محققانہ انداز میں ابن زرقون کے قول کو راجح یوں کیا ہے۔

(قلت) الاظهر قول ابن زرقون لان ابن عبد السلام قال في الرد من شذ من المتكلمين وقال الفسق لا ينافي القضاء ومالته وهذا ضعيف جدا لان العدالة شرط في قبول الشهادة والقضاء اعظم حرمة منها۔

"میں کہتا ہوں کہ ابن زرقون کا قول زیادہ واضح ہے کیوں کہ متکلمین میں سے جس کا شاذ قول اور فیصلہ یہ ہے کہ فاسق ہونا قضا کے منافی نہیں، ابن عبد السلام نے اس کا رد کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ بات بہت ہی ضعیف ہے، اس لئے کہ شہادت کے مقبول ہونے میں عادل ہونا شرط ہے اور قضا کی حرمت تو اس سے بہت زیادہ ہے۔"

اہلِ علم کے اقوال نقل کرنے کے بعد امام حطابؒ نے اپنا فیصلہ ان الفاظ میں صادر کیا۔

(قلت) فجعل ما هو مناف	میں کہتا ہوں کہ ابن عبد السلام نے جس بات کو
للشهادة مناف للقضاء فكما	شہادت کے منافی سمجھا وہی قضا کے منافی ہے
ان النكاح والطلاق والحدود	پس جس طرح نکاح، طلاق اور حدود میں عورت
لا تقبل فيها شهادتها فكذلك	کی گواہی قبول نہیں کی جاتی، اسی طرح ان معاملات
لا يصح فيها قضاءها لہ	میں اس کا قاضی ہونا درست نہیں۔"

امام حطابؒ نے یہ ساری بحث عہدہ قضاء کے لئے "المختصر" میں جو شروط رکھی گئی ہیں ان میں "قاضی کا مرد ہونا" کے تحت کی ہے۔ یہاں عورت کے اسلامی ملک کا سربراہ ہونے کا کوئی مسئلہ ہی نہیں۔ اور ابن القاسم کے حوالے سے امام مالکؒ کے جس قول کا ذکر کیا گیا ہے وہ یہاں بھی دکھائی نہیں دیتا۔ لفظ تاویل کے ساتھ بوگس کا اضافہ کرتے ہوئے خیال نہ آیا کہ یہ علمی دیانت کے خلاف ہے۔ فقہ مالکیہ کی کتب نے واضح کر دیا ہے کہ عورت قاضی نہیں بن سکتی کیونکہ قاضی کے لئے مرد ہونا شرط ہے اور رحمت اللہ طارق کا امام مالکؒ اور فقہائے مالکیہ کے بارے میں یہ تأثر دینا کہ وہ عورت کی سربراہی کے حق میں تھے۔ ان پر بہتانِ عظیم ہے۔ دنیا میں "روشن خیال" حضرات کو شاید کچھ فائدہ حاصل نہ ہو جائے لیکن ایسی علمی خیانت کا اللہ کے ہاں جا کر ان کو ضرور جواب دینا ہوگا۔

علامہ الشیخ محمد الشربینی الخطیب الشافعی

صحیح مسلم کے شارح امام ابو زکریا یحییٰ بن شرف النووی المتوفی ۶۷۶ھ کی "منہاج" کی شرح میں

لہ مواہب الجلیل لشرح مختصر خلیل جلد ۶ ص ۸۷-۸۸۔

علامہ الخطیب الشافعی نے امام نوویؒ کی قاضی کے لئے بیان کردہ شروط کو یوں نقل کیا ہے کہ وہ مسلم، مکلف، آزاد، مرد، عادل، سننے والا، بینا، اچھی طرح بولنے والا مجتہد ہو۔

پھر مرد ہونے والی شرط کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ عورت قاضی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس قوم نے اپنا معاملہ عورت کے سپرد کیا وہ ہرگز فلاح نہیں پائے گی۔ اس کو بخاری نے روایت کیا ہے۔ اس لئے کہ عورتیں عقل اور دین میں ناقص ہیں اور اس میں امام ابوحنیفہؒ اور امام ابن جریرؒ کے قول کو رد کرنے کا اشارہ ہے کیونکہ انہوں نے مشروط اور مطلقاً عورت کی قضا کو جائز سمجھا ہے۔

امام ابن جریرؒ اور امام مالکؒ کے اقوال پر پہلے بھی کافی شافی بحث ہو چکی ہے۔ یہاں صرف یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ جمہوریت کے دعویدار جمہور کے فیصلے کو کس بیدردی کے ساتھ پامال کر رہے ہیں۔

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہؓ کا فیصلہ

"روشن خیال" حضرات نے عورت کی سربراہی کو ثابت کرنے کے لئے اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی اس قیادت کو دلیل بنایا ہے جو اُنہوں نے حضرت عثمان غنیؓ کے قصاص میں کی تھی۔ ان کی اس دلیل کی جو حقیقت ہے۔ اگرچہ اُس پر سیر حاصل بحث ہو چکی ہے۔ لیکن ایک اور حوالہ پیش کرنے کے بعد عورت کے قاضی ہونے کے بارے میں اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ کا فیصلہ نقل کیا جائے گا۔

امام محمد بن عبدالوہابؒ المتوفی ۱۲۴۲ھ نے خلافتِ علی بن ابی طالب کے باب میں جنگِ جمل کا ذکر کرتے ہوئے حضرت عائشہ صدیقہ کے بارے میں لکھا ہے۔

---

[1] تسہیل علی مختصر العلامۃ خلیل۔ جلد ۴ ص ۱۳۸۔

وکانت بعد ذلك اذا ذکرت	"اس کے بعد (بصرہ) جانے والی بات ان کو
سیرھا ھذا بکت حتی تبل	جب یاد آتی تو اتنا روتیں کہ ان کے آنسوؤں سے
دموعھا خمارھا وتقول	ان کی اوڑھنی تر ہو جاتی۔ اور وہ کہتیں،
یالیتنی کنت نسیا منسیا و	کاش کہ میں بھولی بسری ہو گئی ہوتی۔ اور
لوددت انی مت قبل ذلك	یہ پسند کرتی ہوں کہ بیس سال پہلے مر
بعشرین سنة [1]	گئی ہوتی"

اپنی جس قیادت پر وہ خود نادم تھیں اور اس کے یاد آتے ہی ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جایا کرتے تھے۔ اس قیادت کو دلیل نہیں بنایا جا سکتا۔

علامہ جلال الدین السیوطی المتوفی ۹۱۱ھ کی ایک کتاب جمع الجوامع ہے۔ جو چند سال قبل تک غیر مطبوعہ تھی لیکن اب جامعہ ازہر والے اس کی تخریج و طبع میں مصروف ہیں۔ اس کتاب کے قلمی نسخہ کی دوسری جلد میں "ادب الامیر من الاکمال" کے تحت الدیلمی کے حوالے سے حضرت عائشہؓ سے مروی ہے۔

لاتکون المرأة حکما تقضی بین العامة۔ لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے لئے عورت حاکم نہیں ہو سکتی

یہی روایت علامہ علاؤالدین علی المتقی بن حسام الدین الہندی البرہان فوری المتوفی ۹۷۵ھ نے بھی نقل کی ہے [1]

حضرت عائشہ صدیقہ کے فیصلہ کے بعد "روشن خیال" حضرات کے لئے اپنی ہٹ دھرمی پر قائم رہنے کا کوئی جواز باقی نہیں رہتا اور ان کو یہ بھی ذہن میں رکھنے کی ضرورت ہے کہ شیطان نے اپنی برتری کو ثابت کرنے کے لئے غلط قیاس کیا تھا جس کی وجہ سے وہ لعین و مردود ہوا۔ لہٰذا آج بھی جو اس کی راہ کو اپنائے گا۔ اس کا انجام بھی اسی کے ساتھ ہوگا۔

وماعلینا الا البلاغ واخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العلمین

---

[1] کنز العمال: جلد ۶ ص ۷۹۔

مصادر ومراجع

	مصنف	کتاب	مطبع
۱	تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ	القرآن الحکیم	
۲	امام محمد بن اسمٰعیل البخاری	الصحیح البخاری	مطبع نور محمد اصح المطابع کراچی
۳	امام ابوالحسین مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری	الصحیح مسلم	مطبع اصح المطابع کراچی
۴	امام الحافظ سلیمان بن الاشعث	سنن ابی داؤد	مطبع اصح المطابع کراچی
۵	امام الحافظ ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب النسائی	سنن النسائی	المکتبۃ السلفیہ لاہور
۶	امام ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ	سنن ابن ماجہ	مطبع نور محمد کراچی
۷	امام احمد بن حنبل	مسند احمد	المکتبۃ الاسلامی بیروت
۸	امام راغب اصفہانی	مفردات القرآن	اہلحدیث اکیڈمی لاہور
۹	امام اسمٰعیل بن کثیر القرشی الدمشقی	تفسیر ابن کثیر	سہیل اکیڈمی لاہور
۱۰	امام ابوعبداللہ محمد بن احمد القرطبی	الجامع لاحکام القرآن	دار الکاتب العربی مصر
۱۱	امام جلال الدین السیوطی	الدر المنثور	محمد امین دمج بیروت
۱۲	امام ابوجعفر محمد بن جریر الطبری	جامع البیان	مطبعہ مصطفیٰ البابی مصر
۱۳	امام فخرالدین الرازی	تفسیر کبیر	مطبعہ عامرہ استنبول
۱۴	امام احمد مصطفیٰ المراغی	تفسیر المراغی	مطبعہ مصطفیٰ البابی مصر
۱۵	امام علاؤالدین علی بن محمد الخازن	تفسیر الخازن	دار الکتب العربیۃ پشاور
۱۶	امام عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی الحنفی	تفسیر النسفی	دار الکتب العربیۃ پشاور

۱۷	امام محمد بن علی بن محمد الشوکانی	تفسیر فتح القدیر	مطبع مصطفیٰ البابی مصر
۱۸	امام ناصر الدین عبداللہ بن عمر البیضاوی	تفسیر البیضاوی	مطبعہ مصطفیٰ البابی مصر
۱۹	امام جار اللہ محمود بن عمر الزمخشری	تفسیر الکشاف	دار الکتاب العربی بیروت
۲۰	امام شہاب الدین محمود آلوسی	تفسیر روح المعانی	ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ مصر
۲۱	امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی	جامع الترمذی	قرآن محل کراچی
۲۲	امام ابو عبداللہ الحاکم النیشاپوری	المستدرک،	مکتب المطبوعات الاسلامیۃ بیروت
۲۳	امام حافظ احمد بن علی بن حجر العسقلانی	فتح الباری	المطبعۃ السلفیہ القاہرہ
۲۴	علامہ عبدالرحمٰن المبارک پوری	تحفۃ الاحوذی	مطبوعہ بیروت
۲۵	امام محمد بن یوسف بن علی بن محمد بن سعید الکرمانی	الکرمانی	دار احیاء التراث العربی بیروت
۲۶	امام احمد عبدالرحمٰن البنا الساعاتی	الفتح الربانی	دار الحدیث۔ القاہرہ
۲۷	امام ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی	مصنف عبدالرزاق	دار القلم۔ بیروت
۲۸	مولانا ابو طیب شمس الحق	عون المعبود	دار الکتاب العربی بیروت
۲۹	امام ابوبکر محمد بن احمد بن ابی سہل السرخسی	المبسوط	ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی
۳۰	امام علی بن عمر الدارقطنی	سنن الدارقطنی	مطبوعہ المدینۃ المنورۃ
۳۱	امام ابوبکر احمد بن الحسین بن علی البیہقی	السنن الکبریٰ	دار صادر۔ بیروت
۳۲	امام علاء الدین ابوبکر بن مسعود الکاسانی الحنفی	بدائع الصنائع	ایچ۔ ایم سعید کمپنی۔ کراچی
۳۳	امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابراہیم بن عثمان بن ابی شیبہ	مصنف ابن ابی شیبہ	
۳۴	امام ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم	المحلیٰ ابن حزم	ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ مصر
۳۵	الشیخ ابو جعفر محمد بن الحسن الطوسی	الاستبصار	دار الکتب الاسلامیہ۔ تہران

۳۶	الشیخ ابوجعفر محمد بن یعقوب بن اسحاق الکلینی	الکافی	دارالکتب الاسلامیہ تہران
۳۷	الشیخ ابوجعفر محمد بن علی بن الحسین بابویہ القمی	من لایحضرہ الفقیہ	مکتبۃ الصدوق، تہران
۳۸	امام محمد ادریس الشافعی	کتاب الام	دارالمعرفۃ - بیروت
۳۹	علامہ عبدالرحمٰن الجزیری	کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ	المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ، مصر
۴۰	امام ولی الدین محمد بن عبداللہ الخطیب	مشکوٰۃ المصابیح	اصح المطابع کراچی
۴۱	ڈاکٹر محمد حمیداللہ کے خطبات	خطبات بہاولپور	اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور
۴۲	علمی و دینی مجلہ	مجلہ فکر و نظر	ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد
۴۳	امام ابومحمد عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ	المغنی ابن قدامہ	الجمہوریۃ العربیہ، مصر
۴۴	امام محمد بن عبداللہ بن الشوکانی	نیل الاوطار	مطبعہ مصطفیٰ البابی، مصر
۴۵	امام محمد بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی	سنن الدارمی	النظام الواقع، بیروت
۴۶	الحافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی	حلیۃ الاولیاء	دارالکتاب العربی، بیروت
۴۷	الشیخ حسین بن محمد بن الحسن الدیار بکری	تاریخ الخمیس	موسسہ شعبان، بیروت
۴۸	علامہ ابن اثیر ابوالحسن علی بن محمد الجزری	تاریخ الکامل	دارالکتاب العربیہ بیروت
۴۹	امام ابوجعفر محمد بن جریر الطبری	تاریخ الامم والملوک	دارالعلم، بیروت
۵۰	علامہ عبدالرحمٰن بن محمد بن خلدون	تاریخ ابن خلدون	موسسۃ الاعلمی، بیروت
۵۱	محمد قاسم فرشتہ	تاریخ فرشتہ	شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور
۵۲	علامہ سید امیر علی	تفسیر مواہب الرحمٰن	ادارہ نشریات اسلام لاہور
۵۳	علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی	تفسیر المظہری	بلوچستان بک ڈپو، کوئٹہ
۵۴	مولانا سید احمد حسن محدث دہلوی	احسن التفاسیر	المکتبۃ السلفیہ، لاہور

۵۵	مولانا عبدالماجد دریا بادی	تفسیر ماجدی	تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور
۵۶	امام ابوعبداللہ محمد بن احمد بن عثمان الذہبی	میزان الاعتدال	داراحیاء الکتب العربیہ، مصر
۵۷	الحافظ شہاب الدین ابوالفضل احمد بن علی بن حجر العسقلانی	تہذیب التہذیب	دار صادر، بیروت
۵۸	حکومت پاکستان	روزنامہ امروز	لاہور
۵۹	حکومت پاکستان	روزنامہ پاکستان ٹائمز	لاہور
۶۰	الحافظ اسمٰعیل بن کثیر القرشی الدمشقی	البدایہ والنہایہ	مکتبۃ المعارف بیروت
۶۱	امام ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب الماوردی	الاحکام السلطانیہ	دارالکتب العربیہ بیروت
۶۲	الشیخ السید علی بن عثمان ہجویری	کشف المحجوب	شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور
۶۳	علامہ جمال الدین ابو محمد عبداللہ بن یوسف الزیلعی	نصب الرایہ	دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور
۶۴	امام عبداللہ محمد بن ابی بکر ابن قیم الجوزیہ	اغاثۃ اللہفان	مطبعہ مصطفیٰ البابی، مصر
۶۵	علامہ برہان الدین المرغینانی	الہدایہ	نعمانی کتب خانہ، لاہور
۶۶	مدیر مسئول۔ اقتدار احمد	ہفت روزہ "ندا"	سمن آباد ، لاہور
۶۷	رحمت اللہ طارق	عورت اور مسئلہ امارت	ادبیات اسلامیہ ملتان
۶۸	الحافظ ابن حجر عسقلانی	ھدی الساری	ادارہ الطباعۃ المنیریہ
۶۹	امام ابوعبداللہ شمس الدین محمد الذہبی	تذکرۃ الحفاظ	محمد امین دمج، بیروت
۷۰	الشیخ علی بن سلطان محمد القاری	مرقاۃ المصابیح	مکتبہ امدادیہ، ملتان
۷۱	امام ابوعبداللہ محمد بن اسمٰعیل البخاری	الادب المفرد	محب الدین الخطیب القاہرہ
۷۲	محمد بن اسحاق ندیم	الفہرست (اردو)	ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور
۷۳	امام ابوالعباس شہاب الدین احمد بن محمد القسطلانی	ارشاد الساری	داراحیاء التراث العربی بیروت

نمبر	مصنف	کتاب	ناشر
۷۴	السید شہاب الدین النجفی المرعشی	کشف الظنون	مکتبۃ المثنی، بغداد
۷۵	علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن العینی	عمدۃ القاری	مکتبہ مدنیہ، لاہور
۷۶	امام ابو عمرو عثمان بن عبدالرحمٰن الشہرزوری	مقدمہ ابن الصلاح	المکتبۃ العلمیۃ، المدینہ المنورہ
۷۷	حافظ ابن عبدالبر ابو عمر یوسف بن عبداللہ	کتاب الاستیعاب	دائرۃ المعارف، حیدرآباد دکن
۷۸	امام عزالدین بن الاثیر الجزری	اسد الغابہ	الشعب، القاہرہ
۷۹	امام محمد بن سعد بن منیع البصری	طبقات ابن سعد	دار صادر، بیروت
۸۰	حافظ ابن حجر عسقلانی	الاصابہ	مطبعۃ السعادۃ، مصر
۸۱	علامہ علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین الہندی	کنز العمال	مؤسسۃ الرسالہ
۸۲	امام شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان الذہبی	سیر اعلام النبلاء	مؤسسۃ الرسالہ، بیروت
۸۳	الحافظ ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی	تاریخ بغداد	دار الکتب العربیہ، بیروت
۸۴	امام ابوبکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب	الکفایہ فی علم الروایۃ	المکتبۃ العلمیہ، مدینہ منورہ
۸۵	لویس معلوف الیسوعی	المنجد	المطبعۃ الکاثولیکیہ، بیروت
۸۶	ابن ہشام	سیرت ابن ہشام	مطبعۃ مصطفی البابی، مصر
۸۷	امام نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی	مجمع الزوائد	دار الکتاب العربی، بیروت
۸۸	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطی	تنویر الحوالک شرح موطا امام مالک	مطبعۃ مصطفی محمد، مصر
۸۹	مدیر مسئول ۔ مجید نظامی	نوائے وقت خصوصی اشاعت	لاہور
۹۰	امام ابی السعادات المبارک بن محمد ابن الاثیر الجزری	جامع الاصول	مطبعۃ الملاح ۔ مصر
[illegible]	[illegible] مسلم	[illegible] المعارف لابن قتیبہ	نور محمد ۔ کراچی
۹۲	الکمال بن الہمام	فتح القدیر شرح الہدایہ	المکتبۃ الرشیدیہ، کوئٹہ

۹۳	علامہ السید محمد امین المعروف ابن عابدین	فتاوی الشامی تفسیر ترجمان القرآن	مطبعہ الکبری الامیریہ مصر
۹۴	امام محمد بن محمد بن سلیمان الفاسی المغربی	جمع الفوائد	المکتبہ الاسلامیہ۔ لائل پور
۹۵	امام محمد بن اسمٰعیل الکحلانی العسقانی	سبل السلام	المکتبہ التجاریہ الکبری۔ مصر
۹۶	محدث دہلوی شاہ ولی اللہ	حجۃ البالغہ	المطبعہ المصریہ السنیہ
۹۷	امام جلال الدین السیوطی	جمع الجوامع	القلمی
۹۸	امام صفی الدین احمد بن عبداللہ الخزرجی	خلاصہ تہذیب الکمال	المکتبہ الاثریہ۔ سانگلہ ہل
۹۹	امام شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان الذہبی	الکاشف	دارالکتب الحدیثیہ۔ القاہرہ
۱۰۰	حافظ ابن حجر عسقلانی	تقریب التہذیب	دارنشر الکتب اسلامیہ، گوجرانوالہ
۱۰۱	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی	تدریب الراوی	دارنشر الکتب الاسلامیہ، لاہور
۱۰۲	الدکتور صبحی الصالح	علوم الحدیث	کتب خانہ محمدی، کوئٹہ
۱۰۳	امام ابو جعفر محمد بن عمرو بن موسیٰ بن حماد العقیلی	کتاب الضعفاء الکبیر	دارالکتب العلمیہ بیروت
۱۰۴	امام ابو محمد عبدالرحمٰن بن ابی حاتم	کتاب الجرح والتعدیل تلخیص للحافظ الذہبی	دارالامم۔ بیروت
۱۰۵	امام ابو احمد عبداللہ بن عدی الجرجانی	الکامل لابن عدی	دارالفکر
۱۰۶	امام ابو عبداللہ اسمٰعیل بن ابراہیم البخاری	تاریخ الکبیر	دارالباز۔ مکۃ المکرمہ
۱۰۷	امام شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن ابی بکر بن القیم الجوزیہ	زادالمعاد	مطبعہ مصطفی البابی۔ مصر
۱۰۸	امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابراہیم عثمان بن ابی شیبہ	مصنف ابن ابی شیبہ	
۱۰۹	السیدہ زینب بنت علی بن حسین بن عبیداللہ	الدرالمنثور	مطبعہ الکبری الامیریہ مصر
۱۱۰	عمر رضا کحالہ	اعلام النساء	مؤسسۃ الرسالہ بیروت
۱۱۱	خیرالدین الزرکلی	اعلام الزرکلی	مطبعہ کوستانسوماس۔ الظاہر

نمبر	مصنف	کتاب	ناشر
۱۱۲	تقی الدین ابو العباس احمد بن علی المقریزی المتوفی ۸۴۵ھ	الخطط المقریزیہ	مؤسسۃ الحلبی و شرکاہ ۔ القاہرہ
۱۱۳	ڈاکٹر فرید امام شافعی		منسٹری آف انفرمیشن ۔ مصر
۱۱۴	پنجاب یونیورسٹی	اُردو دائرہ معارف	دانش گاہ پنجاب ۔ لاہور
۱۱۵	ابو الفلاح عبد الحی بن العماد الحنبلی	شذرات الذہب	مکتبۃ القدسی بجوار الازہر مصر
۱۱۶	امام جمال الدین ابو الحجاج یوسف بن الزکی عبد الرحمٰن بن یوسف المزی المتوفی ۷۴۲ھ	تحفۃ الاشراف	دار الباز ، مکہ مکرمہ
۱۱۷	علامہ ابو الفضل جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور	لسان العرب	دار صادر ۔ بیروت
۱۱۸	امام الجصاص المتوفی ۳۷۰ھ	احکام القرآن	مطبعۃ الاوقاف الاسلامیہ
۱۱۹	العلامہ الشیخ محمد علیش	شرح منح الجلیل علی مختصر العلامہ خلیل	مکتبہ النجاح طرابلس ۔ لیبیا
۱۲۰	علامہ شہاب الدین الرملی المتوفی ۱۰۰۴ھ	نہایۃ المحتاج فی شرح المنہاج	مطبعہ مصطفی البابی الحلبی واولادہ ۔ مصر
۱۲۱	علامہ عبد الرؤف المناوی	فیض القدیر	مطبعہ مصطفی محمد ۔ مصر
۱۲۲	روایۃ الامام سحنون بن سعید التنوخی عن الامام عبد الرحمٰن بن القاسم	المدونۃ الکبریٰ	المطبعۃ الخیریۃ
۱۲۳	الشیخ محمد الشربینی الخطیب	مغنی المحتاج شرح متن المنہاج	دار الفکر
۱۲۴	الشیخ صالح عبد السمیع الابی الازہری	جواہر الاکلیل شرح مختصر خلیل	مطبعہ عیسیٰ البابی الحلبی مصر
[illegible]	[illegible] الدسوقی	حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر	عیسیٰ البابی الحلبی ۔ مصر
۱۲۷	مولانا ابو الاعلیٰ مودودیؒ	اسلامی ریاست	اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ ۔ لاہور

۱۲۸	شمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر بن خلکان	وفیات الاعیان	المطبعۃ امیر۔ قم
۱۲۹	امام ابو حاتم محمد بن حبان، المتوفی ۳۵۴ھ	صحیح ابن حبان	مؤسسۃ الرسالۃ
۱۳۰	امام ابو بکر عبداللہ بن الزبیر الحمیدی	مسند الحمیدی	المکتبۃ السلفیہ۔ المدینۃ المنورۃ
۱۳۱	امام ابو بکر محمد بن اسحاق ابن خزیمہ المتوفی ۳۱۱ھ	صحیح ابن خزیمہ	المکتب الاسلامی۔ بیروت
۱۳۲	امام عبدالوہاب الشعرانی	لواقح الانوار القدسیہ	مکتبہ مصطفی البابی۔ مصر
۱۳۳	پرویز	مفہوم القرآن	ادارہ طلوع اسلام۔ لاہور
۱۳۴	السید سابق	فقہ السنۃ	دار الکتاب العربی۔ بیروت
۱۳۵	علامہ احمد بن محمد بن علی، المتوفی ۷۷۰ھ	کتاب المصباح المنیر	مطبعۃ الامیریہ۔ القاہرہ
۱۳۶	جبران مسعود	الرائد	دار العلم للملایین۔ بیروت
۱۳۷	امام ابو بکر عبداللہ محمد بن عبدالرحمن الدمشقی	رحمۃ الامۃ فی اختلاف ائمہ	مطبعہ مصطفی البابی۔ مصر
۱۳۸	امام ابو المواہب عبدالوہاب بن احمد بن علی الانصاری	المیزان الکبریٰ	مطبعہ مصطفی البابی۔ مصر
۱۳۹	امام ابو المواہب عبدالوہاب بن احمد بن علی الانصاری	کشف الغمہ	مطبعہ مصطفی البابی۔ مصر
۱۴۰	مولانا اشرف علی تھانوی	تفسیر بیان القرآن	تاج کمپنی لمیٹڈ۔ لاہور
۱۴۱	مدیر مسئول حافظ عبدالقادر روپڑی	تنظیم اہلحدیث	لاہور

بسم الله الرحمن الرحيم
اللهم صل على محمد وعلى آل محمد
كما صليت على ابراهيم وعلى
آل إبراهيم إنك حميد مجيد
اللهم بارك على محمد وعلى آل
محمد كما باركت على ابراهيم وعلى
آل إبراهيم إنك حميد مجيد

مُصنّف کی دُوسری تصنیفات

— شیخ الاسلام حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ

— جنازے کے مسائل

— انکم ٹیکس کی شرعی حیثیت

— قادیانی لاہوری مرزائی دائرۂ اسلام سے خارج کیوں ہیں ؟

— آخری چہار شنبہ کی تاریخی حقیقت

— رجب کے کونڈے

— رجم کے بارے میں وفاقی شرعی عدالت کے غیر شرعی فیصلے کا علمی جائزہ

— پریس پر پابندی کے بارے میں اسلامی نقطۂ نظر

— کفن پر دُعائیہ کلمات لکھنے کی اصل

ملنے کا پتہ

- نعمانی کتب خانہ ، اُردو بازار ، لاہور
- مکتبۃ السلفیہ ، شیش محل روڈ ، لاہور
- مسجد مبارک ، اسلامیہ کالج ، ریلوے روڈ ، لاہور
- سُبحانی اکیڈمی ، اُردو بازار ، لاہور

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا فیصلہ
لا تكون
المرأة حكما تقضي
بين الناس
لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے کیلئے عورت حاکم نہیں ہو سکتی